دنیا کے نامور فاتحین

قمر تسکین

Marfat.com

دُنیا کے نامور فاتحین

مصنف

قمر تسکین

مکتبہ القریش قذافی مارکیٹ اردو بازار لاہور ۲

Marfat.com

98247

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر	:	عبدالحفیظ قریشی
مطبع	:	نیر اسد پرنٹرز لاہور
کمپوزنگ	:	کلائمکس کمپیوٹرز
تعداد	:	600
سن اشاعت	:	2003ء
قیمت	:	-/200 روپے

مکتبہ القریش اُردو بازار لاہور۔

ISBN 969 - 38 - 0066 - 4

Marfat.com

مندرجات

عنوانات	نمبر صفحات
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم	۱۱
حضرت ابوعبیدہ بن الجراح	۱۵
حضرت ضرار رضؓ بن ازور	۲۰
حضرت خالد رضؓ بن ولید	۲۱
حضرت سعد رضؓ بن ابی وقاص	۲۲
حضرت شرجیل رضؓ بن حسنہ	۲۴
حضرت سعید رضؓ بن العاص	۲۵
حسان بن نعمان	۲۶
ابومحجن ثقفی رضؓ	۲۷
سائرس اعظم	۲۸
سکندر اعظم	۲۹
سیزر جولیئس	۳۱
شاہ پور اول	۳۲
شاہ پور دوم	۳۲
بخت نصر	۳۳
بکرماجیت	۳۴
پاپے	۳۴
پیٹر اعظم	۳۵
تھیوڈورک	۳۶
چنگیز خان	۳۶
اسد بانی پال	۳۷
اٹیلا	۳۷
اردشیر بابکان	۳۹
ہنی بال	۴۰
رستم	۴۱
دارا اول	۴۲
امیر شہید عبدالرحمن بن عبداللہ غافقی	۴۳
ہارون الرشید	۵۰
ظہیر الدین بابر	۵۶
ابوالمظفر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر	۶۲
شیر شاہ سوری	۶۹
سلطان صلاح الدین ایوبی	۷۵
ابن ابی عامر المنصور	۸۱
جنید بن عبدالرحمن	۹۶
عبدالرحمن الداخل	۹۹
سلطان سلیمان اعظم	۱۰۶
سلطان ابن سعود	۱۱۱
غازی مصطفٰے کمال پاشا	۱۱۹

Marfat.com

عنوانات	نمبر صفحات	عنوانات	نمبر صفحات
محمد نادر شاہ غازی	۱۲۶	سٹالن	۱۹۴
عبدالرحمٰن ثالث	۱۳۲	سلیم اوّل	۱۹۶
ژاں لفیت	۱۳۵	شاہ اسماعیل صفوی	۱۹۷
عوامی فاتح	۱۴۴	سکندر لودھی	۱۹۷
انقلاب فرانس کی ہیروئن	۱۴۵	ابراہیم قطب شاہ	۱۹۹
انقلاب فرانس	۱۵۵	نواب سراج الدولہ	۲۰۰
یاسر عرفات	۱۶۱	بُدھ شتر	۲۰۱
ہلاکو خان	۱۸۲	ٹیپو سلطان	۲۰۲
باتو خان	۱۸۳	بایزید یلدرم	۲۰۲
ایپامینونڈاس	۱۸۴	خیرالدین باربروسہ	۲۰۴
اسفندیار	۱۸۵	احمد بن طولون	۲۰۵
چندرگپت موریہ	۱۸۶	احمد شاہ گجراتی	۲۰۵
بہرام گور	۱۸۶	احمد شاہ ابدالی	۲۰۷
تانتیا توپی	۱۸۷	شاہ اسماعیل شہید	۲۰۷
رنجیت سنگھ	۱۸۸	الپ ارسلان	۲۰۹
الفریڈ اعظم	۱۸۹	سلطان شہاب الدین محمد غوری	۲۱۰
بادشاہ آرتھر	۱۸۹	سلطان حیدر علی	۲۱۰
شارلیمان	۱۹۰	انور پاشا	۲۱۱
جارج واشنگٹن	۱۹۱	قطب الدین ایبک	۲۱۲
مارشل جامزے جوزف	۱۹۱	عبدالکریم غازی ریف	۲۱۴
سوکولومنسکی	۱۹۲	ماؤزے تنگ	۲۱۵
مالنکے	۱۹۳	تیر انداز ولیم ٹیل	۲۱۸
کوسومنسکی کانسٹنٹائن	۱۹۳	جنگ آزادئ آئرلینڈ کی ہیروئن	۲۲۶

Marfat.com

عنوانات	نمبر صفحات	عنوانات	نمبر صفحات
(جھوٹ جہالت اور غلامی کے فاتح)	۲۳۲	محمد بن قاسم	۳۰۱
رابرٹ ایک فرشتہ	۲۳۴	طارق بن زیاد	۳۰۳
ژان وارک	۲۳۹	موسیٰ بن نصیر	۳۰۳
سروتیس	۲۴۲	قتیبہ بن مسلم	۳۰۴
برونو	۲۴۴	گیری بالڈی	۳۰۴
ہوچی منہ	۲۴۶	لینن	۳۰۵
کنشنگ	۲۵۶	شرف الدینؒ فاتح تاتار	۳۰۷
نپولین اعظم	۲۵۸	محمود غزنوی	۳۰۹
ٹرینیڈاڈ کا فاتح	۲۶۹	مہدی سوڈانی	۳۱۱
ہٹلر	۲۷۷	نوشیروان	۳۱۱
قائداعظم محمد علی جناحؒ	۲۹۴	ولیم فاتح	۳۱۲
آیت اللہ خمینی	۳۰۰	ہرش وردھن	۳۱۲

Marfat.com

قارئین سے

پیارے قارئین میں بخوبی واقف ہوں کہ آپ میری کتب کو پسند کرتے ہیں اور انھیں خرید کر ذوق و شوق سے پڑھتے اور میری کاوشوں کو سراہتے ہیں، دراصل یہی وہ بنیادی وجہ ہے کہ ناشر حضرات مسلسل میری کتب کی اشاعت کرتے جا رہے ہیں، جو چیز کھلی مارکیٹ میں فروخت نہ ہو سکے یا بہت کم فروخت ہو، اُسے سوداگر اپنے سٹاک میں کبھی نہیں رکھتے، یہی کیفیت ناشر حضرات کی ہے۔ وہ صرف اُس مصنف کی کتب کی اشاعت پسند کرتے ہیں جو مارکیٹ میں فروخت ہو سکیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے بعد میں اُن قارئین کا ممنون ہوں، جو گذشتہ ۴۹ برس سے مسلسل میری حوصلہ افزائی کرتے آ رہے ہیں، میں انھیں یقین دلاتا ہوں اور ان سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ بھی پوری ایمانداری، خلوص، محنت اور تحقیق و جستجو کے بعد اُن کے لیے لکھوں گا اور اپنی زندگی کی آخری سانس تک مسلسل لکھتا رہوں گا۔ الوداع، خدا حافظ۔

ناقدین سے

محترم جناب! میں آپ کے حسد، جلن اور پریشانی سے بھی بخوبی واقف ہوں، لیکن میں مجبور ہوں، میرے پاس آپ کی پریشانی دور کرنے کا کوئی علاج نہیں، کیونکہ لکھنا میرا پیشہ ہے اور میں ۴۹ برس سے لکھ رہا ہوں۔ اب اپنے پیشہ کو تبدیل نہیں کر سکتا، باقی رہے ناشر حضرات اوّل تو وہ اپنے فائدہ کے پیش نظر میری کتب شائع کرتے ہی رہیں گے۔ وہ نہ بھی کریں تو میں خود اپنی کتب لکھ کر خود ہی شائع بھی کر سکتا ہوں، کوئی ایسا موقع آ گیا تو آپ مجھے مصنف کے ساتھ ساتھ ایک ناشر کی حیثیت سے بھی مارکیٹ میں موجود پائیں گے۔ آپ کی پریشانی دُور کرنے کے لیے میرا ایک مشورہ ہے، وہ یہ کہ آپ مجھ پر غلط سلط اعتراضات کرنے کی بجائے خود لکھیں اور مجھ سے بہتر لکھیں، لیکن شاید آپ ایسا نہ کر سکیں، کیونکہ حاسد نہ تو ایماندار ہوتا ہے نہ مخلص نہ محنتی اور نہ وہ تحقیق و جستجو پر وقت صرف کر سکتا ہے۔ وہ صرف چرب زبان ہوتا ہے اسلئے میں جانتا ہوں کہ آپ خود کچھ کر کے دکھانے کی بجائے مجھ پر صرف اعتراضات ہی کرتے رہیں گے، کرتے رہیئے، میں مشہور شاعر عُرفی کا یہ شعر پڑھتا رہوں گا۔

عُرفی تو میندیش ز غوغائے رقیباں
آواز سگاں کم نکند رزق گدا را

قمر تسکین

۲۲۔ دسمبر ۱۹۸۶ء

تسکین منزل۔ ۱۲۔ لاہور روڈ۔ لاہور

Marfat.com

انتساب

اُس محقق کے نام

جو اگست ۱۹۴۷ء سے دسمبر ۱۹۸۶ء تک کے اُن انعام خور، سرکاروں کے ہمنوا دجی حضوری سرکاری و نیم سرکاری ادباء و شعراء اور صحافیوں کی ایک مکمل فہرست مرتب کرے گا۔ جنھیں ہر دور میں برسر اقتدار طبقہ نے ہر طرح نوازا اور سارے سرکاری و نیم سرکاری اداروں، ٹیلیویژن، ریڈیو، علمی ادبی تحقیقی اداروں، جماعتوں اور اخبارات نے قلمکار ثابت کرنے کی ہر امکانی کوشش کی لیکن بہادر وطن دوست، حریت پسند پاکستانی عوام ان جی حضوری قلمکاروں کو عوام دشمن سرکاری قلمکار کے علاوہ کوئی نام نہ دے سکے۔

قمر تسکین

Marfat.com

مصنف

اصل نام ۔ قمرالدین خان لودھی بن تاج الدین خان لودھی بن ڈاکٹر نورالدین خان لودھی
قلمی نام ۔ قمر تسکین ۔ (جواب اصلی نام بن چکا ہے)
عمر ۔ دسمبر ۱۹۸۶ء میں ساٹھ برس سے ایک آدھ برس زائد ہو گئی ہے ۔

دوسری طبع شدہ کتب

اسلامی تاریخی ناول ۔ بنت قریش، شیر مصر، شمشیر اسلام، ترک مرد میدان مجاہدین الجزائر، طارق بن زیاد، غلام بادشاہ ۔

نفسیاتی ناول ۔ ہزاروں لڑکیاں، سارا جہاں اداس ہے، لوٹ آئی ہے بہار ۔

افسانوی مجموعے ۔ جرم و سزا کی کہانیاں، سچے دہشتناک افسانے ۔

اسلامی کتب ۔ اسلام کی نامور خواتین، اسلام کے نامور مجاہدین، حکایت اسلام، حکایات حج، حکایات خواتین اسلام، حکایات قرآن، سچی اسلامی کہانیاں قرآنی معلومات، سیرت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، سو مسلمان مشاہیر،

مختلف موضوعات ۔ ہنستے ہوئے جینا، نفسیات، ملک ملک کے کھانے، بہاولپور کے آثار قدیمہ ۔ نئی نئی معلومات، مردانہ وار شکار کی سچی کہانیاں، سورج سے علاج، دودھ سے علاج ۔

مصنف کے اپنے پیارے :- مبارکہ شہناز اور نسیم تسکین (بہو اور بیٹا)، اختر بیگم (اہلیہ) ندیم تسکین (پوتا) ظفر تسکین (بیٹا)

دنیا کے پتے بشرط زندگی ۔ تسکین منزل - ۱۲- لاہور روڈ لاہور اور عنایت اسلام منزل بہاولنگر
بعد از وفات : قبرستان میانی صاحب لاہور
(شیخ طاہر بندگی ؒ کے نزدیک اپنی والدہ سردار بیگم کے پہلو میں)

Marfat.com

دُنیا کے سب سے بڑے فاتح

حضرت محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم

وُہ جنگیں جو کفار اور مسلمانوں کے مابین ہوئیں اور اُن میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم بہ نفسِ نفیس شریک ہوتے، غزوات کہلاتی ہیں۔ چند مشہور غزوات میں غزوۂ بدر (۲ھ بمطابق ۶۲۴ء) غزوۂ احد (۳ھ بمطابق ۶۲۵ء) غزوۂ احزاب یا خندق (۵ھ بمطابق ۶۲۷ء) غزوۂ خیبر (۸ھ بمطابق ۶۳۰ء) غزوۂ حنین (۸ھ بمطابق ۶۳۰ء) اور غزوۂ تبوک (۹ھ بمطابق ۶۳۱ء) شامل ہیں۔

غزوۂ بدر

بدر فارسی زبان میں چودھویں کے چاند کو کہا جاتا ہے۔ یہ غزوہ بھی چودھویں کے چاند کی مانند تھا جس سے پہلے عرب کے اور بعد میں دُنیا بھر کے انسانوں کے دلوں میں اسلام کی روشنی اور عظمت قائم ہوگئی یہ جنگ مدینہ سے شام جانے والی سڑک پر جو مدینہ سے اَسّی میل کی مسافت پر واقع ہے ایک گاؤں میں لڑی گئی۔ یہ ۲ھ کی جنگ مسلمانوں اور کُفّارِ مکہ کے درمیان پہلی جنگ تھی۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ جب سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مسلمان ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ تشریف لے آئے تھے۔ کفارِ مکہ غم و غصّہ میں جل بھن رہے تھے اور مسلسل یہ کوشش کر رہے تھے کہ مدینہ جاکر مسلمانوں پر حملہ کر دیں کفار نے سارے انتظامات مکمل کر لیے تو ایک معمولی سی بات کو بہانہ بنا کر ایک ہزار لڑنے والوں اور تین سو سواروں کا ایک رسالہ لے کر مسلمانوں پر چڑھ دوڑے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ بھی مسلمانوں کو

Marfat.com

کر مقابلہ کے لیے نکلے۔ مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی نہ تو ان کے پاس کافی ہتھیار تھے اور نہ سواریوں ہی کا کوئی انتظام تھا۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے اپنے پیغمبر آخرالزمان محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا۔ خدا نے مسلمانوں کی مدد کی اس لیئے کفار کو شکست فاش ہوئی۔ ان کا سپہ سالار عتبہ بھی مارا گیا اور دوسرے سرداروں میں سے ابوجہل اور اُمیہ بن خلف بھی موت کے گھاٹ اتر گئے اور بعض سرداروں کو مسلمانوں نے گرفتار بھی کر لیا۔

اس غزوہ میں مسلمانوں میں سے صرف چودہ اشخاص کو شہادت کا بلند مرتبہ نصیب ہوا۔ اسلامی فتوحات اور دُنیا کی دوسری فتوحات میں دُنیا کے سب سے بڑے فاتح حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کارنامہ انتہائی معرکتہ الآرا واقعہ ہے۔

غزوۂ احد

اُحد ایک پہاڑی کا نام ہے جو مدینہؐ سے شمال کی سمت تین چار میل کی مسافت پر واقع ہے۔ ۳ھ میں مسلمانوں کی کفار مکّہ کے ساتھ لڑائی اسی مقام پر ہوئی تھی۔ اِس جنگ کی وجہ جنگ بدر تھی جس میں کفار کو شکست بھی ہوئی تھی اور ابوجہل بھی مارا گیا تھا۔ ابوجہل کے بعد ابوسفیان سردار مقرر ہوا تو کفار نے مسلمانوں سے بدر کا انتقام لینے کے لیے زبردست تیاریاں شروع کر دیں اور قریش نے دوسرے قبائل عرب سے بھی امداد لینے کا پروگرام بنایا۔ نتیجہ میں کفار نے تین ہزار جوانوں اور بے شمار سامان جنگ کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کے ارادے سے کوچ کیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپؐ بھی دس شوال بروز جمعہ ایک ہزار جمعیت کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ راہ میں یہودیوں اور منافقوں کی بدعہدی کے باعث آپؐ کے ساتھ صرف سات سو مجاہد مسلمان باقی رہ گئے۔ تین سو منافق الگ ہو کر مدینہ لوٹ گئے۔

Marfat.com

مسلمانوں نے منافقین کی علیحدگی کا صرف یہ اثر لیا کہ پوری تنظیم اور تیاری کے بعد یکبارگی کفار پر اس جوش و خروش سے حملہ آور ہوئے کہ کفار کے چھکے چھوٹ گئے اور ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں نے بڑی بے فکری کے ساتھ مال غنیمت لوٹنا شروع کر دیا اور جن مسلمانوں کو حضورؐ نے پہاڑ کے درہ پر مامور کیا تھا وہ بھی درہ چھوڑ کر لوٹ مار میں مصروف ہو گئے۔ کفار نے درہ کو خالی دیکھا تو فوراً درہ میں گھس آئے اور عقب سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ مسلمانوں کو سنبھلنے کا موقع نہ ملا گھمسان کی جنگ شروع ہوئی تو حضرت حمزہ شہید ہو گئے۔ مسلمانوں میں سے بہت تھوڑے سے آدمی میدان میں ڈٹے رہے اور زیادہ تعداد میں تتر بتر ہو گئے مگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جگہ چھوڑنا پسند نہ کیا۔ ایک کافر نے حضورؐ کو پتھر مار کر حضورؐ کے چار دانت بھی شہید کر دیئے اور خود کے حلقے بھی حضورؐ کے چہرے میں گھس گئے۔ اس پر کفار نے مشہور کر دیا کہ حضور شہادت پا گئے ہیں یہ سن کر مسلمان مجاہدین نے کافروں پر سختی سے حملے شروع کر دیئے اور کفار کی بیشتر تعداد کو جہنم رسید کر دیا۔ جو مسلمان حضورؐ کی بشارت کی افواہ سن کر تتر بتر ہوئے تھے۔ دوبارہ اکٹھے ہوئے اور کفار کو مار مار کر پسپائی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔

غزوۂ خندق

یہودیوں کے قبیلہ بنو نضیر نے مشرکین مکہ کو اپنے ساتھ ملا کر مدینہ پر چڑھائی کی تو حضور اکرمؐ کے حکم سے مدینہ کی مشرقی جانب خندق کھودی گئی اور کفار کا حملہ ناکام ہو گیا۔ اللہ تعالےٰ نے آندھی اور شدت کی بارش سے مسلمانوں کی مدد کی اور کفار بڑی ناکامی اور بے سروسامانی کی حالت میں مدینہ کا محاصرہ اٹھا کر بھاگ نکلے۔

غزوۂ بنو بکر، غزوۂ بنی قینقاع، غزوۂ بنو مصطلق، غزوۂ ذات اکرتاع اور

Marfat.com

غزوۂ فتح، غزوہ سویق، غزوہ حنین، غزوۂ خیبر وغیرہ میں بھی مسلمانوں کو شاندار فتوحات حاصل ہوئی تھیں۔

فتح مکہ - ۲ رمضان المبارک ۸ ہجری بمطابق ۱۲ جنوری ۶۳۰ء فتح مکہ کا عظیم واقعہ رونما ہوا۔ یہ واقعہ روسائے قریش کے مسلمانوں سے صلح کا معاہدہ توڑنے کے باعث پیش آیا۔ فتح مکہ تاریخ عالم وہ عظیم واقعہ ہے جس میں دُنیا کے سب سے بڑے فاتح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فیاضی اور عفو عام سے اسلام اور اپنے بدترین مخالفوں کو ندامت کے آنسو بہانے پر مجبور کر دیا۔ لوگ دوڑ دوڑ کر حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔ مکہ کے لوگوں کے اسلام لانے کے بعد سارا عرب مسلمان ہو گیا تھا۔

Marfat.com

حضرت ابوعبیدہ بن الجرّاح رضی اللہ عنہ

حضرت ابوعبیدہؓ بن الجرّاح کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہے۔ یعنی آپ ان بزرگ صحابیوں میں سے ہیں، جنہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زندگی ہی میں جنتی ہونے کی بشارت دی تھی۔ آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ آپ کو اللہ کے برگزیدہ نبی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت کا امین بھی قرار دیا ہے۔

حضرت ابوعبیدہؓ اسلام لانے سے قبل بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عزیز دوست تھے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خود اسلام لاتے ہی اپنے سارے دوستوں کو دعوتِ اسلام دی تھی۔ آپ کے دوستوں میں سے زبیرؓ و طلحہؓ عبدالرحمٰنؓ بن عوف، سعدؓ بن وقاص، عثمانؓ بن عفان اور ابوعبیدہؓ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس طرح حضرت ابوعبیدہؓ کا شمار سابقون الاوّلون میں ہوتا ہے۔

سابقون الاوّلون اُن مقتدر صحابیوں کو کہا جاتا ہے۔ جنہوں نے ابتدا ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا اور اسلام کی خاطر مشرکین مکّہ کی طرف سے مسلمانوں پر روا رکھے گئے ظلم و ستم برداشت کیے تھے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے بھی اسلام کی خاطر ساری آفات کا مقابلہ کیا تھا۔ آپ دو بار ہجرت کر کے حبش گئے اور تیسری بار ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تھے اور ہر بار ہجرت کے موقع پر آپ کو گھر بار، وطن خاندان اور مال و دولت سے ہاتھ دھونے پڑے تھے۔

مدینہ پہنچنے کے بعد بھی جب مسلمانوں کو تنگ کرنے کے لیے مشرکین مکّہ نے بدر کے میدان میں اسلام کو مٹانے کی بھرپور کوشش کی تھی تو اس موقع پر حضرت ابوعبیدہ کی اسلام دوستی کی کیا کیفیت تھی، اس کا اظہار اس واقعہ سے ہوتا ہے جو حضرت ابوعبیدہؓ کو میدانِ بدر میں پیش آیا تھا۔ ہوا یہ تھا کہ بدر کے

Marfat.com

میدان میں بیٹا مجاہدینِ اسلام کی صف میں تھا تو باپ مشرکینِ مکہ کا حامی و مددگار بن کر جنگ کر رہا تھا۔ حضرت ابو عبیدہؓ کے ساتھ بعینہٖ یہی واقعہ پیش آیا تھا۔ آپ خدا کے نبیؐ کے ساتھ مسلمانوں کی صف میں تھے اور آپ کا والد کافروں کی فوج میں تھا۔ جب جنگ کا آغاز ہوا تو آپ کے والد نے تاک تاک کر آپ کو تیروں کا نشانہ بنایا جس پہ آپ کچھ دیر تو طرح دیتے رہے، لیکن جب آپ پہ یہ بخوبی واضح ہو گیا کہ وہ باز نہیں آرہا اور نہ باز آنے کا ارادہ رکھتا ہے تو پھر آپ نے باپ کی محبت کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت کے سامنے ہیچ جانا اور ایک ہی وار میں باپ کا خاتمہ کر دیا۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے اپنے اس فعل سے اپنے دین سے تعلق کی وہ مثال پیش کی ہے۔ جس کا اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

"تم نہ پاؤ گے اس قوم کو جو خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لائی (اور پھر) خدا اور رسولؐ کے مخالفین سے محبت رکھے چاہے وہ باپ، بیٹے، بھائی یا اُن کے کنبے ہی کے کیوں نہ ہوں۔ یہی وہ (مسلمان) ہیں۔ جن کے دلوں کے اندر خدا نے ایمان نقش کر دیا ہے اور غیب سے ان کی مدد کی۔"

(سورہ مجادلہ)

غزوہ بدر کے بعد غزوہ احد ہوا۔ جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا۔ کیونکہ چہرہ مبارک میں زرہ کی دو کڑیاں بُری طرح چُبھ گئی تھیں۔ اس موقعہ پہ بھی حضرت ابو عبیدہؓ آگے آئے اور انہوں نے اپنے دانتوں سے پکڑ کر ان کڑیوں کو کھینچا اگرچہ اُن کڑیوں کو نکالتے ہوئے اُن کے اپنے دو دانت ٹوٹ گئے مگر اس عاشقِ رسولؐ نے اُس وقت تک دم لینا پسند نہیں کیا جب تک کڑیوں کو باہر نکال نہ لیا۔

غزوہ بدر اور غزوہ اُحد کی مانند حضرت ابو عبیدہ نے سارے غزوات

Marfat.com

میں رسولِ مقبولؐ کا ساتھ دیا اور بڑی بہادری سے دشمنوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ علاوہ ازیں آپ کو حضور نبی کریمؐ نے جس مہم میں بھیجا۔ آپ خوشی سے گئے اور ان مہموں کو سر کر کے لوٹے۔ حضورؐ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے عہد ہائے خلافت میں بھی اس عاشقِ رسولؐ نے بڑھ چڑھ کر اسلام کی خدمات سرانجام دیں۔ شام پر فوج کشی ہوئی تو دمشق، فحل، حمص، لاذقیہ، یرموک اور دوسرے کئی مقامات پر عیسائی لشکر سے جنگیں ہوئیں تو ان میں خلیفہ کے حکم سے حضرت ابوعبیدہؓ نے سپہ سالاری کے فرائض کو پوری فرض شناسی اور بہادری سے سرانجام دیا۔

یہ واقعہ حضرت ابوعبیدہ کی سپہ سالاری کے عہد ہی کا ہے کہ انہوں نے جب دیکھا کہ وہ حمص چھوڑ رہے ہیں تو انہوں نے حمص کے عیسائیوں سے جزیہ کی جو رقم لی تھی۔ وہ ساری عیسائیوں کو واپس کر دی۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے جزیہ کی رقم واپس کرتے ہوئے ان سے کہا۔ "جزیہ چونکہ تمہاری حفاظت کا معاوضہ ہے۔ لیکن ہم اس وقت چونکہ تمہاری حفاظت کرنے سے قاصر ہیں اس لیے جزیہ کی رقم سے فائدہ اٹھانے کا ہمیں کوئی حق نہیں۔"

مسلمانوں کی یہی وہ سچائی اور انصاف پسندی تھی۔ جسے دیکھ کر حمص کے عیسائی از حد متاثر ہوئے تھے۔ عیسائی روتے جاتے تھے۔ جوش و جذبہ میں یہ دعا بھی مانگتے جاتے تھے کہ خدا مسلمانوں کو پھر واپس لائے۔

مسلمانوں کے حمص چھوڑنے کی اطلاع شہنشاہ روم ہرقل کو ہوئی تو وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا کہ مسلمان کمزور ہیں، اس لیے بھاگ رہے ہیں، لیکن جلد ہی اس کی یہ غلط فہمی دور ہو گئی جب لاکھوں رومیوں کے مقابلہ میں حضرت ابوعبیدہ نے محض تیس بتیس ہزار مسلمانوں سے رومیوں کو شکست فاش دے کر ستر ہزار رومیوں کو جہنم رسید کر دیا۔ اس جنگ کے بعد رومیوں کے باقی سارے قلعے مسلمانوں نے باآسانی فتح کر لیے تھے۔

Marfat.com

حضرت ابو عبیدہؓ کی ذات میں قسم قسم کی خوبیاں بھری ہوئی تھیں آپ کی جنگی قابلیت اور صلاحیتوں کا لوہا دشمن بھی مانتے تھے۔ آپ کے کردار کی بلندی کا اسی سے پتہ چل جاتا ہے کہ صلح حدیبیہ میں رسول مقبولؐ اور مشرکین مکہ کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا۔ اس پر ان کی گواہی ثبت تھی۔

۹ھ میں نجران کے لوگوں نے نبی کریمؐ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر علم دین سیکھنے کے لیے کسی عالم دین کی ضرورت کا اظہار کیا۔ حضور نبی کریمؐ نے حضرت ابو عبیدہؓ کو اُن کے ہمراہ بھیجتے ہوئے فرمایا کہ یہ اُمت کا امین ہے۔ اسے تمہارے ساتھ بھیج رہا ہوں۔

حضورؐ کے وصال کے بعد جب خلافت کے لیے موزوں شخص کے انتخاب کا ہنگامہ برپا ہوا۔ تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مسلمانوں کے سامنے حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کا اسم گرامی پیش کرتے ہوئے فرمایا۔ "یہ ہیں ابو عبیدہؓ بن الجراح انہیں امین الامت کا خطاب ملا ہے۔ مسلمان چاہیں تو ان کے ہاتھ پر بیعت کر سکتے ہیں۔"

یہ سن کر حضرت ابو عبیدہؓ اپنی جگہ سے اُٹھے اور آگے بڑھ کر حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ ان کو بیعت کرتے دیکھ کر سارے مہاجرین اور انصار نے بھی حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور وہ خلیفہ اوّل منتخب ہو گئے۔

حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے دورِ خلافت میں ملک شام میں جو اصلاحی کام ہوئے۔ ان میں سے بیشتر حضرت ابو عبیدہؓ کے ہاتھوں سر انجام پائے۔ ۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا تو حضرت ابو عبیدہؓ نے فی الفور شام سے چار ہزار اُونٹ غلّے سے لدے ہوئے بھیجے۔ آپ اشاعت اسلام کو کبھی فراموش نہ کرتے تھے، ہمیشہ ہر موقع پر تبلیغ اسلام میں مصروف رہتے تھے۔ آپ کے اخلاق کا یہ عالم تھا کہ ہزاروں شامیوں اور رومی عیسائیوں نے

Marfat.com

محض آپ کے اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا تھا۔ آپ کی سادگی کا اسی سے اظہار ہو جاتا تھا کہ شام کے گورنر ہونے کے باوجود ہمیشہ سادے کپڑے پہنتے اور اپنی سواری کے لیے اونٹنی ہی پسند کرتے تھے۔ اس اونٹنی کی نکیل ہمیشہ معمولی رسی کی ہوتی تھی۔

ایک بار حضرت فاروق اعظمؓ اپنی خلافت کے زمانہ میں کسی ضرورت کے تحت شام گئے تو حضرت ابوعبیدہؓ سے جا کر ملے۔ انہوں نے دیکھا کہ گورنر شام کے پاس جو سامان ہے۔ اُس میں ڈھال تلوار اور اونٹ کے کجاوہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ آپؓ نے فرمایا۔

"ابوعبیدہؓ! کاش تم ضروری سامان تو رکھتے۔"

حضرت ابوعبیدہؓ نے جواب دیا۔

"امیرالمومنین! میرے لیے یہی سامان بہت ہے۔ میری ضروریات اسی سے پوری ہو جاتی ہیں۔"

حضرت عمرؓ فاروق اعظم نے ان کی بے سروسامانی کے پیش نظر ذاتی استعمال کے لیے چار سو دینار اور چار ہزار درہم بھیجے تو اُمت کے اس امین نے یہ رقم فوج میں تقسیم کر دی۔ حضرت عمرؓ کو پتہ چلا تو انہوں نے فرمایا۔

"الحمد للہ کہ مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔"

حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کی ساری زندگی اللہ اور اس کے رسول مقبولؐ کی اطاعت میں بسر ہوئی۔ حتیٰ کہ ان کی زندگی کے آخری لمحات بھی اطاعتِ رسولؐ میں بسر ہوئے۔ ہوا یہ کہ آپ جابیہ کے مقام پر مقیم تھے کہ طاعون میں مبتلا ہو گئے اور اسی موذی وبا میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ اس موقع پر بڑے بڑے صحابہ کرامؓ نے آپ پر زور دیا کہ آپ جابیہ سے نقل مکانی کر جائیں اور اس وبا سے بچ جائیں، لیکن آپؓ نے فرمایا کہ میرے رسول مقبولؐ نے اس سے بھاگنے کے لیے منع کر رکھا ہے۔ اس لیے میں بھی اس جگہ سے بھاگنا پسند نہیں کرتا، چنانچہ موت کا تر لقمہ بن گئے لیکن فرمانِ رسولؐ پر عمل پیرا رہے۔

Marfat.com

حضرت ضرارؓ بن ازور

ضرارؓ بن ازور نہایت بہادر شجاع اور جرأت مند ممتاز صحابی تھے اور آپ کا شمار اپنے قبیلہ کے امیر ترین آدمیوں میں ہوتا تھا۔ آپ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہو کر عرض کی " میں دُنیا کا سب کچھ چھوڑ کر آپؐ کو پا رہا ہوں۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ " تم گھاٹے میں نہیں رہے"

حضرت ضرارؓ بن ازور اور اُنکی بہن خولہؓ بنت ازور دونوں اکھٹے مسلمان ہوئے تھے۔ دونوں بھائی بہن میں بڑی محبت اور چاہت تھی۔ حضرت ضرار نہایت دلیر شجاع اور بہادر مسلمان تھے۔ اوّل درجے کے شہسوار بھی تھے۔ آپ جنگ کے دوران ہمیشہ لنگوٹ کس کر ننگے بدن! گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہوتے تھے، آپ نے زرّہ وغیرہ کبھی استعمال نہ کی تھی۔ آپ کی بہن خولہ بنت ازور بھی اپنے بھائی کی مانند انتہائی دلیر خاتون تھی اور ہر جنگ میں اپنے بھائی کے شانہ بشانہ حصّہ لیتی تھی۔ بھائی بہن کی عمروں میں تین چار برس کا فرق تھا۔ ضرار بیس برس کے نوجوان تھے تو خولہ سولہ سترہ سالہ دوشیزہ تھی۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ خلافت میں آپ نے فتنہ ارتداد کی بیخ کنی میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا تھا اور اسلام کو ترک کرنے والوں کو سیدھی راہ پر لانے کے لیئے مجاہدانہ کوششیں کی تھیں۔ آپ حضرت خالدؓ بن ولید کے قابل اعتماد ساتھیوں میں سے تھے۔

Marfat.com

حضرت ضرارؓ بن ازور نے جنگ یمامہ میں سینکڑوں دشمنوں کو اپنے ہاتھوں جہنم رسید کیا تھا۔ جنگ اجنادین میں آپ دشمنوں کے نرغے میں آکر قید ہو گئے تو آپ کی نقاب پوش بہن خولہ بنت ازور نے بڑی بہادری جرأت اور دلیری کے ساتھ جنگ کر کے اپنے بھائی کو دشمنوں کی قید سے رہا کرا لیا تھا۔

جنگ یرموک میں اوّل روز حضرت خالدؓ بن ولید کے جن ساٹھ جانبازوں کو ساٹھ ہزار کے لشکرِ کفار کے ساتھ جنگ کے لیے بھیجا تھا۔ ان میں حضرت ضرارؓ بن ازور بھی شامل تھے۔ جنہوں نے سینکڑوں دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا اور شام کے وقت اپنے ہتھیار نیزہ اور تلوار ٹوٹ جانے کے باعث اپنے چار ساتھیوں کے ہمراہ رومیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے تھے۔ دوسرے روز حضرت خالدؓ بن ولید نے اپنی بہترین عسکری صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ان پانچوں کو رومیوں کی قید سے آزاد کرا لیا تھا۔

حضرت ضرار بن ازور اور اُن کی بہن حضرت خولہ بنت ازور نے فتوحاتِ شام میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا تھا۔ اور ان گنت سرفروشانہ کارنامے سرانجام دیئے تھے۔ بنی تمیم کے مشہور سرغنہ مالک بن نوہرہ کو حضرت ضرارؓ بن ازور ہی نے قتل کیا تھا۔ آپ اور آپ کی بہن نے ہر جنگ میں شجاعانہ کارنامے سرانجام دیئے تھے۔ حضرت ضرار دشمنوں میں ننگے بدن والے مجاہد" کے نام سے مشہور تھے اور آپکی موجودگی سے دشمن حوصلہ ہار بیٹھتے تھے

خالدؓ بن ولید

آپ کا پورا نام خالدؓ بن ولید بن ولید بن مغیرہ المخزومی تھا۔ جنگِ احد میں فوجِ کفار کے میمنہ کی کمان اِن ہی کے ہاتھ تھی اور اُنہوں نے مسلمانوں کی فتح کو شکست کی صورت میں بدل ڈالا تھا۔ ۸ ھ میں اسلام

Marfat.com

قبول کرنے کے بعد عرب، ایران، عراق اور شام کے بیشتر محاذوں پر آپ نے اسلامی فوجوں کی قیادت کی اور ہر معرکے میں فتح یاب ہوئے حضور نبی کریمؐ نے آپ کو سیف اللہ (خدا کی تلوار) کا لقب دیا تھا مسلمانوں کے ابتدائی عہد کے ہر معرکہ میں آپ نے نمایاں عسکری خدمات سرانجام دیں۔

حضرت عمرؓ فاروق اعظم کے عہد میں آپ کو سپہ سالاری سے معزول کر دیا گیا اور آپ کی جگہ حضرت ابو عبیدہؓ کو سالار مقرر کیا گیا۔ آپ کی معزولی کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپ اکثر جوش جہاد میں جان پر کھیل جاتے تھے جب کہ حضرت عمرؓ سالار لشکر کے لیے جرأت و بہادری کے ساتھ دور اندیشی بھی ضروری سمجھتے تھے۔

حضرت خالدؓ بن ولید کی عمر کا بیشتر حصہ میدان جنگ میں گزرا تھا لیکن آپ کو موت بستر پر آئی تھی۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ آغاز اسلام میں خالدؓ بن ولید سے زیادہ کسی اسلامی سپہ سالار میں عسکری صلاحیت موجود نہیں تھی۔ آپ کو یہ فخر حاصل تھا کہ آپ نے کسی جنگ میں کبھی شکست نہ کھائی تھی۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص

۱۴ھ میں مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان قادسیہ کے مقام پر جو جنگ ہوئی، وہ جنگ قادسیہ کہلاتی ہے۔

امیرالمومنین حضرت فاروق اعظمؓ نے ایرانیوں سے مقابلہ کیلئے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی قیادت میں تازہ دم اسلامی فوج کو بھیجا تھا

98247

Marfat.com

ایرانیوں نے مشہور سالار رستم کو بھیجا جو ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے ساتھ مقابلے پر آیا۔ پہلے دو روز گھمسان کی جنگ ہوئی اور کوئی نتیجہ بر آمد نہ ہوا تیسرے دن مسلمانوں نے ایرانی فوج کے ہاتھیوں کی سونڈوں پر سخت حملہ کیا تو ہاتھی بدحواس ہو کر اپنی ہی ایرانی فوجوں کو روندتے ہوئے بھاگ گئے۔ رستم خود مقابلہ میں زخمی ہو کر بھاگ نکلا اور نہر میں کود کر جان بچانی چاہی مگر ایک مسلمان غلام بلال نے اسے پانی سے باہر کھینچ کر موت کے گھاٹ اتار ڈالا۔ رستم کی موت کے بعد ایرانی فوج شکست فاش کھا کر بھاگی۔ تقریباً تیس ہزار ایرانی میدانِ جنگ میں قتل ہوئے اور مشہور فاتح حضرت سعد بن ابی وقاص کی زیر قیادت اسلامی فوج کو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص نامور صحابی تھے۔ آپ ان دس صحابہ کرام میں سے ایک ہیں، جن کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ وہ جنت میں داخل کئے جائیں گے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے سترہ برس کی عمر میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ آپ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں بھی شریک ہوتے تھے۔

آپؓ کا شمار دنیا کے نامور ترین جرنیلوں میں ہوتا ہے۔ آپ نے ہمیشہ اسلامی لشکر کی قیادت کرتے ہوئے فتح پائی تھی۔ مسلمانوں نے اس زمانے کی دو بڑی طاقتوں میں سے ایک طاقت ایران کو آپ ہی کی سپہ سالاری میں شکست دی تھی اور ایران کو اسلامی مملکت میں شامل کیا تھا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے ۶۳۷ء میں قادسیہ اور جلولہ کے محاذوں پر اپنی اعلیٰ ترین عسکری صلاحیتوں کا ثبوت فراہم کیا تھا۔ آپؓ کفار کے مقابلہ میں ہمیشہ ایک آزمودہ کار جرنیل ثابت ہوئے اور ہمیشہ فتح پائی۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے کوفہ کا شہر بھی آباد کیا تھا۔

Marfat.com

حضرت شرحبیلؓ بن حسنہ

آپ کا اسم گرامی شرحبیلؓ تھا اور کنیت ابو عبداللہ تھی۔ آپ کے والد کا نام عبداللہ تھا۔ جن کے انتقال پر آپ کی والدہ مکرمہ حسنہ نے سفیان انصاری سے نکاح ثانی کر لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ اپنی والدہ حسنہ کے نام سے منسوب ہوئے۔

حضرت شرحبیلؓ ابتداہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔ آپؓ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں مکہ سے حبشہ ہجرت بھی فرمائی تھی۔ اور خاصا عرصہ وہاں مقیم رہے تھے۔ اس کے بعد آپؓ مدینہ تشریف لائے تھے اور اپنی والدہ کے تعلق کی بنا پر بنی زریق میں مقیم رہے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں آپؓ نے نمایاں کارنامے سرانجام دیئے تھے۔ آپ کو سب سے پہلے معرکہ بصریٰ میں افسر مقرر کیا گیا تھا۔ اس کے بعد آپؓ کو سپہ سالارِ اعظم بنایا گیا اور آپ نے اہل بصرہ سے جزیہ کی وصولی کی شرط پر صلح کی تھی۔ پھر آپ نے اجنادین کے محاذ پر رومیوں کو شکست فاش دی تھی۔ اجنادین کے معرکہ میں حضرت خالدؓ بن ولید آپ کے ایک ماتحت افسر تھے۔ اس کے بعد آپ نے دمشق، محل، بیان اور اردن کے محاذوں پر فتوحات بھی حاصل کیں۔

یرموک کے معرکہ میں حضرت خالد بن ولید سپہ سالار مقرر ہوئے تھے تو انہوں نے حضرت عمروؓ بن العاص کو میمنہ اور حضرت شرحبیلؓ بن حسنہ کو میسرہ پر افسر مقرر فرمایا تھا۔ اس معرکہ میں مسلمانوں نے شاندار فتح حاصل کی تھی۔

Marfat.com

حضرت شرجیل بن حسنہ بہت بہادر اور قوی ہیکل انسان تھے بہترین عسکری صلاحیتوں کے علاوہ آپ کو علم و فضل میں بھی کمال حاصل تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چند احادیث بھی آپ نے روایت کی ہیں جو مستند سمجھی جاتی ہیں۔

۱۸ ہجری میں شام میں اسلامی فتوحات کا دور دورہ تھا۔ تو اس دوران وہاں مرض طاعون پھیلا تھا۔ حضرت شرجیل رضی بن حسنہ نے بعمر ۶۷ سال اسی موذی مرض میں مبتلا ہو کر انتقال فرمایا تھا۔

حضرت سعید رضی بن العاص

حضرت سعید رضی بن العاص کے والد کا نام عاص تھا۔ جو اپنے خاندان کے بارعب متمول شخص تھے۔ غزوۂ بدر میں حضرت علی رضی کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔ ان کی ماں کا نام ام کلثوم تھا۔

سعید رضی بن العاص کا تعلق خاندان بنی اُمیہ سے تھا۔ جب ان کے گھرانے نے اسلام قبول کیا تو ان کی عمر آٹھ برس کے لگ بھگ تھی۔ آپ ایک ہجری میں پیدا ہوئے تھے اور حضرت عثمان غنی رضی کے عہد خلافت میں شباب کو پہنچے تھے۔ حضرت عثمان رضی غنی نے ان کی صلاحیتوں کے پیش نظر انہیں ولید بن عقبہ کی جگہ کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔

کوفہ کی گورنری کا عہدہ قبول کرنے کے بعد آپ نے اسلام کے فروغ کی عملی کوشش کی تھی۔ اس سلسلے میں آپ نے جرجان اور طبرستان پر حملہ کر کے اپنی بہترین عسکری صلاحیتوں کا ثبوت دیا تھا اور انہیں فتح کر لیا تھا۔

حضرت سعید رضی بن العاص کو ۳۴ھ گورنری کے عہدہ سے الگ کر دیا

Marfat.com

گیا لیکن حضرت امیر معاویہؓ نے خلیفہ بنتے ہی انہیں مدینہ کا عامل مقرر کر دیا تھا اور پھر کچھ عرصہ بعد معزول کر کے مروان کو ان کی جگہ دے دی تھی۔ آپ انتہائی، دلیر، بہادر اور شجاع تھے۔ اپنی خاندانی سر بلندی کے تحت آپ کے مزاج میں نخوت تھی۔

حضرت عثمان غنیؓ نے قرآن پاک کی ترتیب کے لیئے جو جماعت مقرر کی تھی اُس کے آپ بھی رُکن تھے۔

آپ کا شمار عالم فاضل صحابہ کرام میں ہوتا تھا۔ آپ نے ۶۹ ھ میں وفات پائی تھی۔ جرجان اور طبرستان کی فتح آپ کا زریں کارنامہ تھا۔

○

حسان بن نعمان

حسان بن نعمان اموی عہد کے ایک فاتح جرنیل تھے۔ خلیفہ عبدالملک نے ان کو چار ہزار اسلامی فوج دے کر شمالی افریقہ میں بربریوں کی سرکوبی کے لیئے بھیجا تھا۔ حسان بن نعمان نے حملے کر کے قیروان اور قرطاجنہ کو فتح کر لیا۔ لیکن بربریوں کی ملکہ دامیہ سے آپ کا مقابلہ ہوا تو آپ کو شکست ہو گئی اور آپ برقہ واپس آ گئے۔

اِس واقعہ کے صرف ۵ برس بعد ۷۸ ھ میں آپ کو کمک مِل گئی تو آپ نے ملکہ دامیہ کو شکست دے کر سارے شمالی افریقہ کو اسلامی سلطنت میں شامل کر لیا۔

○

Marfat.com

ابو محجن ثقفیؓ

ابو محجن ثقفیؓ، آپ کا نام عمرو تھا، ابو محجن کنیت تھی۔ آپ کا شمار اپنے زمانے کے انتہائی بہادر شجاع اور نامور شہسواروں میں ہوتا ہے۔ آپ نے سب سے آخر میں اسلام قبول کیا تھا۔ جس کی بنا پر آپ میں زمانۂ جہالت کی کئی خرابیاں ابھی موجود تھیں۔ آپ نے جنگ قادسیہ کے موقع پر شراب پی لی تھی، اس پر سپہ سالار حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص نے آپ کو گرفتار کر کے اپنے مکان میں اسیر کر دیا تھا۔ گھمسان کی جنگ جاری تھی اور سپہ سالار حضرت سعدؓ اپنی علالت کے سبب جنگ میں شرکت سے معذور تھے اور اپنے مکان کی چھت پر بیٹھے جنگ وجدل کے مناظر دیکھ رہے تھے ساتھ کے ساتھ مناسب ہدایات بھی بھیج رہے تھے۔ ابو محجن نے قید خانہ کی کھڑکی سے جنگ کا یہ نظارہ دیکھا تو پیچ و تاب کھانے لگے اور بولے کہ کاش مجھے بھی اس زوردار جنگ میں شرکت کا موقع مل جاتا اور میں بھی کفار کو قتل کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتا۔ اس اثنا میں حضرت سعدؓ کی بیوی سلمٰی ابو محجن کے قریب سے گذریں تو وہ منّت بھرے لہجہ میں بولے کہ اگر میری بیڑیاں کھول دی جائیں تو میں جنگ کے بعد شام کو خود واپس آکر بیڑیاں پہن لوں گا۔ لیکن سپہ سالار حضرت سعدؓ کی بیوی نے اس کی بات نہیں مانی۔ اس پر محجن نے ایسے درد بھرے انداز میں کچھ اشعار پڑھنے شروع کئے کہ سلمٰی کے دل میں رحم پیدا ہو گیا اور انہوں نے اس کی بیڑیاں کھلوا کر اسے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا گھوڑا بھی سواری کے لیے دے دیا۔

Marfat.com

ابو محجن گھوڑے پر سوار کفار پر بجلی بن کر ٹوٹ ٹوٹ پڑے اور جس طرف گئے کفار کو کاٹ کاٹ کر پھینکتے رہے۔ حضرت سعدؓ نے چھت پر بیٹھے ہوئے اس نوجوان کی جرأت و دلیری کو بڑی حیرت سے دیکھا اور کئی بار اپنی بیوی سے پوچھا کہ یہ بہادر سوار کون ہے۔ گھوڑا تو میرا معلوم ہوتا ہے اور اس نوجوان کی لڑائی کا انداز ابو محجن کا سا ہے لیکن سعد کی بیوی خوش اسلوبی سے اس سوال کو ٹالتی رہیں۔ حتیٰ کہ شام کے وقت مسلمان فتحیاب ہو گئے اور ابو محجن نے لوٹ کر بیڑیاں بھی پہن لیں۔ رات کو کھانا کھاتے ہوئے سپہ سالار سعدؓ اور دوسرے سرداروں میں اسی بہادر نوجوان کے بارے میں تذکرہ ہوتا رہا۔ سپہ سالار سعدؓ بولے کہ اگر میں اُس نوجوان سے واقف ہوتا تو لازماً اُسے انعام دیتا۔ یہ سُن کر سعدؓ کی بیوی سلمیٰ نے راز فاش کر دیا تو سعدؓ نے فی الفور اُن کو رہا کر دیا۔

ابو محجن نے رہائی کے بعد خلوص دل سے توبہ کی اور ایام جہالت کی اس بُرائی (شراب نوشی) کو ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا۔

سائرس اعظم

سائرس اعظم مشہور ایرانی فاتح تھا۔ اس کا دورِ حکومت ۵۴۹ ۔ ۵۲۹ ق م ہے۔ اس نے اپنے نانا آستیاگس کو ایک جنگ میں شکست دے کر مدائن کی حکومت حاصل کی تھی اور ایرانی سلطنت کی بنیاد رکھی تھی۔ جلد ہی وہ ایک لشکرِ جرار کے ساتھ لیڈیا (ایشیا، کوچک) پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھا تو بادشاہ کروسس نے اس کا مقابلہ کیا اور شکست فاش کھائی نیتجۃً میں سائرس کو لیڈیا کے ساتھ ساتھ ایشیا، کوچک کی یونانی ریاستوں کو

Marfat.com

بھی اپنی سلطنت میں شامل کرنے کے مواقع مل گئے ۔ اس کے بعد وہ مشرق کی طرف بڑھا اور صرف پانچ سال کی مدت میں باختر، افغانستان اور مکران کو بھی فتح کرنے میں کامیاب ہوگیا ۔

اِس کے بعد سائرس اعظم نے بابل کی مشہور اشوری سلطنت پر حملہ کیا ۔ لیکن جلد ہی بادشاہ بندنی دُس نے ایک معمولی سے ٹکراؤ کے بعد اس کی بالادستی قبول کر لی ۔ اب سائرس بحیرہ روم کے مشرقی ساحل سے افغانستان کی مشرقی سرحد تک پھیلی ہوئی وسیع و عریض سلطنت کا حکمران تھا ۔

سائرس اعظم کو اپنے زمانے کا بہادر شہنشاہ سمجھا جاتا تھا ۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ ایک موقع پر افغانستان کے شمال میں سیتھیا قوم نے بغاوت کی تو سائرس اعظم ان کی سرکوبی کے لیے بڑھا اور اس قوم سے لڑتا ہوا قتل ہوگیا ۔ اُسے پاسارگاد میں دفن کیا گیا اور اس کی قبر پر شاندار عمارت تعمیر کی گئی ۔

سکندرِ اعظم

سکندر اعظم (Alexander The Great) کا عہد ۳۵۶ - ۳۲۳ ق م ہے ۔ دُنیا کا یہ عظیم فاتح ملک یونان کی ایک ریاست مقدونیہ کے بادشاہ فلپ کا فرزند تھا ۔ ۳۳۶ قبل از مسیح میں اس کے باپ کا انتقال ہوا تو اسے بادشاہ بنایا گیا ۔ اس نے جلد ہی اِرد گرد کے بہت سے چھوٹے چھوٹے ملکوں کو فتح کر لیا اور اس کے بعد ۳۳۴ ق م میں ایران پر حملہ کرنے کے لیئے روانہ ہوا ۔ وہ تیس ہزار پیادہ اور پانچ ہزار سوار فوجیوں کو لے کر ایشیا کی طرف روانہ ہوا ۔ اُس نے سب سے پہلے ترکی کو فتح کیا اور اس کے بعد شام کے ساحل پر قبضہ کر کے ایران کی بحری طاقت کو کچل ڈالنے میں

Marfat.com

کامیاب ہوا۔ فونیقیا اور مصر نے اس سے مقابلہ کئے بغیر ہتھیار ڈال دیئے تو وہ مصر میں شہر اسکندریہ کی بنیاد رکھ کر عراق پر حملہ آور ہوا۔ عراق سرنگوں ہوا تو اس نے ایران کے ہنخامنشی خاندان کے آخری بادشاہ دارا پر حملہ کر دیا دارا شکست کھا کر مارا گیا تو سکندر درہ خیبر کے راستے ہندوستان کو فتح کرنے کے لیے بڑھا۔ دریائے جہلم کے کنارے راجہ پورس نے اسے روکا، طرفین میں گھمسان کی جنگ ہوئی لیکن راجہ پورس شکست کھا گیا۔ راجہ پورس کی فوج کے آگے جنگی ہاتھی تھے جو مقابلے کے وقت دشمن کی فوج میں تباہی و بربادی پھیلا دیتے تھے۔ لیکن سکندر نے اپنے حملہ میں ہاتھوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا اور پورس کے انہی ہاتھیوں نے پورس کی فوج کو شکست سے ہمکنار کر دیا "پورس کے ہاتھی کا محاورہ کے اسی موقع کی وضاحت کرتا ہے اور زبان زد خاص و عام ہے۔ راجہ پورس نے چونکہ بڑی بہادری سے مقابلہ کر کے شکست کھائی تھی۔ اس لیے سکندر نے اس بہادر آدمی کی قدر کرتے ہوئے اس کی سلطنت اسے ہی بخش دی۔

سکندر کی خواہش تھی کہ سارے ہندوستان کو فتح کر کے یونان واپس جائے لیکن اس کی فوج کے سپاہی آگے بڑھنے سے ہچکچانے لگے اور ایک مرحلہ پر انہوں نے صاف طور پر کہہ دیا کہ وہ آگے بڑھنے کی بجائے اب اپنے وطن کو واپس لوٹ جانا چاہتے ہیں۔ مجبوراً سکندر کو سارے ہندوستان کی فتح کا پروگرام ملتوی کرنا پڑا۔ وہ اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر کے بری اور بحری راہوں سے واپسی کے سفر پر روانہ ہوا۔ سکندر دریائے سندھ اور ساحل مکران کے راستے عراق میں داخل ہو کر شہر بابل میں پہنچا تو اسے محسوس ہوا کہ وہ بخار میں مُبتلا ہو گیا ہے۔ بخار کے عالم میں عین جوانی میں بمقام بابل اس کی موت واقع ہو گئی اور اس کے بعد اس کی وسیع اور عریض سلطنت کئی حصوں میں تقسیم ہو گئی۔

○

Marfat.com

سیزر جولیئس

(Caeser Julius) ۱۰۰-۴۴ ق م۔ روم کا مشہور جرنیل تھا۔ اُسے روم کی عوامی پارٹی کا صدر اور اشرافیہ پارٹی کے صدر سُلا نامی کا حریف سمجھا جاتا تھا۔ ملک کے دو بڑے لیڈروں پاپیے اور کرنشیس میں سے پاپیے کا قریبی عزیز تھا۔ اُس نے ان دو بڑے لیڈروں میں صلح صفائی کرادی تھی۔ اور اُن کے ساتھ اشتراک کر کے ۶۰ ق م میں روم کی پہلی مجلس ارباب ثلاثہ بنائی تھی۔ ۵۹ ق م میں اُسے فرانس کا قونصل منتخب کیا گیا تھا۔

جولیئس نے اپنے آس پاس کی ساری ریاستوں کے حاکموں کو شکست دے دی تھی۔ جس کے باعث اس کی عسکری قوت کو تسلیم کر لیا گیا تھا اُس نے ۵۴ ق م میں دریائے رائن کو عبور کرتے ہوئے برطانیہ پر حملہ کر دیا تھا۔ پھر وہ روم واپس آیا تو اُس نے پاپیے کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا تھا اور تھوڑے دنوں بعد سارے اٹلی پر قبضہ کر لیا تھا۔

۴۹ ق م میں روم کا آمر مطلق بن گیا تھا اور اس نے اسی سال قلوپطرہ کو مدد دی تھی اور اسے اپنے ہمراہ روم لے آیا تھا۔ ۱۵ فروری ۴۴ ق م کو اُسے سینٹ کی طرف سے تاج شاہی پیش کیا گیا تو اُس نے قبول نہ کیا۔ ۱۵ مارچ ۴۴ ق م کو بعض شرکا نے جس میں اس کے دوست بروٹس اور کاشئیس بھی شامل تھے۔ اسے سینٹ کی عمارت میں موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

جولیئس ایک بہادر اور شجاع جرنیل ہونے کے ساتھ ساتھ رعایا کی فلاح و بہبود کا خواہاں بھی تھا۔ اُس نے نیا کلنیڈر (جولین کیلنڈر) جاری کیا تھا۔ آئین کو از سر نو مرتب کیا تھا۔ شہر روم میں پانی کی بہم رسائی کا انتظام کیا تھا اور دلدلیں بھی صاف کرائی تھیں۔

Marfat.com

شاپور اوّل

شاپور اوّل ساسانی خاندان کا دوسرا بادشاہ تھا جو ۲۴۰ء میں پیدا ہوا تھا اور ۲۷۱ء میں وفات پا گیا۔ اُسے اردشیر اوّل کے انتقال پر ایران کا بادشاہ بننے کا موقع مِلا تھا۔ اس کی ماں آخری پارسین بادشاہ اردوان کی دختر تھی۔

شاپور اوّل کا نام عظیم فاتحین میں اس لیئے شامل ہے کہ اس نے روم کے شہنشاہ ویلیرین کو شکست فاش دی تھی اور گرفتار کر کے ایران لے آیا تھا۔

شاپور اوّل کو عمارتیں بنوانے کا شوق تھا۔ اُس نے دو نئے شہر بنام بیشاپور اور نیشاپور بھی بسائے تھے۔ بیشاپور کے کھنڈرات آج بھی شیراز اور بوشہر کے درمیان میں موجود ہیں۔ اُس کا دریائے کارون پر بنوایا ہوا ایک پختہ بند جو بندِ قیصر کے نام سے موسوم ہے آج بھی موجود ہے۔ اس بند کا پل ۵۷۰ گز لمبا ہے۔ مورخوں نے مانی کے اس ہمعصر بادشاہ کو بڑا سخی اور خوبصورت انسان قرار دیا ہے۔

○

شاپور دوم

شاہ پور دوم اپنے والد ساسانی شنہشاہ ہرمز دوم کی وفات کے بعد پیدا ہوا تھا۔ پارسی موبد اور دربار کے امراء چونکہ اُس کے بڑے بھائی کی یونان سے دلچسپی اور محبت کے مخالف تھے، اس لیئے انہوں نے ہرمز دوم کی حاملہ بیوہ کے پیدا ہونے والے بچّے کو بادشاہ منتخب کر لیا تھا۔

Marfat.com

یہ بچہ شاپور دوم کے نام سے تخت نشین ہوا تھا۔ جوان ہو کر بڑا جرأت مند اور بہادر انسان ثابت ہوا۔ یہ ۳۰۹ء میں پیدا ہوا تھا اور ۳۷۹ء تک برسرِ اقتدار رہا تھا۔

شاہ پور دوم اور روم کے شہنشاہ جولین میں جنگ ہوئی تھی۔ شاہ پور نے جولین کو شکست دی اور جولین سامرہ کے قریب میدانِ جنگ میں لڑتا ہوا قتل ہو گیا۔ شاہ پور دوم نے سارے ایشیائے کوچک اور آرمینیا کے صوبوں کو بھی فتح کر لیا اور ہنوں پر بھی اس شدت سے حملے کئے کہ آخرکار ہنوں نے بھی اس کی بالادستی قبول کر لی۔

مورخوں نے شاہ پور دوم کو ایک بہادر بادشاہ قرار دیا ہے

○

بخت نصر

سلطنت بابل کے تین بادشاہوں کا لقب بخت نصر تھا۔ ان تینوں میں بخت نصر ثانی کو ایک زبردست فاتح کہا جاتا ہے۔ اس کا دور ۶۰۴-۵۶۱ ق م ہے۔ وہ اپنے والد نبوپولاسر کے بعد تخت نشین ہوا تھا۔ اس نے ۵۸۶ ق م میں یروشلم پر حملہ کر کے اُسے برباد کر دیا اور چار ہزار یہودیوں کو گرفتار کر کے بابل لے آیا۔ ۵۷۲ ق م میں اُس نے مصر کو بھی فتح کر لیا تھا۔

بخت نصر ثانی ایک فاتح ہونے کے ساتھ ساتھ عمارتوں کی تعمیر کا بھی شائق تھا۔ اُس کے عہد میں بابل کو علم و تہذیب کے ایک بہت بڑے مرکز کی حیثیت حاصل رہی۔ دُنیا کے سات عجائبات میں شمار ہونے والا بابل کا معلق باغ اسی کا بنوایا ہوا تھا۔

○

Marfat.com

بکرماجیت

بکرماجیت (Vikram uditya) (۳۷۵ - ۴۱۳ء) بکرماجیت سمندر گپت کا بیٹا تھا۔ مورخوں نے اُسے اپنے زمانہ کا بہادر ترین فاتح قرار دیا ہے۔

اُس نے تخت و تاج حاصل کرنے کے بعد "وکرمادیتہ" کا لقب اختیار کیا تھا۔ وکرمادیتہ کے معنی "بہادری کا سورج" ہیں جو کثرت استعمال سے بگڑ کر بکرماجیت بن گیا ہے۔

بکرماجیت نے مالوہ، گجرات اور کاٹھیاوار فتح کر کے اپنی سلطنت کو وسعت دی تھی۔ اُس کی سلطنت بحیرہ عرب تک پھیلی ہوئی تھی اور کئی بندرگاہوں کی فتح نے اس کے ملک کی تجارت کو فروغ دیا تھا۔ اس کی علم دوستی کے باعث سنسکرت زبان کو ترقی ہوئی تھی۔ نامور شاعر کالی داس اسی کے زمانے کا شاعر ہے۔

O

پامپے

پامپے کو پمپائی اعظم کے لقب سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ پامپے (POMPEY) ۱۰۶ - ۴۸ ق م، مشہور یونانی جنرل اور فاتح تھا جسے اپنی نوجوانی (میں ۲۵ برس عمر ہونے سے قبل) فوج کی کمان کا موقع ملا تھا۔ اس نے افریقہ اور سسلی میں ایرانی فوجوں کا مقابلہ کر کے انہیں شکست دی تھی اور سپین میں بھی فتوحات حاصل کی تھیں۔

۷۰ قبل از مسیح میں اُسے رومن قونصل منتخب کیا گیا تو اُس نے بحیرہ روم کو قزاقوں کی لوٹ مار سے محفوظ رکھنے کے سلسلے میں کئی

Marfat.com

کامیابیاں حاصل کیں۔ اس کے بعد اُس نے بحیرہ اسود کی ایک ساحلی سلطنت پونٹوس پر حملہ کر کے اُس کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد پاپمپے نے آرمینیا کے بادشاہ کو شکست فاش دینے کے بعد یروشلم اور شام کو رومی سلطنت میں شامل کر کے رومی مملکت کو وسعت دی۔

پاپمپے نے جولیس سیزر کی بیٹی جولیا سے شادی کی تھی، جولیا کی موت واقع ہو گئی تو پاپمپے اور جولیس سیزر میں اختلافات پیدا ہو گئے ۴۸ ق م میں جنگ فرسالوس میں پاپمپے کو شکست ہوئی اور جولیس سیزر کو فتح حاصل ہو گئی۔ پاپمپے بھاگ کر مصر آگیا۔ جہاں ٹالمی دوازدہم نے اسے قتل کرا دیا اور متعدد مشہور فاتحین کی طرح اس کا انجام بھی المناک ہوا۔

○

پیٹر اعظم

(Peter The Great) پیٹر اعظم ۱۶۷۲ء - ۱۷۲۵ء روس کا بادشاہ تھا۔ جس نے ۳۵ سال تک حکومت کی تھی ۱۶۹۶ء میں آزوف کا علاقہ ترکوں سے چھین لیا۔ ۱۷۰۰ء میں چارلز دوازدہم شاہ سویڈن نے نار وا کے مقام پر پیٹر اعظم کو شکست دی تھی۔ نو برس بعد پیٹر اعظم نے شاہ سویڈن کو شکست فاش دے کر اپنی ہار کا انتقام لیا۔ ۱۷۱۱ء میں ایک معاہدہ کے تحت ترکوں کو آزوف کا علاقہ لوٹا دیا۔ ۱۷۲۲ء میں ایران سے جنگ ہوئی جس میں پیٹر اعظم کو فتح حاصل ہوئی ۱۷۰۳ء میں اسی بادشاہ نے سینٹ پیٹرز برگ (موجودہ لنین گراڈ) کی بنیاد رکھی تھی۔ اس نے ایک دیہاتی عورت سے شادی کی تھی جو اس کی موت کے بعد کیتھرائن اوّل کے لقب سے روس کی حکمران بنی تھی۔

○

Marfat.com

تھیوڈورک

تھیوڈورک (Theodoric) ۴۵۴ - ۵۲۶ء، جرمنی کے مشرقی گاتھوں کے اس فرمانروا نے اٹلی پر حملہ کر کے فتح حاصل کی تھی یہ اپنے والد کی موت کے بعد سارے گاتھوں کے بادشاہ کی حیثیت سے نمایاں ہوا تھا۔ اٹلی کے علاوہ اس کی سلطنت میں جرمنی، سوئزرلینڈ اٹلی اور دریائے ڈینیوب کے سارے علاقوں کا شمار ہوتا تھا۔

○

چنگیز خان

چنگیز خان کو فاتح عالم کہا جاتا ہے۔ وہ دریائے آنان کے قریب کے علاقے میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا اصل نام تموچن تھا۔ وہ ۱۱۷۵ء میں بعمر تیرہ برس منگول تخت پر بیٹھا تھا۔ اس نے منگول قبیلوں کو متحد کیا اور ۱۴ - ۱۲۱۸ء میں دو مشہور چینی ریاستوں "ہیا" اور "کن" پر قبضہ کر لیا۔ ۱۲۱۹ء میں اس کے چند سفیر قتل ہو گئے تو اُس نے تسخیر عالم کا ارادہ کیا اور دُنیا کو فتح کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ بخارا اور زہرو کے علاقوں اور ہرات کو فتح کرنے کے بعد اس نے ترکی اور جنوب مشرقی یورپی ملکوں کا رُخ کیا اور اس کے لشکر نے جنوبی روس اور شمالی ہند تک یلغار کی ۱۲۲۷ء میں چین پر تیسرے حملے کے دوران اس کی موت واقع ہو گئی۔

چنگیز خان نے سرزمین منگولیا کے مختلف قبائل کی حکومتوں کو متحد کر کے عسکری قوت فراہم کی تھی اور اس کے بعد تسخیرِ عالم کے لیئے روانہ ہوا تھا۔

○

Marfat.com

اسر بانی پال

قدیم نینوا کے بادشاہ اسر بانی پال (ASSAR - BANI - PAL) کا شمار بھی فاتحین کی صف میں ہوتا ہے۔ اس کے عہد حکومت میں نینوا کا شمار صف اوّل کے خوشحال اور ترقی یافتہ ممالک میں ہوتا تھا۔ یہ بادشاہ اپنے والد اسر ہیدون کی موت کے بعد تخت نشین ہوا تھا۔ اس کا جڑواں بھائی بابل کا حکمران تھا۔

اسر بانی پال کے عہد میں مصر نے بغاوت کی تو اس نے بڑی کامیابی سے اسے فرو کیا۔ لیکن بعد میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ مصر جلد ہی اس کی بالا دستی سے آزاد ہو گیا۔ اسر بانی پال کو عرب اور بابل کے اپنے حریفوں سے بھی جنگیں لڑنا پڑیں اور اُسے ہر جنگ میں شاندار فتح حاصل ہوئی۔ لیکن اس کے عہد میں چونکہ مسلسل جنگ و جدل جاری رہی۔ اس لیے جنگوں نے اس کے ملکی محاصل کو تباہی تک پہنچا دیا۔ نتیجہ میں اس کی موت سے قبل ہی اس کا ملک اقتصادی لحاظ سے تباہی کا شکار ہو گیا تھا۔

قدیم زمانے کے اس فاتح کا انتقال ۶۲۶ قبل از مسیح میں ہوا تھا۔

اٹیلا

اٹیلا (ATTILA OR ETZEL) ہُن قوم کا فرزند تھا۔ ہُن حملہ آوروں کا سردار اٹیلا خود کو "خدائی قہر" کہا کرتا تھا اور اس بات پر نازاں تھا کہ وہ جدھر سے گزر جائے وہاں گھاس کبھی نہیں اُگتی۔

Marfat.com

سلطنت روما کے دور انحطاط میں اٹیلا نے یورپ پر حملے شروع کر دیئے۔ وہ مشرقی اور مغربی روم کی حکومتوں کو تباہ و برباد کرنے کے ساتھ جرمنی اور اطالیہ وغیرہ کے علاقوں میں بھی تباہی و بربادی پھیلانے میں کامیاب رہا تھا۔

مؤرخوں نے اٹیلا کے بارے میں ایک عجیب و غریب واقعہ لکھا ہے کہا جاتا ہے کہ ایک بار وہ روم پر حملہ آور ہونے کے لیے دریا کنارے پہنچا تو اس نے دوسرے کنارے پر سفید لباس میں ملبوس چند سفید ریش انسانوں کو گھنٹیاں بجاتے گاتے ہوئے دیکھا۔ وہ دریا کے کنارے پر رُکا اور با آواز بلند پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں۔ سفید ریش آدمیوں میں سے ایک شخص آگے بڑھ کر پُل کی طرف آیا۔ اُدھر سے اٹیلا بھی اپنی فوج سے نکل کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ پھر ان میں کچھ دیر گفتگو ہوئی۔ اس گفتگو میں کیا بات چیت ہوئی اس کی کسی کو خبر نہ ہوئی مگر اس گفتگو کا یہ نتیجہ بر آمد ہوا کہ اٹیلا اپنی فوج کو لے کر واپس لوٹ گیا۔

۴۵۳ء میں کثرت ازدواج کے اس شوقین نے اپنی شب عروسی منانے کے لیئے اپنی خواب گاہ میں اس کثرت سے شراب نوشی کی کہ اس کے دماغ کی رگ پھٹ گئی اور اس کی موت واقع ہو گئی۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ اٹیلا کی موت پر اس کے چار وفادار جرنیلوں کو ان کے گھوڑوں کے ساتھ قتل کر کے اٹیلا کی قبر کے چاروں کونوں میں دفن کر دیا گیا تھا۔

○

Marfat.com

اردشیر بابکاں

اُس کا قول تھا " انصاف کی عدم موجودگی میں زراعت ممکن نہیں ہوتی ، زراعت نہ ہو تو روپیہ فراہم نہیں ہوتا ۔ روپیہ نہ ہو تو باقاعدہ فوج کا قیام ممکن نہیں ہوتا ۔ اگر باقاعدہ فوج نہ ہو تو حکومت کرنا بھی ممکن نہیں ہوتا ۔ "

یہ قول اردشیر بابکاں (اوّل) کا ہے جو ۲۲۶ء تا ۲۴۰ء حکمران رہا ، اس حکمران کو ایران کے نامور ساسانی خاندان کا بانی قرار دیا جاتا ہے

اردشیر بابکاں کو شروع میں فارس کی حکمرانی ملی تھی ۔ وہ جلد ہی اشکانی بادشاہ (پارتھین) ارتابنس کی اطاعت سے منکر ہو گیا ۔ اور اپنی خودمختاری کا اعلان کر کے ارتابنس کے مقابلہ پر آگیا ۔ برنر کے مقام پر دونوں میں گھمسان کا رن پڑا اور اردشیر بابکاں نے شاندار فتح حاصل کی اور وہ شہنشاہ ایران کی حیثیت سے تخت نشین ہو گیا ۔ اس کے بعد اس نے پنجاب پر حملہ کیا اور سارے پنجاب کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کرنے میں کامیابی حاصل کی ۔ ان شاندار فتوحات کے بعد اردشیر بابکاں نے قیصر روم سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی ۔ اور آخر کار آرمینیا پر حملہ کر دیا ۔ قیصر روم کی فوجیں مقابلہ میں آئیں اور اردشیر بابکاں کا لشکر انہیں شکست فاش دے کر آرمینیا پر قابض ہو گیا ۔

اردشیر چونکہ زرتشتی مذہب کا پیروکار تھا ۔ اس لیئے اس نے زرتشی مذہب کو فروغ دینے کی بھرپور کوشش کی ۔ یہ مذہب اشکانیوں کے عہد حکومت میں بہت کمزور ہو گیا تھا اور اس پر جان کنی کی کیفیت طاری تھی ، اردشیر نے اس مذہب کو فروغ دینے کے لیئے پارسی موبدوں

Marfat.com

اور دستوروں کو بڑی بڑی جاگیروں کا مالک بنا دیا۔ اور آتش کدوں کو دوبارہ نئے سرے سے روشن رکھنے کا اہتمام کیا۔

مورخوں نے اس آتش پرست بادشاہ کو ایک فاتح تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ بادشاہ عدل و انصاف پر زور دیتا تھا۔ اس لیے اس کے عہد حکومت میں عوام خوشحال مطمئن اور آسودہ حال تھے۔

ہنی بال

ہنی بال (۲۴۷ - ۱۸۳ ق م) کارتھیج (جو آج کل لیبیا کے نام سے موسوم ہے) کا نامور جرنیل تھا۔ اس نے قرطاجنہ کے ایک سپاہی خاندان میں جنم لیا تھا۔

مورخ لکھتے ہیں کہ ہنی بال کا والد بعض وجوہات کے تحت روم کا شدید مخالف تھا۔ اس لیے اُس نے اپنی وفات سے قبل ہنی بال سے ایک حلف لیا تھا جو یہ تھا کہ وہ زندگی بھر روم سے جنگ و جدل جاری رکھے گا

ہنی بال نے دوسری کارتھیجی جنگ (۲۱۹ - ۲۰۲ ق م) میں بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس سترہ سالہ جنگ میں اس نے ہاتھیوں کو لے کر ۴۶ ہزار سپاہ کے ساتھ کوہ ایلپس کو عبور کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی۔ اس انتہائی دشوار گزار راہ سے کوہ ایلپس کو عبور کرنا ایک شاندار عظیم کارنامہ تھا۔ جو ہنی بال نے کر دکھایا تھا۔

اُس زمانے کے روم (آج کے اطالیہ یا اٹلی) کی سرزمین پر پہنچنے کے بعد مسلسل سولہ سال تک رومیوں کو لگاتار شکستیں دینے سے ہنی بال کا شمار نامور فاتحین میں ہوتا ہے۔ مگر آخری جنگ میں مقدر نے اس کا ساتھ نہ دیا اور اسے شکست ہوگئی۔ وہ شکست کھا کر اطالیہ سے بھاگا اور خودکشی کر لی۔

Marfat.com

رستم

رستم کو مؤرخوں نے ایران کا مشہور افسانوی ہیرو قرار دیا ہے حاکم سیتان کے پوتے اور زال کے بیٹے رستم کی ماں کا نام رودابہ تھا جو شاہ کابل مہراب نامی کی بیٹی تھی۔

رستم نے تورانی بادشاہ افراسیاب کو متعدد بار شکست دی تھی اور کیانی خاندان کے بانی کیقباد کو ایران کا بادشاہ بنا دیا تھا۔
مورخوں نے لکھا ہے کہ جب دیو سپید نے کیکاؤس کو شکست دے دی تھی تو رستم اس کی مدد کے لیے روانہ ہوا تھا۔ راستے میں رستم نے سات مہیں سر کی تھیں جو ہفت خوان رستم کے نام سے موسوم ہیں۔ رستم نے اپنے گھوڑے "رخش" نامی پر سوار ہو کر ارژنگ دیو اور دیو سپید سے مقابلے کر کے انہیں موت کے گھاٹ اتارا تھا اور کیکاؤس کو فتح حاصل کرنے میں مدد دی تھی۔ افراسیاب سے جنگ کے دوران اس کے بہادر بیٹے سہراب کا اسی کے ہاتھوں ہلاکت کا واقعہ پیش آیا تھا۔ رستم نے آخر عمر میں گشتاسپ کے بیٹے اسفندیار سے مقابلہ کر کے اُسے شکست دے کر ہلاک کر ڈالا تھا اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد رستم ایک گڑھے میں گر کر ہلاک ہو گیا تھا۔ یہ گڑھا اس کے بھائی نے اس کے لیئے کھدوایا تھا۔ فردوسی نے اپنے شاہ نامے میں رستم کے کارنامے تفصیل سے لکھے ہیں۔

Marfat.com

دارا اوّل

دارا اوّل (DARIUS-I) ۵۲۱ - ۴۸۵ ق م

ہنخامنشی خاندان کے اس مشہور فاتح اور شہنشاہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے جس قدر بڑی سلطنت قائم کی تھی۔ دُنیا میں پھر اتنی بڑی سلطنت مسلمان فاتحین کے سوا کوئی بھی قائم نہ کر سکا۔

ہستاسپ کا بیٹا دارا اوّل کمبوجیا کی موت اور غاصب گومتا کے قتل کے بعد مدائن میں برسرِ اقتدار آیا تھا۔ ابتدا میں اُسے اندرونی بغاوتوں کو فرو کرنے میں تین برس کا عرصہ لگا۔ اس کے بعد اُس نے سلطنت کے نظم و نسق کی اصلاح کے لیے اقدامات کئے۔ اپنی سلطنت کو جن ۲۸ صوبوں میں تقسیم کیا۔ ان میں گندھارا، مصر، مکران، عرب اور بلوچستان بھی شامل تھے۔ اس نے ہر صوبے میں ایک کی بجائے تین حاکموں، گورنر جنرل اور وزیر متعین کئے اور ان کو مساوی اختیارات دیئے۔ اس نے سُوسا سے سارڈیس دلیشاء کوچک تک پندرہ سو میل طویل سڑک تعمیر کرائی اور بحیرہ روم کو بحیرہ قلزم سے ملانے کے لیے ایک نہر بھی کھدوائی۔ وہ پہلا ایرانی بادشاہ تھا جس نے دھات سونے کے سکوں کو جاری کیا۔

اپنی فتوحات کی ابتدا اس نے اس طرح کی کہ اسّی ہزار سپاہ کے ساتھ سیتھیا قوم پر حملہ آور ہوا اور فتوحات حاصل کرتا ہوا دریائے ڈینوب کے دہانے تک چلا گیا۔ وہاں سے واپس ہوا تو تھریس اور مقدونیہ (شمالی یونان) پر قابض ہو گیا۔ اس کے بعد دارا اوّل نے کچھ عرصہ آرام کیا اور پھر اپنی فوج کے ساتھ مشرق کی طرف یلغار کی اور پنجاب اور سندھ کو فتح کر کے اپنی سلطنت کو وسعت دی۔

Marfat.com

سکندر اعظم (یونانی فاتح) کی آمد برصغیر سے کئی سو سال پہلے اس کے ایک جنرل سکائی لکس نامی نے دریائے سندھ کا شمال سے جنوب تک سفر کیا تھا۔ دارا اوّل کے عہد حکومت میں ایرانی سلطنت کی وسعت کا اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایشیاء کوچک، شمالی یونان، مصر، عرب، شام، عراق، افغانستان۔ سندھ اور پنجاب اس میں شامل تھے اس بادشاہ نے اپنا جنوبی دارالسلطنت پرسی پولیس (استخر) بنا رکھا اس فاتح کے کارنامے استخر اور کوہ بیستون کی چٹانوں پر مختلف زبانوں میں کندہ دستیاب ہوئے ہیں جن کے مطابق وہ زرتشتی مذہب کا پیرو قرار پاتا ہے۔

اندلس کی راہ فرانس پر حملہ کرنے والے سپہ سالار

امیر عبدالرحمٰن بن عبداللہ غافقی شہید

مشہور سپہ سالاروں موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد نے اندلس کی فتح کے بعد خلیفہ ولید بن عبدالملک سے درخواست کی کہ انہیں فرانس اور اٹلی دونوں ملکوں کو فتح کرنے کے بعد قسطنطنیہ کے راستے واپس آنے کی اجازت دی جائے۔ لیکن خلیفہ ولید بن عبدالملک نے اس مہم کے راستہ کی دشواریوں کے پیش نظر دونوں سپہ سالاروں کی درخواست مسترد کر دی۔

سپہ سالار موسیٰ بن نصیر نے کیا یہ تھا کہ خلیفہ ولید کو اپنی درخواست بھیجنے کے ساتھ ہی فرانس میں داخل ہو کر پیش قدمی شروع کر دی تھی اور جب تک انہیں درخواست کے مسترد ہونے کی اطلاع موصول ہوئی وہ فرانس کے مختلف علاقوں کو فتح کرتے ہوئے کافی دور اندر تک فرانس میں گھس چکے تھے۔ لیکن جب انہیں اپنی

Marfat.com

درخواست کے مسترد ہونے کی اطلاع ملی تو انہوں نے خلیفہ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے کی بجائے واپسی اختیار کر لی اور خلیفہ کے بلاوے پر افسوس کرتے اور اپنی کوششوں پہ پانی پھرتے دیکھ کر خون کے گھونٹ پیتے ہوئے طارق بن زیاد کے ہمراہ افریقہ کے راستے دمشق پہنچ گئے۔ فرانس پر یہ مسلمانوں کا پہلا حملہ تھا جو خلیفہ ولید کی غلط قیافہ شناسی کے سبب ناکام ہو گیا۔

مسلمانوں نے فرانس پر دوسرا حملہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہدِ خلافت میں کیا۔ اس حملہ کے سپہ سالار امیر سمح بن مالک خولانی والیٔ اندلس تھے۔ امیر سمح ایک انتہائی شجاع، بہادر، مستقل مزاج، بے خوف اور اولوالعزم انسان تھے۔ وہ فرانس میں داخل ہوئے اور برق رفتاری سے پیش قدمی کرتے ہوئے فرانس کا بہت سا علاقہ فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

امیر سمح ایک فرانسیسی حاکم ڈیوک آف "ایکی ٹین" کے علاقہ میں داخل ہوتے تو ڈیوک اُن کی تیز رفتار یورش سے مطلع ہو کر پہلے سے ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ میدانِ جنگ میں اُن کا منتظر تھا۔ دونوں فوجیں میدانِ جنگ میں ایک دوسرے کے بالمقابل ہوئیں تو گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ مسلمان لشکر ایک بھاری صلیبی فوج کا ڈٹ کر مقابلہ کر رہا تھا۔ بھلا اس موقع پر اسلامی لشکر کے سپہ سالار امیر سمح اپنی فطری بہادری اور اسلامی جوش و خروش کے تحت احتیاط نام کے الفاظ کو کس طرح پیشِ نظر رکھ سکتے تھے وہ اپنی فطری شجاعت کے باعث مردانہ وار بڑے جوش و خروش سے دشمن کی صفوں میں گھسے اور بیسیوں صلیبیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹتے ہوئے دشمن فوج کے کافی اندر چلے گئے اور پورے جوش و خروش سے لڑتے ہوئے شہادت پا گئے۔ امیر سمح کی شہادت سے مسلمان لشکر کے پاؤں اُکھڑ گئے اور اسلامی فوج شکست کھا گئی۔ اس طرح فرانس پر مسلمانوں کا دوسرا حملہ بھی ناکام رہا۔

Marfat.com

فرانس پر اندلس سے تیسرا اور آخری حملہ والیِ اندلس امیر عبدالرحمٰن بن عبداللہ غافقی نے کیا۔ اسلامی لشکر امیر عبدالرحمٰن کی سپہ سالاری میں فرانس پر حملہ کے لیے روانہ ہوا تو اس سے پہلے امیر عبدالرحمٰن نے جو ایک بڑے منظم مستقل مزاج، مدبّر، بہادر، تلوار کے دھنی، اور انتہائی اولوالعزم انسان تھے، اپنے لشکر کی ساری جنگی ضروریات مہیا کر لی تھیں اور مکمل تیاری اور پوری تنظیم کے بعد فرانس کا رُخ کیا تھا۔

امیر عبدالرحمٰن اندلس سے روانہ ہو کر ابھی فرانس کی سرحد سے ملحق علاقے میں پہنچ پائے تھے کہ اندلس اور فرانس کی سرحد کے مسلمان والی امیر عثمان نے بغاوت کا اعلان کر دیا اور یہ اعلان کرنے کے ساتھ ہی ڈیوک آف "ایکی ٹین" سے امیر عبدالرحمٰن کے خلاف اتحاد کر لیا۔ ڈیوک آف "ایکی ٹین" فرانس اور اندلس کے بیچ کے علاقے کا حاکم تھا۔ فرانس کی حکومت سے اس کے تعلقات ٹوٹے ہوئے تھے۔ ڈیوک نے اسلامی لشکر کو تیزی سے اپنی سرحد کی طرف بڑھتے دیکھا اور یہ سمجھ لیا کہ آئندہ چند روز بعد اسلامی لشکر اُس کے علاقہ پر حملہ کر دے گا تو اس نے اس موقع پر اپنی طاقت میں اضافہ کر کے مسلمانوں کے حملے سے بچاؤ کے لیے مسلمانوں ہی کے باغی حاکم امیر عثمان سے دوستی کا ایک معاہدہ کر لیا۔ اس معاہدہ کے تحت دونوں ایک دوسرے کو حملہ آور کے خلاف فوجی مدد دینے پر متفق ہو گئے۔ ڈیوک نے امیر عثمان کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے اپنی بیٹی کی بھی اس سے شادی کر دی اور امیر عثمان کو بخوشی اپنا داماد بھی بنا لیا۔ ڈیوک کا داماد بننے کے بعد امیر عثمان نے امیر عبدالرحمٰن کی پُرزور مخالفت شروع کر دی اور چیلنج دیا کہ امیر عبدالرحمٰن نے ڈیوک کے علاقہ پر قبضہ کیا تو وہ اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرے گا۔

امیر عبدالرحمٰن نے ایک مسلمان امیر عثمان کو صلیبی ڈیوک کی حمایت میں مسلمانوں ہی کے خلاف اعلانِ جنگ کرتے دیکھا تو غم و غصّہ سے اس کی بُری حالت ہو گئی اور اس نے سب سے پہلے امیر عثمان کو اس غداری کی سزا دینے

Marfat.com

کے لیے ابن زیان کی زیر سرکردگی ایک فوجی دستہ بھیجا۔ ابن زیان نے امیر عثمان پر حملہ کیا اور اس حملہ کی شدت کا اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امیر عثمان مقابلہ میں نہ صرف شکست ہی کھا گیا بلکہ مارا بھی گیا۔

امیر عثمان کو کیفر کردار تک پہنچانے کے بعد اسلامی فوج نے پیش قدمی شروع کی تو ڈیوک آف ایکی ٹین اپنے لشکر کے ساتھ مقابلہ میں آ گیا۔ ڈیوک کے لشکر نے زبردست مزاحمت کی لیکن وہ اسلامی لشکر کے تابڑ توڑ حملوں کو روکنے سے قاصر رہا۔ اسلامی لشکر ڈیوک کی فوج کو روندتا ہوا آگے بڑھتا رہا حتی کہ دریائے گارن کی دلکش بہار آفرین وادیوں کو فتح کرتا ہوا بندرگاہ بورڈیو تک پہنچ گیا۔ ڈیوک نے یہاں ہر قسم کا اسلحہ جنگ بڑی تعداد میں جمع کر رکھا تھا۔ اس لیے اس مقام پر لشکر اسلام کو صلیبیوں کا زبردست مقابلہ کرنا پڑا۔ لیکن فتح و نصرت اسلامی لشکر کے پہلو بہ پہلو رواں دواں تھی، اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی مسلمانوں کو فتح بخشی اور ڈیوک کے تمام سامان جنگ پر مسلمان قابض ہو گئے۔

لشکر اسلام نے اللہ کی بخشی ہوئی فتح و نصرت کے پرچم بلند کئے بندرگاہ بورڈیو سے آگے شمال کی طرف رخ کیا تو دریائے ڈارڈون پر ڈیوک آف ایکی ٹین کی صلیبی فوج تیسری بار مسلمانوں کے مدمقابل ہوئی۔ لشکر اسلام نے اس بار اس قدر جوش و خروش سے صلیبیوں پر حملہ کیا کہ ڈیوک کی تمام فوج کو موت کی آغوش کے سوا کہیں پناہ نہ مل سکی۔ مسلمانوں نے کسی ایک صلیبی کو بچ کر میدان جنگ سے باہر نکلنے نہ دیا۔ یہاں سے لشکر اسلام اپنے بہادر سپہ سالار اور خدا کے سپاہی امیر عبدالرحمن بن عبداللہ غافقی کی قیادت میں پائی ٹیرس پہنچا اور یہاں کے مشہور گرجے سینٹ ہلاری میں جمع شدہ صلیبیوں کے بھاری خزانے پر قبضہ کرنے کے بعد شہر پر اسلامی پرچم لہرانے میں کامیاب ہو گیا۔

اپنی اس تیسری شکست فاش نے ڈیوک آف ایکی ٹین کو یقین دلا دیا کہ اب لشکر اسلام کا مقابلہ کرنا اس کے بس کی بات نہیں رہی، پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے۔ اسلامی فوجیں جلد ہی فرانس کے عین وسط میں پہنچنے والی ہیں اور

Marfat.com

فرانس کے اسلامی فوج کے سیلاب میں ڈوب جانے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہا۔ اس مرحلہ پر ڈیوک نے مجبوراً اپنے بدترین مخالف لیکن ہم مذہب چارلس مائل سے امداد کی استدعا کی۔ اسلامی لشکر کی پیش قدمی نے سارے فرانس میں ہلچل مچا دی۔ ڈیوک کے علاوہ فرانس کے دوسرے امیروں اور مقتدر لوگوں نے چارلس مائل کو غیرت دلائی کہ عرب کی بے سروساماں اسلامی فوج جو کل تک انتہائی غیر اہم تھی آج فرانس کی بہادر فوج کو شکست پر شکست دیتی آ رہی ہے یہ سارے فرانس کی غیرت کو چیلنج ہے جسے قبول کرنا ہی مردانگی ہے۔

خود چارلس مائل بھی مسلمانوں کی مسلسل فتوحات سے خوفزدہ ہو چکا تھا اور اپنے اقتدار کو بھی سخت خطرہ میں محسوس کر رہا تھا۔ چارلس نے وسیع پیمانے پر ایک مجلس مشاورت منعقد کی، جس میں سارے فرانس سے سربرآوردہ لوگ اور امرار شریک ہوئے۔ مجلس مشاورت نے اسے ایک اہم قومی اور مذہبی معاملہ قرار دیا اور مسلمانوں کی فتوحات کو شکست میں بدلنے کے لیے مختلف تجاویز مرتب کیں۔ سارے فرانس کے بہادروں کے ساتھ ساتھ دین عیسوی کے تحفظ کے نام پر جرمنی اور پرتگال سے بھی مدد کی اپیل کی گئی۔

اپنے مذہب کے تحفظ کی خاطر فرانس کے سارے بہادر عسکریوں اور امرار کے ساتھ ساتھ جرمنی اور پرتگال نے بھی اپنی فوجیں چارلس مائل کی مدد کے لیے بھیج دیں۔

اب چارلس مائل مسلمانوں سے مقابلہ کے لیے جو لشکر لے کر نکلا اس میں یورپ کے منتخبہ بہادر عسکری اور کئی یورپی ملکوں کی باقاعدہ قواعدداں فوجیں شامل تھیں۔ بیشتر یورپی سپاہی سرتاپا لوہے میں ڈھکے ہوئے تھے۔

اس موقع پر صحیح صورتِ احوال یہ تھی کہ ایک طرف تو مسلمانوں کی قلیل فوج تھی جو ایک اجنبی ملک میں بے سروسامانی کے عالم میں تھی، دوسری طرف بھاری صلیبی لشکر تھا جس کا ہر سپاہی ہر قسم کے اسلحہ سے پوری طرح لیس تھا۔ پھر ایک ایک مسلمان سپاہی کے مقابلے میں بقول عیسائی مورخ آٹھ آٹھ یورپی سپاہی

Marfat.com

تھے ایک اور آٹھ کا مقابلہ ہونے کے باوجود صلیبیوں پر مسلمانوں کی اس قدر دہشت طاری تھی کہ چارلس مکمل ایک ہفتہ تک لشکرِ اسلام پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکا، لشکرِ اسلام کا ہر سپاہی منتظر تھا کہ صلیبی پہل کریں تو انہیں دل کے حوصلے پورے کرنے کے مواقع فراہم ہوں اور وہ صلیبیوں کو ناکوں چنے چبوا دیں لیکن چارلس ٹس سے مس نہ ہوتا تھا۔

آخر کار امیر عبدالرحمٰن نے ایک ہفتہ انتظار کے بعد اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرتے ہوئے دشمن لشکر پر حملہ کر دیا۔ صبح تا شام گھمسان کی جنگ جاری رہی جب رات کی تاریکی کے پرچم بہت بلند ہو گئے اور دوست دشمن کی پہچان تک باقی نہ رہی تو دونوں فوجیں ایک دوسرے سے الگ ہو کر اپنے اپنے پڑاؤ میں چلی گئیں۔

دوسرے روز ایک بار پھر گھمسان کا رن پڑا۔ سہ پہر تک دونوں لشکر جوش و خروش سے نبرد آزما رہے کسی میں شکستگی مردنی یا سستی کے آثار پیدا نہ ہوئے۔ پھر یکایک ہوا یہ کہ ڈیوک آف ایکی ٹین ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت تازہ دم بھاری فوج میدانِ جنگ میں لے آیا۔ تازہ دم صلیبی فوج نے تھکی ماندی اسلامی فوج پر پوری شدت اور گرم جوشی سے بھرپور حملہ کیا تو تھکی ہوئی اسلامی فوج میں کمزوری کے آثار پیدا ہونے لگے۔ یہ دیکھ کر تازہ دم صلیبیوں کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ بڑھ چڑھ کر مسلمانوں پر حملے کرنے لگے۔ مسلمان سپاہی ان مسلسل حملوں کی تاب نہ لا سکے اور ان کے پاؤں اکھڑنے لگے۔ صلیبیوں کے حملوں میں جوں جوں شدت آتی گئی، مسلمانوں کے پاؤں اکھڑتے گئے۔

امیر عبدالرحمٰن نے اسلامی فوج کے حوصلے بلند کرنے اور بھاگتے مسلمانوں کو روکنے کے لیے خود صلیبی فوج پر آگے بڑھ کر حملے شروع کر دیئے اور مردانہ وار صلیبیوں کو گاجر مولی کی مانند کاٹتے ہوئے صلیبیوں کی صفوں میں آگے

Marfat.com

ہی آگے بڑھتے گئے، حتیٰ کہ امیر عبدالرحمٰن ایک سچے جیالے سپاہی کی طرح اپنے جسم پر سینکڑوں زخم کھانے کے بعد لڑتے لڑتے شہادت کے بلند مرتبہ پر فائز ہوگئے۔

امیر عبدالرحمٰن کی شہادت کے بعد گو مسلمان فوج نے اپنی فتح کو مشکل گردانا لیکن میدانِ جنگ سے راہِ فرار پسند نہ کی۔ رات کے وقت مختصر سی مجلس مشاورت میں فیصلہ ہوا کہ رات کی تاریکی میں میدانِ جنگ خالی کر دیا جائے۔ عیسائی مورخوں نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کی فرانس سے واپسی کی وجوہات حسب ذیل تھیں۔

وہ امیرِ لشکر شہادت پا چکے تھے۔ جن پر فوج کو بڑا فخر و ناز تھا۔ حملوں کی شدت سے تھکی ہوئی مسلمان فوج کے قدم اکھڑ گئے تھے۔ صلیبیوں کو تازہ دم فوج کی مدد حاصل تھی، جب کہ مسلمان لشکر اپنے وطن سے بہت دُور فرانس کی اجنبی سرزمین پر جنگ آزما تھا اور اسے کسی مدد کی بھی کوئی امید نہ تھی۔ اس وقت مسلمانوں کا یہ فیصلہ کہ رات کی تاریکی میں میدانِ جنگ خالی کر دیا جائے۔ وقت کی مناسبت سے بہترین فیصلہ تھا۔

مسلمان فوج رات کی تاریکی میں میدان خالی کر گئی تو اگلے روز علی الصبح چارلس مائل کو اس کی اطلاع مل گئی کہ مسلمان پسپائی اختیار کر گئے ہیں۔ مسلمانوں کی اس شکست کے باوجود چارلس مسلمانوں کی شجاعت و بہادری سے اس قدر متاثر تھا اور اس پر مسلمانوں کی دلیری و قوت کا اس قدر رعب طاری تھا کہ اُس نے شکست خوردہ مسلمان فوج کے تعاقب کرنے کی بھی جرات نہ کی۔ شکست خوردہ بھاگتی فوج کا قتلِ عام انتہائی آسان کام ہوتا ہے اور فتح یاب فوج ہاری فوج کا تعاقب کر کے قتلِ عام ضرور کرتی ہے لیکن صلیبیوں کی نام نہاد بہادری کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے شکست خوردہ مسلمان فوج کے تعاقب کی ہمت ہی نہ کی۔

یورپ کے بیشتر دروغ گو متعصب عیسائی مورخ اس معرکہ کو صلیبیوں کی بہادری کا ایک بڑا کارنامہ قرار دیتے ہیں اور اس سلسلے میں اپنے جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لیے لکھتے ہیں کہ اس کارنامے کی بدولت فرانسیسی عوام نے

Marfat.com

چارلس کو مارٹل (ہتھوڑے) کا شاندار لقب دیا تھا۔ اس نام نہاد بہادر کی بہادری کا یہ عالم تھا کہ تین بار مسلمانوں سے شکست فاش کھانے کے بعد مجبور ہو گیا تھا کہ مذہب کے نام پر یورپ بھر کے اپنے ہم مذہب لوگوں سے مدد کی بھیک مانگے۔

بلاشک و شبہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اگر امیر عبدالرحمن کا آخری حملہ بھی کامیاب ہو جاتا تو آج نہ صرف فرانس ہی بلکہ یورپ بھر کو اسلام کی دولت سے مالا مال ہونے کا موقع مل جاتا اور آج یورپ کی تاریخ مختلف ہوتی۔

شہید امیر عبدالرحمن بن عبداللہ غافقی کی فرانس پر فوج کشی سے ہمارے سامنے جو حقائق آتے ہیں اُن میں سرفہرست صلیبیوں کی یہ خوبی ہے کہ وہ اپنے مذہب کے تحفظ کی خاطر آپس کے سارے جھگڑے چشم زدن میں ختم کر کے متحد ہو جاتے ہیں۔ ایک ہم مسلمان ہیں کہ ہمیں آپس کے جھگڑوں سے ہی فرصت نہیں ملتی، ہم دشمن سے کیا خاک نبرد آزما ہوں گے، ہمیں حسد کی آگ نے بُری طرح جلا رکھا ہے اور ہم اپنے ہی بھائی کے جانی دشمن بن کر رہ گئے ہیں۔ لعنت ہے اُن نام نہاد مسلمانوں پر جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود آپس میں دست و گریباں رہنا پسند کرتے ہیں۔

ہارون الرشید

ہارون الرشید کا شمار خلفائے عباسیہ میں سب سے زیادہ عبادت گزار، نیک پرہیزگار اور بارعب خلیفہ کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ اس کے دورِ حکومت میں اسلامی سلطنت کو بڑی وسعت حاصل ہوئی اور اس کی سلطنت کی حدیں ہندوستان اور تاتار سے لے کر بحرِ اوقیانوس کے ساحل تک پھیل گئی تھیں۔

وہ بعمر ۲۲ برس تخت پر بیٹھا تھا۔ لیکن اس چھوٹی عمر کے باوجود اس نے اپنے ملک کا انتظام حکومت اس قدر دانائی سے چلایا کہ دوست تو دوست دشمن تک عش

Marfat.com

عش کر اٹھے۔" ہارون الرشید دوستوں کا مخلص دوست اور دشمنوں کا بدترین دشمن تھا۔ وہ مذہب کا پورا پابند تھا۔ وہ باتیں جو ایک سچے مسلمان میں ہوتی ہیں سبھی اس میں موجود تھیں۔ وہ ہر دوسرے سال پیدل حج کیا کرتا تھا۔ اس پاپیادہ سفر میں اس کے ہمراہ ایک سو علماء و فقراء ضرور ہوتے تھے۔ جس سال وہ خود حج نہیں کرتا تھا۔ اس سال وہ تین سو مسلمانوں کو اپنے اخراجات پر حج کے لیے ضرور روانہ کیا کرتا تھا۔ اس کے عبادت گزار ہونے کی کیفیت یہ تھی کہ وہ پنجگانہ نمازوں کے علاوہ روزانہ سو رکعتیں نفل ضرور پڑھتا تھا۔

خلیفہ ہارون الرشید خود بھی ایک بلند پایہ عالم اور شاعر تھا۔ اس لیے شعراء و ادباء اور علماء و فضلاء کا سچا قدر دان تھا۔ اس کے دربار میں ہر وقت ارباب کمال کا جمگھٹا رہتا تھا۔ وہ علماء کا بہت ادب و احترام کرتا تھا۔ ایک بار ابومعاویہ نامی ایک نابینا عالم اس سے ملاقات کے لیے تشریف لائے تو کھانے کا وقت آگیا۔ ہارون الرشید نے خود اٹھ کر ان کے ہاتھ دھلائے۔ ابومعاویہ کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے کہا۔

"اے امیر المومنین! کیا آپ اپنے اس طرزِ عمل سے یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ آپ اہلِ علم کا بہت ادب و احترام کرتے ہیں؟"

ہارون الرشید نے فوراً جواب دیا۔

"بلاشک وشبہ آپ کا خیال درست ہے۔ میں یہی ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ میں علماء کی دل و جان سے عزت کرتا ہوں۔"

ہارون الرشید کی اس علم پروری اور علماء دوستی کے نتیجہ میں جس قدر اہل کمال علماء و فضلاء، شعراء و ادباء، مفتی، نجومی، قاضی اور طبیب اس کے عہد میں ہوئے ہیں، کسی اور خلیفہ کے عہد میں نہیں تھے۔

اس کی خوش اخلاقی اور مروت کا یہ عالم تھا کہ وہ سارے ادنیٰ و اعلیٰ انسانوں سے یکساں طور پر پیش آتا تھا۔ اس کے عہدِ حکومت میں اس کی سلطنت عروج کی انتہائی بلندیوں پر تھی۔ مشرقی دنیا کے ایک بڑے خطہ پر اس کی حکمرانی تھی اور مغربی افریقہ بھی اس کے ماتحت تھا۔ اس کا دارالسلطنت بغداد اس زمانہ کے دنیا بھر کے

Marfat.com

سارے شہروں سے زیادہ مہذب اور [redacted] شہر گردانا جاتا تھا۔ دنیا بھر کے باکمال لوگ بغداد میں جمع تھے۔ بغداد کی آبادی ۷۰ لاکھ سے زائد تھی۔ شہر کے عین وسط سے دریائے دجلہ بہتا تھا اور اس دریا کے کناروں پر وزراء وامراء کے فلک بوس محلات ایستادہ تھے۔ دریا میں ہر لمحہ کشتیوں کی آمد و رفت رہتی تھی اور جابجا سنگِ مرمر کے گھاٹ عجب بہار دکھاتے تھے۔ چونکہ اس قدر وسیع و عریض سلطنت میں امن و امان کی قائمی ایک بڑے مسئلہ کی حیثیت رکھتی تھی اس لیے ہارون الرشید نے ایک زبردست چاک و چوبند فوج رکھ چھوڑی تھی۔ اس فوج کے ہر ہر سپاہی سے ہارون الرشید واقف تھا اور فوج کے ہر فرد کو ہر لمحہ اپنی ذمہ داری کا پورا پورا احساس رہتا تھا۔

خلیفہ ہارون الرشید کے عہدِ حکومت میں بیسیوں صوبوں میں بغاوتیں ہوئیں مگر اس نے بڑی عقلمندی سے اُن کو رفع دفع کر دیا اور دشمنوں کے سر ایسے کچلے کہ دوبارہ بغاوت کرنے کی سوچ تک نہ سکے۔ اپنی مملکت کے اندرونی مفسدوں کا قلع قمع کرنے کے علاوہ اُسے سلطنت روم کے یونانی عیسائیوں سے بارہا معرکہ آرائیاں کرنی پڑیں۔ کیونکہ یونانی عیسائی موقع پاتے ہی اسلامی مملکت کی سرحدوں پر آباد مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتارنے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ خلیفہ نے یونانیوں کو سزا دینے کے لیے ہر سال روم پر حملوں کا پروگرام ترتیب دے رکھا تھا۔ اُس کا ہر حملہ کامیابی سے ہمکنار ہوتا تھا اور ہر بار اُس کی فوج فتح یاب ہو کر واپس لوٹتی تھی۔ ایک بار خلیفہ نے عبدالملک نامی ایک بہادر جرنیل کو روم پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ اس بہادر سپہ سالار نے یونانیوں پر ایسے تابڑ توڑ حملے کیے کہ یونانی اپنے شہروں کو اس بہادر سپہ سالار کے سپرد کرتے ہوئے شہر پر شہر خالی کر کے راہِ فرار اختیار کرتے رہے۔ حتیٰ کہ یہ بہادر سپہ سالار یونانیوں کے پایہ تخت تک جا پہنچا۔ اس مرحلہ پر یونانیوں نے اپنے ملک کو بچانے کے لیے اطاعت قبول کر لی۔ اور ملکہ روم نے ہارون الرشید کو خراج دینے اور ہمیشہ مطیع رہنے کا وعدہ کیا اس پر خلیفہ نے اس سے صلح منظور کر لی۔

Marfat.com

ابھی اس صلح نامہ کو کچھ ہی روز گزرے تھے کہ ناٹفورس نامی ایک یونانی امیر نے ملکہ روم کو موت کے گھاٹ اتار کر تخت و تاج پر قبضہ کر لیا اور خلیفہ سے کیا ہوا عہد نامہ مسترد کر دیا۔ ناٹفورس نے نہ صرف خلیفہ سے بغاوت ہی اختیار کر لی بلکہ خلیفہ کو ایک سخت گستاخانہ خط بھی لکھا جس میں درج تھا کہ ملکہ عورت تھی اس لیے تم سے ڈر کر تمہاری اطاعت قبول کرنے پر مجبور ہو گئی تھی اور اس نے تمہیں خراج دینا بھی منظور کر لیا تھا۔ اب میں تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ "گزشتہ باتوں کو فراموش کر دو۔ اب روم کا میں حاکم ہوں اور تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اب تک تم نے روم کے خزانے سے بطور خراج جس قدر رقم وصول کی ہے۔ بلا تاخیر لوٹا دو۔ دوسری صورت میں تم سے سخت انتقام لیا جائے گا"۔

خلیفہ ہارون الرشید یہ خط پڑھ کر غصہ سے کانپنے لگا اور فوراً قلم دوات منگوا کر یہ جواب لکھا۔

"او بزدل تیرا خط مل گیا ہے۔ اس کا جواب تو کانوں سے نہیں سُنے گا بلکہ آنکھوں سے دیکھے گا، تیار ہو جا، میں آ رہا ہوں"۔

خط بھیجنے کے بعد خلیفہ نے اُسی روز ایک کثیر تعداد فوج کی تیاری کے احکامات بھیجے اور روم پر یلغار کر دی۔ یونان کی کثیر تعداد فوج کو تباہ و برباد کر ڈالا گیا۔ اسلامی فوجوں نے متعدد شہروں کو فتح کر لیا تو ناٹفورس نے ڈر کر ہتھیار ڈال دیئے اور صلح کی التجا کی۔ ہارون نے اس کی التجا کی منظوری کے لیے یہ شرط رکھی کہ وہ ہر چھ ماہ بعد خراج ادا کیا کرے۔ بزدل ناٹفورس نے یہ شرط منظور کر لی۔

ہارون الرشید اس مہم کو کامیابی سے سر کر کے بغداد لوٹا تو موسم سرما کا آغاز ہو چکا تھا۔ ناٹفورس یہ سوچ کر کہ اس سرد موسم میں خلیفہ کو حملے کی جرأت نہ ہو گی اور وہ بغداد نہ چھوڑے گا۔ دوبارہ بغاوت کا اعلان کر دیا اور خراج کی ادائیگی سے صاف منکر ہو گیا۔ خلیفہ کو اس کی خبر ملی تو اس بہادر و شجاع اور مہم جو خلیفہ نے نتیجہ کی کوئی پرواہ کئے بغیر مع فوج روم کی طرف کوچ کر دیا۔ بلا کی سردی پڑ

Marfat.com

رہی تھی۔ گو اسلامی فوج کو اس قدر شدید سردی برداشت کرنے کی عادت نہ تھی۔ مگر اسلامی فوج کا جذبہ جہاد تھا جو اُسے کشاں کشاں کفار کو سزا دینے کے لیے لیے جا رہا تھا۔ اس لڑائی میں بھی وعدہ شکن یونانیوں کو عبرت انگیز شکست فاش ہوئی۔ چالیس ہزار یونانی موت کے گھاٹ اُتر گئے اور ہزاروں اسیر ہو گئے۔ بزدل نائفورس نے بھی بڑی عاجزی سے معافی مانگی اور اپنی جان بخشی کی التجا کی۔ جسے انتہائی رحم دل فیاض اور وسیع النظر خلیفہ نے منظور کر لیا۔ اس کے بعد متعدد بار یونانیوں نے وعدہ شکنی کی مگر خلیفہ نے انہیں ہر بار شکست فاش دے دی اور ان کی بچی کھچی طاقت کو بھی تباہ و برباد کر ڈالا۔

بحیرہ خزر کے کنارے آباد بعض وحشی قومیں ملک میں فساد پھیلاتی رہتی تھیں۔ ایک بار ان وحشیوں نے آرمینیا میں گھس کر ایک لاکھ مسلمانوں کو شہید کر ڈالا اور اُن کے مال و متاع کو لوٹ کر لے گئے۔ ہارون الرشید کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ غم و غصّہ سے کانپنے لگا اور اس نے بلا تاخیر دو بہادر جرنیلوں کو فوج دے کر ان وحشیوں کو قرار واقعی سزا دینے کے لیے روانہ کر دیا۔ ان جرنیلوں نے وحشیوں پر حملے کر کے بے دریغ اُن کا قتل عام کیا اور مسلمانوں کے خونِ ناحق کا پورا پورا انتقام لیا۔ ہارون کے عہدِ حکومت میں متعدد بار خارجیوں نے بھی بغاوت کی مگر بار بار شکست کھا کر خاموش بیٹھ رہے۔

سلطنتِ عباسیہ کی زبردست طاقت کی سچی داستانوں نے فرانس کے بادشاہ شارلمین کو اس قدر متاثر کیا کہ اُس نے خلیفہ سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کے لیے تحائف بھیجے۔ خلیفہ نے ان تحائف کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ جواب میں نہایت عجیب و غریب اشیاء بھیجیں۔ ان اشیاء میں ماہرِ فن عربی کاریگروں کی بنائی ہوئی ایک گھڑی بھی تھی۔ اس گھڑی میں وقت کا ایک گھنٹہ پورا ہونے پر اندر سے پیتل کے چند سوار گھوڑے دوڑاتے ہوئے برآمد ہوتے تھے ساتھ گھنٹی بجتی تھی۔ اس زمانہ میں چونکہ فرانس جہالت کے گھپ اندھیرے کی گرفت میں تھا۔ اس لیے جاہل مطلق فرانسیسیوں نے اسے جادو کا کھیل قرار دیا۔ اُن

Marfat.com

کی راتے میں اس گھڑی میں کوئی جن چھپ کر بیٹھا ہوا تھا۔

بغداد سے کالے کوسوں کی دوری پر واقع افریقہ بھی خلیفہ ہارون الرشید کی مملکت میں شامل تھا۔ لیکن دارالسلطنت سے دوری کے سبب خلیفہ افریقہ کا خاطر خواہ انتظام کرنے سے قاصر تھا۔ اس لیے اسلامی سلطنت کے اس حصہ میں آئے دن بغاوتیں ہوتی رہتی تھیں۔ پھر ایک بات یہ تھی کہ اس بے آب و گیاہ سرزمین سے حکومت کو آمدنی کے نام پر ایک پیسہ بھی نہ ملتا تھا، بلکہ وہاں کے انتظامات چلانے کے لیے افریقہ کو شاہی خزانے سے ایک لاکھ دینار دیے جاتے تھے۔ ایک بار خلیفہ ہارون الرشید کی خدمت میں حاضر ہو کر ابراہیم بن اغلب نامی ایک شخص نے یہ درخواست گزاری کہ اگر ملک افریقہ کی حکومت اس کے سپرد کر دی جائے تو وہ نہ صرف شاہی خزانے سے اخراجات کے نام پر رقم نہیں لے گا بلکہ چالیس ہزار دینار سالانہ بطور خراج بھی ادا کیا کرے گا۔ ہارون نے اس کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا اور اُس دن سے افریقہ کی نیم مختاری کا دَور شروع ہوا۔

بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ ہارون الرشید کے عہد کی خوشحالی، فارغ البالی اور خوش انتظامی کا سہرا دراصل برامکہ کے سر بندھتا ہے۔ کیونکہ سلطنت کا سارا کاروبار انہی کے سپرد تھا۔ یحییٰ برمکی ہارون الرشید کا وزیرِ اعظم تھا اور اُس کے بیٹے بھی بڑے ذہین و فہیم اور دانا تھے۔ بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ ہارون نے انہیں بڑی بڑی جاگیریں بھی دی ہوئی تھیں۔ باپ بیٹوں کو دولت و رتبہ حاصل ہوا تو انہوں نے ملک بھر میں سخاوت کر کے حاتم طائی سے بھی زیادہ شہرت حاصل کر لی۔ جو شخص ایک بار ان کے سامنے دستِ سوال دراز کرتا اُس کی ناداری پلک جھپکنے سے پیشتر امیری کبیری میں بدل جاتی۔ نتیجہ میں ان کی فیاضی اور سخاوت کی شہرت سارے ملک میں پھیل گئی۔ اس سے جہاں ان کے دوستوں کی تعداد میں اضافہ ہوا وہاں حاسدوں اور دشمنوں کی بھی خاصی تعداد ہو گئی۔ ہارون الرشید کے درباریوں میں ایک شخص بنام فضل بن ربیع بھی برامکہ کے عروج کو سخت ناپسند کرتا ہوں اور گاہے گاہے ہارون سے ان

Marfat.com

کے خلاف لگائی بجھائی کرتا رہتا تھا۔ اس کے کان بھرنے سے خلیفہ برامکہ سے بدظن ہوگیا۔ اور ایک انتہائی معمولی سے قصور پر پورے خاندان کو ایسی خوفناک سزا دی کہ سننے دیکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے۔ یحییٰ اور اس کے بڑے بیٹے فضل کو قید کر ڈالا گیا۔ چھوٹے بیٹے جعفر کو موت کے گھاٹ اتار ڈالا گیا اور برامکہ کی ساری جائدادیں بحق حکومت ضبط کر لی گئیں۔ اور ملک بھر میں یہ منادی کرادی گئی کہ آج سے برامکہ کا نام لینے والا سزا کا مستوجب قرار پائے گا۔ برامکہ کی تباہی کے بعد ہارون الرشید کا اپنا عیش و آرام بھی جاتا رہا۔ خراسان میں ایک امیر باغی ہوگیا۔ گو ان ایام میں ہارون الرشید شدید بیمار تھا مگر وہ دشمن کو قرار واقعی سزا دینے کے لیے خود روانہ ہوا۔ وہ ابھی طوس ہی پہنچا تھا کہ اس کی طبیعت بگڑ گئی اور ایسی بگڑی کہ پھر سنبھالے نہ سنبھلی اور آخرکار تین روز کی علالت کے بعد اس کا انتقال ہوگیا۔ مورخ اس کے عہدِ حکومت کو فروغ تعلیم کثرتِ مال و زر، فارغ البالی خوشحالی، عدل و انصاف اور امن و سلامتی کا دور کہتے ہیں اور سراہتے ہیں۔

ظہیر الدین بابر

اس نے ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کی بنیاد رکھی تھی۔ اس کا نام ظہیر الدین تھا اور وہ ۸۲۵ھ میں پیدا ہوا تھا۔ بابر کا والد عمر شیخ میرزا فرغانہ کا بادشاہ تھا۔ آج فرغانہ کا نام روسی ترکستان ہے۔ اس کی ماں اسے پیار سے "بابر" کہتی تھی۔ بابر ترکی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی "شیر ببر" ہیں، وہ واقعی میدانِ جنگ کا "شیر ببر" ثابت ہوا تھا۔

وہ ابھی بارہ برس کا تھا کہ اس کے والد کی وفات ہوگئی۔ اس کی کم سنی اور ناتجربہ کاری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے چچا اور ماموں نے بغاوت

Marfat.com

کر دی اور یہ دونوں اُسے تخت و تاج سے محروم کرنے کی سعی کرنے لگے۔ ایک روز اچانک اُس کا چچا ایک بڑی فوج کے ساتھ فرغانہ پر حملہ آور ہوا۔ بابر کو پہلے سے چچا کے حملہ کرنے کی خبر مل چکی تھی اور اُس نے مقابلہ کی تیاری مکمل کر رکھی تھی۔ چچا نے حملہ کیا تو بابر نے اُس کا دندان شکن جواب دیا۔ نتیجہ میں چچا بھتیجے میں چند شرائط پر صلح ہو گئی۔ چچا کے حملہ سے محفوظ ہوتے ابھی چند ہی روز گزرے تھے کہ اُس کا ماموں بھی اُس پر حملہ آور ہوا۔ اُس نے اپنے ماموں کو بھی شکست فاش دی اور ماموں کو مجبوراً اس سے صلح کرنی پڑی۔

بابر کے چچا اور ماموں نے طاقت سے اپنا مقصد حاصل ہوتے نہ دیکھا تو رشوت سے اپنا کام نکالا۔ بابر کے وزیروں اور امیروں کو رشوت دے کر اپنے ساتھ ملانے کے بعد چچا اور ماموں نے سارے ملک میں بغاوت کرا دی۔ اس وقت بابر کے سامنے جو صورتِ احوال تھی وہ بڑے سے بڑے بہادر انسان کے چھکے چھڑانے کے لیے کافی تھی لیکن بابر ذرا بھی نہ گھبرایا۔ گو غیروں کے ساتھ اس کے اپنے بھی اس کی جان کے لاگو بن چکے تھے۔ لیکن اُس نے سب کا مقابلہ کیا۔ کئی لڑائیوں میں اُسے شکست ہو گئی تو اُس نے مجبوراً اپنے وطن کو چھوڑ دیا اور مدت مدید تک جنگلوں اور بیابانوں میں ڈیرے ڈالے رکھے۔ یہ کیفیت مسلسل گیارہ برس تک رہی گو بابر کو اس مدت میں کبھی چین میسر نہ آیا لیکن وہ ایک باہمت انسان تھا۔ خانہ جنگی نے اُسے دل شکستہ نہ کیا اور آخر کار وہ اللہ تعالٰی کی مہربانی اور اُس کی بخشی ہوئی ہمت و دلجمعی کے ساتھ مصروفِ عمل رہا۔ نتیجہ میں گیارہ برس بعد اُس نے اپنے چھنے ہوئے علاقے بھی واپس لے لئے اور سمرقند کو بھی فتح کر لیا۔

یہ وہ زمانہ تھا۔ جب ہندوستان پر افغانوں کا ایک خاندان لودھی حکومت کر رہا تھا۔ اس زمانہ میں بادشاہ ابراہیم لودھی دہلی کے تخت و تاج کا مالک تھا۔ ابراہیم لودھی ایک عیاش اور لاپرواہ طبیعت کا بے نیاز سا انسان تھا۔ بادشاہ کی غفلت اور لاپرواہی کے باعث سارے ملک میں بدنظمی کا دور دورہ تھا۔ فتنہ و فساد برپا تھا۔

Marfat.com

ابراہیم لودھی کا چچا دولت خان لودھی (حاکم پنجاب) حسد کے تحت ابراہیم کا شدید مخالف تھا۔ دولت خان نے اپنے بھتیجے کے ایک بدترین دشمن رانا سانگا (لنگڑے) سے خفیہ گٹھ جوڑ کر رکھا تھا۔ دولت خان نے رانا سانگا کے مشورے سے بابر کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی اور اپنی مدد کا بھی یقین دلایا۔ بابر خود طویل عرصے سے ہندوستان پر حملہ کرنے کی سکیمیں ترتیب دے رہا تھا۔ دولت خان کی دعوت کے بعد اُس نے فوراً کوچ کیا اور دولت خان کی عملی مدد سے پنجاب سے بلا روک ٹوک گزر کر دہلی کے قریب تک پہنچ گیا۔ ابراہیم لودھی کو پتہ چلا تو وہ ایک لاکھ فوج کے ساتھ دہلی سے مقابلے کے لیے نکلا اور پانی پت کے تاریخی میدان میں پہنچ گیا۔ ابراہیم لودھی کی فوج کے آگے آگے ایک ہزار مست ہاتھی بھی دشمن کے لشکر کو کچلنے کے لیے چل رہے تھے۔ بابر کی فوج کُل بارہ ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی اور اُس کے پاس چند توپیں بھی تھیں جو آتشیں گولے پھینکتی تھیں۔ اس زمانے میں ہندوستان میں کوئی توپ کے نام تک سے واقف نہ تھا۔

۲۱ اپریل ۱۵۲۶ء کو پانی پت کے میدان میں دونوں حریف فوجیں ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئیں۔ خونخوار ہاتھی اپنی سونڈیں ہلاتے ہوئے بابری فوج پر حملہ آور ہوئے تو بابر نے اپنے توپچیوں کو گولے پھینکنے کا حکم دیا۔ بابری توپوں کے آتشیں گولے جوں ہی ہاتھیوں پر پڑے۔ ہاتھی گھبرا گئے اور خوف زدہ ہو کر چنگھاڑتے ہوئے واپس ہوئے اور اپنی ہی فوجوں کو روندتے ہوئے دہلی کی سمت بھاگے۔ ابراہیم لودھی کے ہاتھیوں نے اُس کی فوج کا وہی حشر کیا جو سکندرِ اعظم یونانی پر حملہ کے وقت پورس کے ہاتھیوں نے اپنی فوج کا کیا تھا۔ یعنی دشمن کو نقصان پہنچانے کی بجائے اپنی ہی فوج کو روند کر رکھ دیا۔ ابراہیم لودھی عیاش اور لاپرواہ ہونے کے باوجود ایک بہادر سپاہی بھی تھا۔ وہ چاہتا تو بھاگ کر اپنی جان بچا سکتا تھا۔ لیکن اُس نے میدانِ جنگ سے فرار کو اپنے لیے ننگ سمجھا اور میدانِ جنگ ہی میں لڑتے لڑتے جان دے دی۔ اس کی موت کے بعد اس کا لشکر تتر بتر ہو گیا اور بابر کو مکمل فتح حاصل ہوئی۔

مورخین نے میدانِ جنگ کا ایک واقعہ لکھا ہے وہ لکھتے ہیں کہ جب بابر اور

Marfat.com

ابراہیم لودھی کی فوجوں نے ایک دوسرے پر حملہ کیا تو بابر نے واضح طور پر سمجھ لیا کہ ابراہیم کی جنگی طاقت اُس کی طاقت کے مقابلہ میں کئی گنا زائد ہے اور اُس کا فتحیاب ہونا محال ہے۔ بابر اس سے قبل شراب نوشی کا عادی تھا۔ اُس نے عین میدانِ جنگ میں سجدے میں گر کر اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کی کہ اُسے اس جنگ میں کامیابی حاصل ہوتی تو وہ زندگی بھر شراب کو ہاتھ تک نہیں لگائے گا۔ اللہ تعالےٰ نے بابر کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور وہ جنگ میں کامیاب رہا۔

اس عظیم فتح سے بابر کے حوصلے بلند ہو گئے اور وہ سارے ہندوستان پر قبضہ کرنے کے منصوبے ترتیب دینے لگا۔ دراصل ابراہیم لودھی کہلاتا تو ہندوستان کا بادشاہ تھا لیکن عملی لحاظ سے اُس کی حکومت محض دلی اور آگرے تک محدود تھی۔ باقی سارا ملک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم تھا۔ بابر نے دہلی پر قبضہ کے بعد تخت وتاج سنبھال لئے اور اس کے فوراً بعد اپنے مقبوضہ علاقوں میں امن وامان قائم کرنے کی کوشش کی۔ وہ رعایا کے ساتھ بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ پیش آیا۔ نتیجہ میں اُسے ہر محاذ پر کامیابی حاصل ہوئی اور رعایا اُسے خلوصِ دل سے پسند کرنے لگی۔

ابھی بابر کو چین سے بیٹھنا بھی نصیب نہ ہوا تھا کہ اُس کے بعض سرداروں نے اُس کے خلاف بغاوت کر دی۔ قائم خاں نامی سردار نے حصار اور سنبھل کے سارے علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ نظام خان نے علاقہ بیانہ پر قبضہ کر لیا تو راجہ حسن خاں نے میوات میں اقتدار حاصل کر لیا۔ علاوہ ازیں دوسرے متعدد سرداروں نے مختلف علاقوں میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکا دی۔ اس دوران موسم گرما آ گیا اور دلی اور آگرے میں شدید گرمی پڑنے لگی۔ بابر کی فوج اس گرمی کی عادی نہ تھی۔ نتیجہ میں سینکڑوں سپاہیوں کی لُو لگنے سے موت ہو گئی اور سینکڑوں شدید بیمار پڑ گئے۔ باقی بچنے والے سپاہیوں نے ہمت ہار دی اور وطن واپس جانے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ بابر سخت حیران تھا کہ وہ اس صورتِ احوال کو کس طرح سنبھالے۔ فوج بزدلی کا شکار ہو چکی تھی

اور سارے سپاہی واپس لوٹنے کا پروگرام بنا چکے تھے۔ بابر نے خیال کیا کہ اگر سپاہی واپس وطن لوٹ گئے تو سارے کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔ اُس نے اپنی فوج کے سارے سرداروں کو جمع کر کے اُن کے سامنے ایک ایسی جوش سے بھری ہوئی جذباتی تقریر کی کہ تمام سپاہیوں نے وطن واپس جانے کا پروگرام ختم کر دیا اور یہ وعدہ کیا کہ وہ ہر صورت میں بابر کا ساتھ دیں گے۔ سرداروں کے اس وعدے سے بابر کی پریشانی دُور ہو گئی اور وہ اطمینان و سکون سے اپنے معاملات کو درست کرنے میں محو ہو گیا۔ اُس نے سب سے پہلے سارے باغیوں کی سرکوبی کی۔ اس کے بعد وہ دوسرے علاقوں کو فتح کرنے کی طرف متوجہ ہوا۔ اُس نے اپنی بھرپور کوششوں سے جلد ہی گوالیار، حصار، میوات، بنگال اور بہار کو فتح کر کے اپنی مملکت میں شامل کر لیا۔

بابر کو اپنی زندگی کا ایک دن بھی چین سے گزارنے کا موقع نہ ملا۔ اُس نے اپنی ساری زندگی میدانِ جنگ میں گزار دی۔ بابر کے چار بیٹے تھے۔ ہمایوں، کامران، ہندال اور عسکری۔ ان چاروں میں سے اس وقت اس کے ہمراہ جو ہندوستان آیا تھا وہ ہمایوں تھا۔ بابر بھی ہمایوں کو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ محبت کرتا تھا۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ ایک بار شہزادہ ہمایوں شدید بیمار ہوا اور اُس کی زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ سارے حکیموں نے اس کی زندگی کی طرف سے مایوسی کا اظہار کیا تو بابر فقراء اور صوفیاء کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہمایوں کی زندگی کی دعا کرنے کی التجا کی۔ خدا کے ان فقیروں نے بابر سے کہا کہ تمہیں جو چیز سب سے زیادہ پیاری ہے۔ وہ ہمایوں کے سر کا صدقہ دے دو۔ گو بابر سمجھتا تھا کہ خدا کے ان دوستوں نے مال و دولت صدقہ دینے کے لیے کہا ہے۔ مگر وہ اپنے بیٹے ہمایوں کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز سمجھتا تھا اس لیے وہ مال و دولت کا صدقہ دینے کی بجائے اپنی جان اپنے بیٹے پر نثار کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ وہ ہمایوں کی چارپائی کے گرد تین بار پھرا اور اُس نے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ دُعا مانگی۔

"اے پاک پروردگار ہمایوں کو صحت عطا فرما اور اُس کی بیماری مجھے بخش دے۔"

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے بابر کی دُعا منظور فرمالی اور اُس روز سے بابر تو صاحب فراش ہوگیا اور ہمایوں صحت مند ہونے لگا۔ لواحقین نے بابر کی صحت یابی کے لیے امکانی بھر کوشش کیں لیکن ان کی ساری سعی ناکام ثابت ہوئی اور ۲۵ دسمبر ۱۵۳۰ کو بعمر پچاس برس بابر وفات پاگیا۔ وصیت کے مطابق اُس کی لاش آگرے سے کابل لے جاکر دفن کردی گئی۔ جس پر اُس کے پڑپوتے جہانگیر نے ایک بے نظیر شاندار مقبرہ تعمیر کرادیا۔ اس مقبرے کا شمار دنیا کی چند بہترین عمارتوں میں کیا جاتا ہے۔

بابر بڑا شجاع انسان تھا۔ بچپن سے بڑھاپے تک تلوار ہاتھ میں لیے رہا اور بڑی بڑی آفات کا مقابلہ کر کے ایک کامیاب انسان کی حیثیت سے مرا۔ اس نے اپنی زندگی کے حالات اپنی خود نوشت سوانح بنام "تزکِ بابری" میں لکھے ہیں۔ اس کی سوانح عمری کابل کی دلچسپ تاریخ اور جغرافیہ کی حیثیت سے بھی معروف ہے اور اس میں سارے چرند پرند اور پودوں کے حالات بھی درج ہیں۔ بابر کی طبیعت اجتماع ضدین کا مجموعہ تھی۔ وہ جہاں نہایت غصہ ور تھا وہاں انتہائی رحم دل بھی تھا۔ وہ اپنی جان کے دشمنوں پہ قابو پانے کے بعد انہیں معاف کر دیا کرتا تھا اور پھر کبھی اُن کے خلاف دل میں انتقامی جذبات کو جگہ نہ دیتا تھا۔ ایک بار ابراہیم لودھی کی ماں نے اُسے کھانے میں زہر ملا کر دیا تو بابر کو فی الفور پتہ چل گیا مگر اُس نے بڑھیا کے اس گناہ کا نوٹس تک نہ لیا اور بڑی فراخدلی کا ثبوت دیتے ہوئے اُسے معاف کردیا۔

بابر ایک بہادر فاتح ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نہایت رعایا دوست مدبر بادشاہ بھی تھا۔ اگر اُس کی زندگی وفا کرتی تو لازماً وہ اپنی رعایا کی فلاح وبہبود اور ملک کی تعمیر و ترقی کے لیے ایسے درخشاں کارنامے سرانجام دے جاتا کہ دُنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر رہتی۔ اپنی تھوڑی سی مدتِ حکمرانی میں اُس نے اپنی رعایا کی فلاح وبہبود کے لیے بیسیوں مفید کام کیے۔ اُس نے باغات لگوائے، نہریں جاری کیں، تالاب بنوائے اور کھیتی باڑی کو فروغ دینے کی بھرپور کوشش کی۔ وہ ایک غیر متعصب بادشاہ تھا جو اپنی رعایا میں ہندو مسلم، عیسائی اور یہودی کی تمیز روا نہ رکھتا تھا اور سبھی کو ایک نظر سے دیکھتا۔ مورخوں نے اُس کے بیسیوں ایسے واقعات کا ذکر کیا ہے جس سے اُس کی بہادری اور غیر متعصبی کا اظہار ہوتا ہے۔

Marfat.com

ابوالمظفر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر

ہندوستان کا یہ بادشاہ تاریخِ ہند میں منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ یوں تو وہ بادشاہ تھا۔ تاج پہن کر تخت پر بیٹھا تھا مگر اس کی عادتیں ایک معمولی آدمی کی تھیں۔ وہ سرکاری خزانے سے ایک پیسہ تک خود پر خرچ کرنے کو حرام سمجھتا تھا۔ اس کی گزر بسر قرآن مجید کی کتابت اور اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی ٹوپیوں کے معاوضہ پر ہوتی تھی۔ وہ دن رات محنت کرتا تھا۔ اس کے گھر میں نہ کوئی لونڈی تھی اور نہ کوئی غلام۔ اس کی بیوی کو گھر کا سارا کام کاج خود کرنا پڑتا تھا۔ اس نے نہ تو دوسرے حکمرانوں کی طرح کوئی نشیلی چیز استعمال کی تھی اور نہ کبھی کھیل تماشوں میں حصہ لیا تھا۔ وہ اپنے صوبہ داروں کو اپنے ہاتھ سے خطوط لکھا کرتا تھا اور تلقین کیا کرتا تھا کہ وہ رعایا سے نرمی سے پیش آیا کریں۔ کیونکہ رعایا بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے۔ اگر انہوں نے رعایا پر ظلم و ستم ڈھائے تو روزِ محشر اللہ تعالیٰ ان سے باز پرس کرے گا۔

اس نے نہ تو کوئی زنجیرِ عدل لٹکا رکھی تھی اور نہ جھروکے میں بیٹھ کر رعایا سے کبھی باتیں کی تھیں مگر اس کے عہدِ حکومت میں رعایا کو جو عدل و انصاف مہیا تھا۔ اس کی مثال کسی زمانے کے حکمران کے عہدِ حکومت میں نہیں ملتی۔ ملک کے کسی بھی دُور دراز حصہ میں رعایا کے کسی فرد کے ساتھ زیادتی ہوتی۔ اُسے فوراً اس کی خبر مل جاتی اور پھر وہ خود اس کا بدلہ لینے کے لیے پہنچتا۔ اس کے دروازے ہر فریادی کے لیے ہر وقت کھُلے ہوئے تھے اور وہ عدل و انصاف کے سلسلے میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت کی پرواہ نہ کرتا تھا۔ اور نہ کسی کے ساتھ رو رعایت سے کام لیتا تھا۔

Marfat.com

ایک بار اُس کے بیٹے مرزا کام بخش کے کوکا پر قتل کا الزام عائد کیا گیا۔ گو اُسے اپنے بیٹے کام بخش سے بڑی محبت تھی لیکن اُس نے کسی قسم کی رو رعایت کئے بغیر اپنے بیٹے کے کوکا پر عائد کردہ الزام کی تحقیق کا حکم جاری کر دیا۔ مرزا کام بخش کو اطلاع ملی تو اُس نے تحقیق کرنے والے افسروں کو ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا۔ اس کی خبر اُسے ہوئی تو اُس نے شہزادے کو دربار میں طلب کر کے اپنے وزراء کو حکم دیا کہ شہزادے کو بھی اُس کے کوکا کے ساتھ جیل خانے میں بند کر دیا جائے۔

اُسے رقص و سرود اور لہو و لعب سے انتہائی نفرت تھی۔ پہلے بادشاہوں نے جن میراثی اور بھانڈ خاندانوں کو شاہی دربار میں ملازم رکھ چھوڑا تھا۔ اُس نے اُن سب کو ملازمت سے برخواست کر کے دربار سے نکلوا دیا اور سارے ملک میں رقص و سرود کی سخت ممانعت کر دی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک روز میراثیوں نے اکٹھے ہو کر ایک جنازہ تیار کیا اور ماتم کرتے ہوئے اس کے محل کے نیچے سے گزرے۔ اُس نے کثیر تعداد لوگوں کی آہ و فغاں سُن کر دریافت کیا۔

"یہ کس کی وفات ہوئی ہے۔ جس پر اس قدر ماتم کیا جا رہا ہے"۔

بھانڈوں نے جواب میں عرض کی۔

"حضور بادشاہ سلامت یہ موسیقی کا جنازہ ہے"۔

یہ سُن کر وہ ہنسا اور بولا۔

"پھر تو اسے کسی ایسی جگہ گہرائی میں دفن کرنا کہ اس کے دوبارہ زندہ ہونے کا کوئی امکان باقی نہ رہے"۔

میراثی اور بھانڈ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ اُس نے میراثیوں و بھانڈوں کو دی جانے والی بھاری تنخواہوں کو بیواؤں کے نام جاری کر دیا اور یتیم بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے بلیسیوں مدرسے بھی جاری کئے اور اُن کی گزر بسر کے لئے وظائف بھی مقرر کر دیئے۔

اس کے عہدِ حکومت سے قبل لوگ بادشاہوں کو اس قدر جھک کر سلام کیا کرتے

Marfat.com

سے تھے کہ اُن کے سلام پر سجدہ کا گمان گزرتا تھا۔ مگر اس دیندار انسان نے سلام کے اس طریقہ کو موقوف کر دیا اور احکامات جاری کیے کہ آئندہ کوئی شخص اپنی کمر کو خم کر کے اُسے سلام نہ کیا کرے کیونکہ میں بادشاہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خاکی انسان ہوں اور انسان کو سجدہ کرنا حرام ہے۔

پہلے بادشاہوں کے دورِ اقتدار میں نذرانوں کا رواج شباب پر تھا۔ اُس نے اس رواج کو بھی موقوف کر دیا اور کہا کہ نذرانے اس قسم کی رشوت ہے جو صاحبِ اقتدار لوگوں کو دی جاتی ہے۔

مغلیہ خاندان کے اس نیک اطوار اور صوفی منش شخص کا نام محی الدین اور لقب اورنگ زیب تھا۔ اُس کے والد شاہجہان بادشاہ نے اُسے عالمگیر کا خطاب دے رکھا تھا۔ ہندوستان کی جنوبی سمت دکن کے قریب ایک علاقہ بنام مالوہ ہے۔ اسی علاقے کے ایک قصبے "دوحد" نامی میں اورنگ زیب پیدا ہوا تھا۔ یہ شاہجہاں کا تیسرا بیٹا تھا۔ جو شاہجہاں کی چہیتی بیوی ارجمند بانو کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ یہ ارجمند بانو وہی ملکہ ممتاز محل ہے۔ جس کی آخری آرام گاہ کا نام تاج محل ہے۔ جس کا شمار عجائباتِ عالم میں ہوتا ہے۔ اورنگ زیب پیدا ہوا تو اُس وقت ہندوستان کا بادشاہ جہانگیر تھا جس نے اپنے بیٹے شاہجہاں کو دکن کا صوبے دار مقرر کر رکھا تھا۔

بادشاہ جہانگیر کی وفات کے بعد شاہجہاں تخت نشین ہوا تو اس وقت اورنگ زیب آٹھ برس کا ایک لڑکا تھا۔ لیکن اُسے ابتدا ہی سے نہایت ذہین و فہیم لوگوں کی صحبت میسر آئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے بڑے تھوڑے عرصے میں سارے علوم و فنون میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ مغل شہزادوں میں یہ پہلا شہزادہ تھا جو حافظ قرآن تھا اور مذہبی علوم و فنون میں خلوص دلی سے دلچسپی لیتا تھا۔ علاوہ ازیں اُس نے اُس زمانے کے دستور کے تحت گھڑ سواری، تیر اندازی اور شمشیر زنی کے ساتھ ساتھ دوسرے سپاہیانہ فنون میں بھی بھرپور مہارت حاصل کی تھی۔

Marfat.com

مورخ لکھتے ہیں کہ اورنگ زیب اپنے بچپن ہی سے بڑا شجاع، بہادر اور نڈر انسان تھا۔ بچپن میں اس سے ایسے کارنامے سرزد ہوجاتے تھے کہ بڑے بڑے بہادر اس کی بے خوفی کو سراہنے پر مجبور ہوجاتے تھے۔ ایک بار اس کا والد شاہجہاں مست ہاتھیوں کی لڑائی دیکھنے میں محو تھا اور اس کے ساتھ دوسرے وزراء وامراء کے علاوہ اورنگ زیب بھی اس جگہ موجود تھا۔ اچانک ایک ہاتھی نے غضب ناک ہو کر اورنگ زیب کی طرف بڑھنا شروع کردیا۔ مگر اورنگ زیب ذرا بھی ہراساں نہ ہوا اور اپنی جگہ سے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹا۔ ہاتھی اس کے قریب آیا تو اورنگ زیب نے نیزے سے وار کیا جو نشانے پر بیٹھا اور ہاتھی کی غضبناکی کی انتہا نہ رہی۔ اس نے غصّہ سے جھلا کر اورنگ زیب کے گھوڑے کو اپنی سونڈ میں لپیٹ لیا۔ اورنگ زیب نے پھرتی سے گھوڑے سے چھلانگ لگادی اور اپنی تلوار کا ایک ایسا زبردست وار کیا کہ ہاتھی کی سونڈ کٹ کر دور جا گری اور زخمی ہاتھی چیخیں مارتا ہوا انتہائی برق رفتاری سے بھاگ نکلا۔

شاہجہاں نے اورنگ زیب کو بعمر سترہ برس دکن کا صوبے دار مقرر کر دیا۔ ان ایام میں دکن بغاوتوں اور شورشوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا اور باغیوں اور مفسدوں نے صوبے کے انتظام کو درہم برہم کرنے میں کامیابی حاصل کر رکھی تھی۔ اورنگ زیب نے دکن پہنچ کر سب سے پہلے باغیوں کی سرکوبی کی اور پھر کئی نئے علاقوں پر فوج کشی کر کے انہیں فتح کر لیا اور اس کے بعد ہر علاقے میں امن وامان قائم کیا۔ بادشاہ شاہجہاں نے اس کی ان کامیابیوں کے پیش نظر اُسے پنج ہزاری کا منصب بھی عطا کیا اور ساتھ ہی گجرات کا صوبیداربھی بنادیا۔ اس صوبے کے حالات بھی دگرگوں تھے اور یہاں نئے نئے فتنے سر اُٹھا رہے تھے۔ باغیوں نے صوبے کے نظم ونسق کو تباہ وبرباد کر رکھا تھا۔ اوّل درجے کے منتظم اور بہادر وشجاع اورنگ زیب نے گجرات پہنچتے ہی اپنی بہترین صلاحیتوں سے کام لیا اور بڑی شجاعت اور عقلمندی سے باغیوں کی سرکوبی کی اور قلیل عرصہ

Marfat.com

میں گجرات کے صوبہ کو باغیوں اور فسادیوں سے بالکل صاف کر دیا۔

افغانستان کی سرحد کے قریب بلخ نامی ایک شہر واقع ہے جس پر اُس زمانے میں ترکوں کے ایک قبیلے ازبک نے قبضہ کر رکھا تھا۔ ازبک ارد گرد کے علاقوں پر حملے کر کے لُوٹ مار کیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کو چھاپہ مار جنگ میں مہارت حاصل تھی اور وہ ہمیشہ چھاپہ مار جنگ لڑا کرتے تھے۔ کھُلے میدان میں آنے سے گھبراتے تھے۔ اس لیے شاہی فوج ان کے مقابلے میں ہمیشہ ناکام رہتی تھی۔ آخرکار شاہجہاں نے ان کی شرارتوں سے تنگ آکر اورنگ زیب کو ان کی گوشمالی کے لیے بھیجا۔ اورنگ زیب کے ساتھ جو فوج تھی وہ ازبکسوں کی فوج کے مقابلہ میں نہایت قلیل تھی۔ لیکن اورنگ زیب دشمن کی کثیر فوج کو خاطر میں نہ لایا اور بلا خوف و خطر آگے بڑھتا رہا۔ ازبکوں کے سردار عبدالعزیز خاں نے مغل شہزادے کی مختصر فوج کو دیکھا تو ایک بھاری لشکر لے کر کھُلے میدان میں خیمہ زن ہوا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ حریف کی مختصر فوج کو مار بھگائے گا۔ ابھی جنگ کا آغاز نہ ہوا تھا کہ نماز ظہر کا وقت ہو گیا۔ اورنگ زیب پورے اطمینان و سکون سے گھوڑے سے اترا، صف بندی کی اور شہزادے کی ساری فوج نماز کی ادائیگی میں مصروف ہو گئی۔ عبدالعزیز نے شہزادے اورنگ زیب کی یہ دینداری تقوا اور خدا پر مکمل بھروسہ دیکھا تو وہ بے حد متاثر ہوا۔ اُس نے فی الفور جنگ سے ہاتھ اٹھالیا اور کہا۔

"ایسے شخص سے جنگ تقدیر سے جنگ کرنے کے مترادف ہے"۔

چنانچہ عبدالعزیز نے اطاعت قبول کر لی اور دونوں میں صلح ہو گئی۔ اورنگ زیب واپس لوٹ آیا۔

شاہجہاں کے چار بیٹے تھے۔ داراشکوہ، شاہ شجاع، مراد بخش، اور اورنگ زیب۔ داراشکوہ ہمیشہ شاہجہان کے ہمراہ رہتا تھا۔ اس سے بادشاہ کو بڑا پیار تھا۔ شاہ شجاع کو بنگال اور مراد بخش کو گجرات کی صوبہ داری عطا ہوئی تھی مگر یہ تینوں بھائی بڑے مسُست الوجود، عیش پرست اور کام چور تھے۔ اورنگ زیب کی جنگوں میں کامیابیوں سے دل ہی دل میں اورنگ زیب کے شدید مخالف تھے۔

Marfat.com

اورنگ زیب ابھی بلخ سے لوٹا ہی تھا کہ دکن سے دوبارہ شورشوں کی خبر ملی۔ اس لئے اُسے ایک بار پھر دکن جانا پڑا۔ اورنگ زیب دکن ہی میں تھا۔ جب اُسے شاہجہان کی بیماری کی خبر ہوئی اور یہ بھی پتہ چلا کہ داراشکوہ نے حکومت سنبھال لی ہے۔ شاہ شجاع نے باپ کی بیماری اور بڑے بھائی کی حکمرانی کا سُنا تو بنگال میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور ایک بڑے لشکر کے ساتھ آگرے کی راہ لی۔ اورنگ زیب ابھی تک دکن میں بیٹھا حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔ لیکن جب اُسے یہ خبر موصول ہوئی کہ حالات نے بہت نازک صورت اختیار کر لی ہے اور ملک کا انتظام بگڑ رہا ہے تو اُس نے مراد بخش کو اپنے ساتھ ملا کر آگرے کا رُخ کیا۔ اجین کے مقام پر داراشکوہ کی فوج نے اُسے روکا۔ لیکن اورنگ زیب نے اُسے شکست دے کر بھگا دیا۔

اس جنگ سے فراغت حاصل کر کے اُس نے اپنے والد شاہجہان کو ایک خط میں لکھا کہ اُس نے جو کچھ کیا ہے۔ بڑی مجبوری کی حالت میں کیا ہے اور وہ اپنی اس حرکت کی معافی مانگتا ہے اور آپ سے ملاقات کا متمنی ہے۔ شاہجہاں نے اُسے اس کی فتح یابی پر مبارکباد کا پیغام بھیج کر کہا کہ وہ بھی اورنگ زیب سے ملاقات کے لیے بے تاب ہے۔ ایک طرف تو شاہجہاں نے اورنگ زیب کو مطمئن کرنے کے لیے یہ پیغام بھیجا اور دوسری طرف داراشکوہ کی اس سازش میں شریک ہو گیا کہ جونہی اورنگ زیب ملاقات کے لیے قلعہ میں داخل ہو اُسے گرفتار کر کے جیل خانے میں بند کر دیا جائے۔ اورنگ زیب کا مقدر اچھا تھا کہ اُسے عین موقع پر اس سازش کی خبر ہو گئی اور اُس نے اپنی جگہ اپنے بیٹے محمود سلطان کو قلعے میں بھیجا اور ساتھ ہی اپنی بادشاہت کا بھی اعلان کر دیا۔

اورنگ زیب کے اس اعلان بادشاہی سے مراد بخش کو سخت غصہ آیا اور اُس نے وہ معاہدہ ختم کر دیا جو اورنگ زیب کے ساتھ کر رکھا تھا۔ مجبوراً اورنگ زیب کو اُسے گرفتار کر کے نظر بند کرنا پڑا۔ اس کے بعد اُس نے دارا کی خبر لینی شروع کی۔ داراشکوہ اورنگ زیب سے شکست کھا کر بھاگا تو سندھ آ گیا۔ اورنگ زیب

Marfat.com

کی فوج اُس کے تعاقب میں سندھ پہنچی تو دارا شکوہ گجرات کی طرف راہِ فرار اختیار کر گیا۔ جو اُسے بڑی مہنگی پڑی کیونکہ ملک جیون نامی ایک سردار نے اُسے گرفتار کر کے قتل کر ڈالا۔ شاہ شجاع کو اپنے دو بھائیوں کے اس انجام کی خبر ہوئی تو وہ ڈر کر ایسا گُم ہوا کہ پھر اس کا پتہ نہ چلا کہ کہاں گیا۔ اپنے باغی بھائیوں سے نجات کے بعد اورنگ زیب نے مطمئن ہو کر "ابوالمظفر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر" کا لقب اختیار کیا اور بڑے آرام و سکون سے تخت پر بیٹھ کر اپنا سکہ چلایا۔

شاہجہاں کو اپنی باقی زندگی ایک نظر بند کی حیثیت سے آگرہ کے قلعہ میں گزارنی پڑی تھی۔ جہاں اُس کی بڑی بیٹی جہاں آرا، نے اُس کے ہمراہ رہ کر زندگی بھر اُس کی خدمت کی تھی۔ مورخ لکھتے ہیں کہ دارا شکوہ کو لاہور سے بڑی محبت تھی اور اُسے یقین تھا کہ آڑے وقت میں لاہور کے باشندے اُس کے پسینہ کی جگہ اپنا خون بہا دیں گے لیکن اورنگ زیب سے شکست کھا کر سندھ جانے سے قبل دارا شکوہ لاہور آیا تھا تو اہل لاہور نے اُس کی عملی حمایت تو بڑی دُور کی بات ہے۔ اُس سے زبانی ہمدردی تک نہ کی تھی جس سے دارا کا دل ٹوٹ گیا تھا اور اُسے مجبوراً سندھ کی راہ لینی پڑی تھی۔ مورخ یہ بھی لکھتے ہیں کہ دارا شکوہ پر ہندوازم کا بڑا اثر تھا اگر وہ کامیاب ہو جاتا تو ہندوازم کے حق میں تو بہتر ہوتا لیکن اسلامی قدروں کو یقیناً ضعف پہنچتا۔ اللہ تعالیٰ کو چونکہ ابھی مسلمانوں کو ذلیل کرنا مطلوب نہیں تھا۔ اس لیے اورنگ زیب کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک موقع مزید دیا تھا کہ وہ خود کو اسلام کے سانچے میں ڈھال سکیں۔ اور سچے مسلمان بن جائیں۔

اورنگ زیب نے اکاون سال اور ایک ماہ حکومت کی تھی۔ اس مدت میں سے اٹھائیس ۲۸ برس اورنگ زیب جنگوں میں مصروف رہا تھا۔ اُس کی حکومت ایک طرف تو کابل تا بنگال و آسام پھیلی ہوئی تھی اور دوسری طرف دکن اور راس کماری تک اس کی حکمرانی کے علاقے تھے۔ تیسری طرف اُس کی سلطنت کی حدیں سندھ اور بلوچستان تک پھیلی ہوئی تھیں۔

مورخوں نے لکھا ہے کہ جب اورنگ زیب نے محسوس کیا کہ اُس کا وقتِ آخر ہے تو اُس نے

Marfat.com

اپنے کفن کے لیے چار روپے دو آنے کی رقم اپنے لواحقین کے سپرد کی تھی۔ اُس نے یہ رقم اپنے ہاتھ سے ٹوپیاں بنا کر فروخت کرنے کے بعد جمع کی تھی۔ اورنگ زیب کی وصیّت کے مطابق اُس کی قبر بالکل سیدھی سادی اور خام بنوائی گئی تھی۔

شیر شاہ سوری

شیر شاہ سوری ایک انتہائی دانا، رحم دل اور بہادر انسان تھا۔ سُوری خاندان کے اس بانی کا اپنی عظیم الشان فتوحات، بہترین حکومتی انتظامات اور ملک میں امن وامان کی قائمی کے لحاظ سے ہندوستان کے نامور بادشاہوں میں شمار ہوتا ہے۔ گو اسے ہندوستان میں محض چند برس حکومت کرنے کا موقع ملا تھا۔ مگر اس نے اس قلیل مدت میں بھی وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے کہ مورخ اسے دانا اور بہادر بادشاہوں میں شمار کرنے پر مجبور رہے ہے۔

شیر شاہ سوری کے دادا ابراہیم خاں اپنے بیٹے حسن خان کے ساتھ جب ہندوستان آئے تو یہاں بہلول لودھی کی حکومت تھی۔ شیر شاہ کی پیدائش پنجاب میں ہوئی۔ والدین نے اپنے بیٹے کا نام فرید خان رکھا تھا۔ حسن خان کو اُس کی بہترین جنگی خدمات کے باعث بہار میں ایک جاگیر دے دی گئی اور وہ فی الفور اپنے اہل وعیال کے ساتھ بہار چلا گیا۔

اوّل تو حسن خان انتہائی جذباتی اور بدمزاج انسان تھا۔ دوسرے فرید خان کی سوتیلی ماں اس کے خلاف حسن خان کو بھڑکاتی رہتی تھی۔ نتیجہ میں جب فرید خاں کی عمر پندرہ برس کے قریب ہوئی تو اُسے والدین کی سختیوں نے راہ فرار پر مجبور کر دیا اور وہ نواب جونپور کی ملازمت میں چلا گیا۔ نواب جونپور نے اس پندرہ سالہ لڑکے کو بہترین صلاحیتوں سے بھرپور دیکھا تو فوراً اس کا سرپرست بن گیا اور اس کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی۔ فرید خان تعلیم کا شیدا تھا۔ اس لیے چند ہی برس میں محض اپنے ذوق وشوق کی بدولت عربی اور فارسی کی تعلیم مکمل کرنے

Marfat.com

میں کامیاب ہوگیا۔

چند روز بعد حسن خان، نواب جونپور سے ملاقات کے لیے جونپور پہنچا تو اپنے بیٹے کی صلاحیتوں اور دربار میں اثر ورسوخ دیکھ کر سخت متعجب اور خوش وخرم ہوا۔ اُس نے اپنے بیٹے کے ساتھ بڑی محبت وشفقت کا سلوک کیا اور اُسے مجبور کر کے اپنے ہمراہ گھر لانے میں کامیاب رہا۔ حسن خان نے بہار میں اپنی ساری جاگیر کے انتظامات اپنے بیٹے کے سپرد کر دیئے۔ فرید خاں نے جاگیر کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیتے ہی جاگیر کے نظم ونسق کی خرابیوں کو دُور کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ اُسے جلد ہی پتہ چل گیا کہ جاگیر کے تقریباً سبھی سپاہی، پٹواری، اور زمیندار ظالم بد دیانت اور رشوت خور ہیں اور سارے کاشت کاروں پر ظلم وستم ڈھا رہے ہیں۔ فرید خان نے ان سب سے الگ الگ گفتگو کرتے ہوئے ان کے ذہن نشین کیا کہ رعایا پر ظلم وستم حاکموں کو تباہ وبرباد کرنے کے مترادف ہے۔ ظلم رعایا کے لیے زہر قاتل ہے اور یہ ملک کی تعمیر وترقی کی راہ میں بھی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس لئے انہیں چاہیئے کہ انصاف، محبت اور نرمی سے کام لیں۔ فرید خان اپنے اہل کاروں کو یہ حکم دے کر خود اُن کی نگرانی کرنے لگا۔ جلد ہی فرید خان کی دوڑ دھوپ کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ جاگیر سے دوگنا آمدنی ہونے لگی اور رعایا و کاشتکار بھی خوشحال ہوگئے اور اچھے انتظامات پر اپنے مالک کو سراہنے کے ساتھ ساتھ جان ومال کی دعائیں بھی دینے لگے۔ مگر اس مرحلہ پر بھی سوتیلی ماں چین سے نہ بیٹھی اور حسن خان کے کان بھرتی رہی۔ نتیجہ میں حسن خان ایک بار پھر فرید خان سے بدظن ہوگیا اور اُس نے اپنے بیٹے کو دوبارہ گھر سے نکال دیا۔

فرید خاں کو اللہ تعالیٰ نے عقل وفہم اور شجاعت و دلیری سے نواز رکھا تھا وہ گھر سے نکل کر سیدھا بہار کے بادشاہ کے پاس پہنچا اور جلد ہی بادشاہ بہار نے اُس کی بہترین صلاحیتوں کے باعث اُسے اپنے خاص درباریوں میں جگہ دے دی۔ ایک روز فرید خان بادشاہ کے ساتھ شکار پارٹی میں شامل شکار کھیل رہا تھا کہ

Marfat.com

اچانک ایک جھاڑی سے ایک بپھرے ہوئے شیر نے نکل کر بادشاہ پر حملہ کی نیت کی۔ اس موقع پر فرید خان تلوار سونت کر آگے آیا اور ایک ہی وار میں شیر کے دو ٹکڑے کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ بادشاہ نے فرید خان کی جرأت اور بہادری کو بیحد سراہا اور خوشی کے عالم میں فرید خان کو "شیر خان" کے خطاب سے نوازا۔

شیر خان نے کچھ روز تو بہار میں قیام کیا۔ پھر بہار سے لوٹ کر بادشاہ بابر کے ایک سردار جنید برلاس کی ملازمت اختیار کر لی۔ اس ملازمت کے دوران اُسے مغلوں کے طور طریقوں کا گہرا مطالعہ کرنے کا موقع ملا تو وہ اپنے احباب سے کہنے لگا کہ مغل عیش و عشرت کے شیدا ہیں اور اپنی سستی کے تحت آج کا کام کل پر ٹالنے کے عادی ہو چکے ہیں، اگر پٹھان میرے ساتھ تعاون کریں تو میں بآسانی مغلوں کو مجبور کر سکتا ہوں کہ ہندوستان سے چلے جائیں۔

ایک روز بابر نے اپنے سرداروں کی دعوت کی تو جنید برلاس کے ہمراہ فرید خان نے بھی اس میں شرکت کی۔ کھانے کے دوران کسی چیز کو کاٹنے کے لیے چھری کی ضرورت محسوس کی گئی۔ دوسرے مہمان تو ہاتھ روک کر چھری کے منتظر رہے، لیکن شیر خان نے اپنی تلوار نکالی اور وہ چیز کاٹ کر مزے سے کھانے لگا۔ بابر جو سارے مدعوئین کا جائزہ لے رہا تھا۔ شیر خان کی اس حرکت کو دیکھتے ہی گھبرا کر جنید برلاس سے ترکی زبان میں بولا۔

"مجھے اس پٹھان کے تیور اچھے نظر نہیں آتے، میں چاہتا ہوں کہ اُسے قید کر دیا جائے"۔

یہ سُن کر جنید برلاس نے بابر کو سمجھا بُجھا کر بڑی مشکل سے شیر خان کو حوالہ زنداں ہونے سے بچا لیا۔ گو شیر خان ترکی زبان سے بالکل ناواقف تھا۔ لیکن وہ بابر کی گھبراہٹ اور تیز نظروں سے سمجھ گیا کہ بابر اُسے برداشت نہیں کرے گا، اس لئے وہ بابر کے دربار میں رہ کر اپنی جان کے ساتھ دشمنی کرے گا۔ شیر خان نے اُسی رات فرار ہو کر بہار کی راہ لی۔

شیر خان نے بہار پہنچ کر جلد ہی بہار کے انتظامی معاملات میں عمل دخل

Marfat.com

حاصل کر لیا۔ حتیٰ کہ ہر شعبہ میں اس کی رائے کو فوقیت حاصل ہو گئی اور سارے کام اس کے صلاح مشورہ سے ہونے لگے۔ شیر خاں کی مساعی کا آخر یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ سلطان بہار کی موت کے بعد شیر خاں نے بہار کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ مرحوم سلطان کے فرزند جلال خان نے شاہ بنگال نصرت شاہ سے مدد مانگی۔ نصرت شاہ جلال خان کی مدد کے لیے شیر خاں کے ساتھ جنگ آزما ہوا تو شیر خان نے اُسے شکست فاش دے کر بنگال کو بھی اپنے قبضہ میں لے لیا اور بنگال و بہار کے خود مختار بادشاہ کی حیثیت سے حکومت کرنے لگا۔ اس دوران بادشاہ بابر کا انتقال ہو چکا تھا اور دہلی و آگرہ کی بادشاہت اُس کے بیٹے ہمایوں کو ملی تھی۔ بہار اور بنگال پر اچھی طرح اپنی گرفت مضبوط کرنے کے بعد شیر خاں نے مغلیہ علاقوں پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ بادشاہ ہمایوں کو پتہ چلا تو اُس نے شیر خان کی سرکوبی کے لیے اپنی فوج کے ساتھ بنگال پر چڑھائی کی۔ لیکن ہمایوں کو دریائے گنگا کے کنارے شیر خان سے پہلی جنگ میں بُری طرح شکست ہو گئی اور وہ بڑی مشکل سے بھاگ کر دہلی پہنچا۔ پورا ایک سال ہمایوں تیاریوں میں مصروف رہا اور ایک سال بعد کثیر لشکر کیساتھ دوبارہ شیر خان پر حملہ آور ہوا۔ لیکن اس بار ہمایوں کو شیر خان ہی کے مقابلہ میں نہ صرف شکست فاش ہی ہوئی بلکہ اُسے دہلی اور آگرہ کی حکومت بھی چھوڑنی پڑی اور وہ بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر ایران کی طرف بھاگا۔ شیر خان نے آگے بڑھ کر نہ صرف دہلی اور آگرہ ہی پر قبضہ کر لیا بلکہ اُسے پنجاب کو بھی اپنی حکومت میں شامل کرنے کا موقع مل گیا۔ پھر اُس نے شیر شاہ کا لقب اختیار کر کے دہلی کے تخت کو رونق بخشی۔ اس کے بعد تین سال کے دوران شیر شاہ نے مالوہ اور مارواڑ کے صوبے فتح کر کے سارے ہندوستان میں اپنی بہادری اور شجاعت کے ڈنکے بجوا دیئے۔

اپنی عمر کے آخری حصہ میں شیر شاہ نے کالنجر پر فوج کشی کی۔ اُس نے قلعہ کالنجر کا محاصرہ کر رکھا تھا کہ ایک گولہ فصیل سے ٹکراتا ہوا بارودی گولوں کے ایک ڈھیر میں آگرا۔ سارے گولے یکلخت پھٹے تو قریب ہی کھڑے شیر شاہ کے کپڑوں کو آگ

Marfat.com

لگ گئی اور وہ بے ہوش ہو کر گرا۔ ادھر اُس کی فوج نے قلعہ فتح کر لیا تو اُدھر شیر شاہ نے آنکھیں کھول کر کہا۔

"اللہ تیرا شکر ہے۔"

یہ کہہ کر شیر شاہ نے ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کر لیں اور اپنا نام نیک نام بادشاہوں کی صفِ اوّل میں چھوڑ گیا۔

شیر شاہ کو صرف پانچ برس ہندوستان پر حکومت کرنے کا موقع ملا تھا اور ان پانچ برسوں کے دوران بھی اُس کے وقت کا بیشتر حصہ جنگوں میں گزرا تھا۔ لیکن اس صورتِ احوال کے باوجود اُس نے رفاہِ عامہ کے ایسے ایسے کام کیے تھے کہ سارے مورخ اُس کا نام عزت و احترام سے لینے پر مجبور ہیں۔ اُسے سارے چھوٹے بڑے کام خود کرنے کی عادت تھی اور اُس نے سارے کاموں کے لیے اوقات مقرر کر رکھے تھے وہ ڈھائی تین بجے رات بیدار ہو کر پہلے تو غسل کرتا پھر تہجد کی نماز اور وظیفہ پڑھنے میں مصروف ہو جاتا۔ اس کے بعد احکامات جاری کرتا۔ اس دوران صبح ہو جاتی تو وہ تازہ وضو سے نمازِ فجر ادا کرتا اور پھر سلسلۂ امورِ سلطنت کے کاموں میں مصروف رہتا حتیٰ کہ شام ہو جاتی۔

اس انصاف پرور اور رعایا دوست بادشاہ نے رشوت خوروں عام چوروں اور بد دیانت اہل کاروں کو ایسی عبرت ناک سزائیں دی تھیں کہ ساری سلطنت میں رشوت اور بد دیانتی ختم ہو گئی تھیں۔ رشوت خور اور بد دیانت اہل کار بھی انتہائی فرض شناس اور نیک بن گئے تھے۔ اسی لئے مورخ شیر شاہ کے دورِ حکومت کو تعمیر و ترقی اور امن کا عہد قرار دیتے ہیں۔ اُس نے سلطنت کو بہت سے پرگنوں میں تقسیم کر کے ہر پرگنے میں حاکم، اہل کار اور پٹواری وغیرہ مقرر کر رکھے تھے۔ کسانوں سے اُن کی نئی پیداوار کے مطابق لگان وصول کیا جاتا تھا۔ اپنے حاکموں کی کڑی نگرانی کرنے کے لیے اُس نے انتہائی ایماندار اور عقلمند افسر مقرر کر رکھے تھے۔ اُس کے عہدِ زریں میں فوجوں اور سارے سرکاری ملازمین کو وقتِ مقررہ

Marfat.com

پر تنخواہیں ملتی تھیں۔ وہ کسی نئے علاقہ کی فتح یابی کی خوشی میں اور سپاہیوں کی بہتر کارکردگی کے بدلہ میں بھی انعامات دیا کرتا تھا۔

شیر شاہ نے تجارت کو فروغ دینے اور مسافروں کو آمدورفت کی سہولتیں فراہم کرنے کے لیے بیسیوں مکمل اور رابطہ سڑکیں تعمیر کرائیں۔ خصوصاً اس کی تعمیر کرائی ہوئی ایک سڑک بنام گرانڈ ٹرنک روڈ" بڑی مشہور ہے۔ یہ کلکتہ سے پشاور تک جاتی ہے۔ اس کے دورویہ سایہ دار درخت لگوائے گئے تھے اور ہر تین میل کے فاصلہ پر ایک مینار اور ایک کنواں اور ہر پڑاؤ پر ایک سرائے اور مسافر خانہ موجود تھے۔ مسافر خانوں میں غریبوں اور محتاجوں کو کھانا مفت مہیا کیا جاتا تھا۔ شیر شاہ نے عوام کے مال وجان کی سلامتی کے لیے ایسا معقول انتظام کر رکھا تھا کہ عوام میں چور اور ڈاکو نام کی کسی شے کے نام تک سے لوگ ناواقف ہو چکے تھے۔ اگر کبھی اتفاقاً کسی علاقہ میں چوری کی کوئی واردات ہو جاتی تو مسروقہ مال وسامان کی قیمت اس علاقہ کے نمبردار کو ادا کرنی پڑتی تھی۔ اگر نمبردار مسروقہ مال اور چوروں کی نشاندہی کر دیتا تھا تو پھر اس کا مال بھی اسے لوٹا دیا جاتا تھا۔

راستے اس قدر محفوظ تھے کہ اکیلی عورت زیور سے بھری بھرائی راہ چلتی رہے تو کسی بدقماش کو جرات نہ ہو سکتی تھی کہ اسے بری نیت سے دیکھ لے۔ اس نے محتاجوں اور غریبوں کو کھانے پینے کی مفت سہولتیں فراہم کرنے کے لیے جا بجا لنگر خانے قائم کر رکھے تھے۔ جہاں روزانہ ہزاروں مفلس ونادار لوگ کھانا کھاتے تھے۔ ان لنگر خانوں کے اخراجات روزانہ پانچ ہزار اشرفی تھے۔

شیر شاہ بڑا انصاف پرور اور دین دار بادشاہ تھا۔ ایک بار گاؤں کے دو آدمی کسی بات پر آپس میں جھگڑ پڑے اور جھگڑے نے ایسا طول کھینچا کہ ایک شخص نے دوسرے کو موت کے گھاٹ اتار ڈالا۔ پھر قاتل نے بڑی ہوشیاری سے اس واقعہ پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی لیکن شیر شاہ کو بھی کسی طرح اس کی اطلاع مل گئی۔ اس نے اپنے دو معتمد آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ فلاں جگہ پہنچ کر ایک درخت کو کاٹنے لگیں۔ اگر کوئی شخص انہیں درخت کاٹنے سے روکے تو فوراً سے پکڑ کر اس کے سامنے

Marfat.com

پیش کر دیں۔ بادشاہ کے حکم کی تعمیل میں دونوں شخص وہاں پہنچے اور درخت کاٹنے لگے اسی جگہ قتل ہوا تھا۔ جس پر پردہ ڈال دیا گیا تھا۔ ابھی وہ درخت کو کاٹ ہی رہے تھے کہ اُس علاقہ کے نمبردار کو اطلاع مل گئی اور وہ بھاگتا ہوا وہاں پہنچا اور انہیں درخت کاٹنے سے روکنے لگا۔ دونوں آدمیوں نے نمبردار کو اپنی گرفت میں لے لیا اور شیر شاہ کے سامنے پیش کر دیا۔ شیر شاہ نے اُس نمبردار سے مخاطب ہو کر کہا۔

"تمہیں جائے وقوعہ سے دُور گاؤں میں درخت کاٹنے کی تو اطلاع مل گئی لیکن جب ایک شخص کا خون بہایا گیا تو تمہیں اس کی خبر تک نہ ہوئی۔ اگر تم نے تین روز کی مدت میں قاتل کو پکڑ کر میری تحویل میں نہ دیا تو اُس مظلوم کے بدلے میں جو اس جگہ بے گناہ مارا گیا تھا تمہیں پھانسی دے دی جائے گی"۔

نمبردار نے خود کو پھانسی کے دروازے پر کھڑے دیکھا تو بلا تاخیر قاتل کی نشاندہی کر دی اور شیر شاہ نے قاتل کو قرار واقعی سزا دی۔

یہ تھا ہندوستان کا عوام دوست انصاف پرور دیندار بادشاہ شیر شاہ سوری، جس کی آمد و رفت کی بخشی ہوئی سہولتوں سے آج بھی گرانڈ ٹرنک روڈ پر سفر کرنے والے لاکھوں عوام مستفید ہو رہے ہیں اور جس کا نام تاریخ میں سنہرے حروف میں درج ہے۔

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ

سلطان صلاح الدین ایوبی ۵۳۲ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد کا نام نجم الدین ایوب تھا اور چچا شیر کوہ عراق کے بادشاہ سلطان نور الدین تابک کے افسر اعلیٰ اور مشیر خاص تھے۔ نور الدین نے ان کی جنگی و ملکی خدمات کے صلہ میں انہیں بعلبک کی جاگیر بخشی ہوئی تھی مگر شاہی تعلقات کے باعث انہیں بشیتر

Marfat.com

اوقات بغداد ہی میں حاضر رہنا پڑتا تھا۔ اس زمانے میں بغداد علوم و فنون کے ایک بڑے مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ صلاح الدین کی تربیت اسی بغداد میں ہوئی تھی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد انہوں نے نورالدین کے دربار میں مختلف عہدوں پر کام کیا تھا۔ لیکن آپ کو حقیقی شہرت مصر آنے کے بعد ملی۔

مصر صدیوں سے خلفائے بغداد کے ہاتھوں سے نکلا ہوا تھا اور فاطمی بادشاہوں کے زیر نگیں تھا۔ ان ایام میں فاطمی سلطنت کا حکمران ایک کم سن لڑکا تھا۔ اس کی کم سنی اور ناتجربہ کاری کے تحت یورپ کے پرانے پاپی اور حریص بادشاہ آہستہ آہستہ مصر کو اپنے پنجہ میں دلوچنے میں مصروف تھے اور شام کے ساحلوں پر قبضہ کر چکے تھے۔

یورپ کے ان غاصب حکمرانوں کی سازشوں کو ناکام بنانے اور مسلمانوں کو تحفظ دینے کے لیے نورالدین نے فیصلہ کیا کہ مصر کو فتح کر لیا جائے۔ نورالدین نے شیرکوہ کی زیر کمان ایک لشکر مصر کی فتح کے لیے بھیجا تو کوچ کے وقت صلاح الدین نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر استدعا کی کہ اُسے بھی چچا کے ساتھ مسلمانوں اور اسلام کی خدمت کے لیے مصر بھیجا جائے۔ بادشاہ نے اجازت دے دی تو صلاح الدین کو بحیثیت نائب سپہ سالار فوج کے ساتھ مصر بھیج دیا گیا۔

۵۵۹ ھ میں لشکر اسلام مصر پر حملہ آور ہوا اور اسی سال ماہ رجب میں عیسائیوں کو شکست فاش دے کر ملک پر اسلامی پرچم سر بلند کر دیا۔ بنی فاطمہ کے آخری بادشاہ نے شیرکوہ کو اپنا وزیر مقرر کر لیا اور صلاح الدین بھی اس کے نائب کی حیثیت سے کام کرنے میں مصروف ہو گئے۔ جلد ہی شیرکوہ اللہ کو پیارے ہوئے تو قلمدان وزارت صلاح الدین نے سنبھال لیا اور مسلمانوں کی بکھری اور تقسیم طاقت کو یکجا کرنے میں مصروف ہو گئے۔

کچھ عرصہ بعد جب فاطمی بادشاہ وفات پا گیا تو مصر کی حکومت صلاح الدین کے قبضہ و اختیار میں آ گئی۔ اب انہیں کام کرنے کے وسیع مواقع فراہم ہوئے تو انہوں نے سب سے پہلے مصر میں خلیفۂ بغداد کا خطبہ پڑھنے کے احکامات

Marfat.com

جاری کیے اور اس طرح ان کا اتحاد اسلامی کا وہ منصوبہ عملی جامہ پہن گیا جو انہوں نے برسوں قبل ترتیب دیا تھا۔ فاطمی حکومت کے دورِ آخر میں سلطنت مصر کی کمزوری شباب پر جا پہنچی تھی۔ مسلمان عیش پرست اور سہل پسند ہو گئے تھے۔ ملک بھر میں قانون اور مذہب کا مذاق اڑایا جاتا تھا۔ مصر کی فوج نام کی تو فوج تھی، لیکن سپاہیانہ روح سے خالی، حکام کی نااہلی، کاہلی اور فرعون مزاج کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ مسلمان حکام عیسائی حکمرانوں کے ٹاؤٹ بنے ہوئے تھے عیسائیوں نے بھاری رشوتیں دے کر انہیں خرید رکھا تھا اور اُن کی اپنی مصر کی مسلم حکومت کے خلاف استعمال کرتے تھے۔ صلاح الدین نے برسرِ اقتدار آتے ہی نظم و نسق کی خرابیوں کو دُور کیا۔ نالائق اور سست الوجود کام چور افسروں کو ملازمت سے برخواست کر دیا اور اُن کی جگہ ایسے حکام ملازم رکھے جو چاک و چوبند، فرض شناس مستعد اور وفادار تھے۔ عوام کو قانون کی بالا دستی کا قائل کیا اور اُن کی اخلاقی و دینی بُرائیاں دُور کرنے کے لیے علمائے دین کی ایک تنظیم قائم کی۔ فوج کے لیے صحت مند اور وفادار مجاہد منتخب کیے اور فوج کو ایسا منظم کیا کہ دشمن کانپنے لگے۔

عیسائی حکمران صلاح الدین کی روز بروز بڑھتی ہوئی طاقت سے خوفزدہ ہو گئے اور اُسے مزید مہلت دے کر مضبوط سے مضبوط تر ہونے سے قبل متحد ہو کر مصر پر حملہ آور ہوئے اور شہر دمیاط پر آسانی سے قابض ہو گئے۔ اس حملے کی خبر صلاح الدین کو ہوئی تو اُس نے بھی مقابلے کی تیاری مکمل کر لی اور اس کے فوراً بعد دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا تو مسلمانوں نے اپنی بہادری کے ایسے جوہر دکھائے کہ عیسائیوں کو ہزاروں مردے چھوڑ کر میدانِ جنگ سے بھاگنا پڑا اور مسلمانوں کو شاندار فتح حاصل ہوئی۔ اس فتح نے صلاح الدین کے ہاتھ مزید مضبوط کر دیئے اور وہ ملکِ شام کے معاملات کی طرف متوجّہ ہوا۔

شام کے نام نہاد مسلمان حکمران پر عیسائی بُری طرح مسلّط تھے اور وہ عیسائیوں کے حسبِ منشا اقدامات کرتا تھا۔ صلاح الدین مجاہدین کے ایک

Marfat.com

لشکر کے ساتھ مصر سے شام کی سمت چلا تو چند لڑائیوں کے بعد شام کے دار السلطنت دمشق کے قلعہ پر قابض ہو گیا۔ سیف الدین غازی گورنر موصل کو صلاح الدین کے حملہ آور ہونے کی اطلاع ملی تو اُس نے اپنے بھائی عز الدین کو صلاح الدین کو روکنے کے لیے اُکسایا۔ اس دوران صلاح الدین نے شہر حلب پر قبضہ کر لیا تھا اور آگے بڑھنے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ اس اثنا میں صلاح الدین کو پتہ چلا کہ عزّ الدین حمات کی پہاڑیوں میں ڈیرے ڈالے ہوئے ہے۔ صلاح الدین نے بڑی تیزی سے حمات کا رُخ کیا اور حمص کے قلعہ پر قبضہ کرنے کے بعد برق رفتاری سے حمایت جا پہنچا۔ اُس کی ابتدا میں یہی کوشش تھی کہ مسلمانوں میں جنگ و جدل کی بجائے صلح ہو جائے تو اچھا ہو۔ چنانچہ اس نے عز۔الدین کو پیغام بھیجا کہ "وہ چونکہ مسلمان ہے اس لیے صلاح الدین اُس سے جنگ کرنے کا حامی نہیں ہے۔ صلاح الدین تو عیسائی حکومتوں کے اثر و رسوخ کو شام سے دُور کرنا چاہتا ہے۔ اگر وہ دونوں آپس میں جنگ آزما ہوئے تو اس سے لامحالہ عیسائیوں کو فائدہ پہنچے گا اور مسلمانوں کی خانہ جنگی سے یہ بھی ممکن ہے کہ عیسائیوں کو شام پر مکمل قبضہ کرنے کا موقع مل جائے۔ اس لیے مناسب یہی ہے کہ جنگ و جدل کی نوبت نہ آئے اور وہ آپس میں صلح کر لیں لیکن عزّ الدین نے اپنی طاقت کے غرور میں صلاح الدین کی کوئی بات نہ مانی۔ اور صلح کی پیشکش کو حقارت سے ٹھکرا دیا۔ صلاح الدین کو بادلِ نخواستہ اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف جنگ آزما ہونا پڑا اور چند ایک معمولی جھڑپوں کے بعد اُس کا حمات پر قبضہ ہو گیا۔

ابھی اس جنگ سے فرصت ملی ہی تھی کہ صلاح الدین کو پتہ چلا کہ عیسائی فوجیں اپنے کھوئے ہوئے علاقوں کو واپس لینے کے لیے کرک میں جمع ہو رہی ہیں۔ سلطان صلاح الدین قلیل سی فوج لے کر کرک کی سمت چلا اور اپنے بھائی ملک عادل کو جو مصر میں اُس کا قائم مقام تھا لکھا کہ جس قدر جلد ممکن ہو وہ کمک لے کر کرک پہنچ جائے۔ لیکن ابھی اس محاصرہ کا آغاز بھی نہ ہوا تھا کہ سلطان کو اپنے مخبروں کی زبانی پتہ چلا کہ عیسائی سلطان کی توجہ کرک کی طرف لگا کر مصر

Marfat.com

پر حملہ کرنے کا پروگرام ترتیب دے چکے ہیں۔ اگر سلطان نے مصر پر توجہ نہ دی تو دشمن کو مصر پر قبضہ کرنے کا موقع مل جاتے گا۔ یہ جان کر صلاح الدین کرک کی فتح کے ارادہ کو ترک کر کے مصر لوٹ گیا۔

اُس کے چار برس بعد تک سلطان اور عیسائیوں میں کوئی قابل ذکر جنگ نہ ہوئی۔ طرفین اپنی اپنی طاقت کے اضافہ میں مصروف رہے۔ آخر کار ایک مرحلہ پر سلطان اس طویل خاموشی سے اُکتا گیا اور خود عیسائیوں پر حملہ آور ہوا۔ اس معرکہ کو تاریخ نے جنگِ حطّین کے نام سے اپنے دامن میں پناہ دی ہے۔ اس میں عیسائیوں نے بڑے جوش وخروش سے حصہ لیا تھا لیکن وہ توحید پرستوں کے سامنے ٹھہر نہ سکے۔ آٹھ گھنٹے کی گھمسان کی جنگ کے بعد عیسائی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے اور ان میں ایسی بھاگڑ مچی کہ مسلمانوں کو تعاقب کر کے اُن سب کو موت کے گھاٹ اتارنے کا موقع مل گیا۔ عیسائی اس جنگ سے اس قدر پست ہمت ہوئے کہ پھر کبھی اپنی خوشی سے سلطان کے مقابلہ پر نہ آئے۔ مسلمانوں نے معمولی سی تگ ودو کے بعد طبریہ اور عکّا کے مضبوط ترین قلعوں کو بھی فتح کر لیا۔ کچھ روز بعد قیاریہ، صفوریہ اور ناصرہ وغیرہ کے ساحلی شہر بھی جو عیسائیوں کے معروف جنگی مورچے تھے سلطان کے قبضہ میں آگئے لیکن ابھی اللہ تعالیٰ نے صلاح الدین سے جو کام لینا تھا وہ باقی تھا اور وہ کام بیت المقدس کی فتح تھا۔

مسلمانوں کی باہمی سر پھٹول اور کمزوریوں نے ہمسایہ عیسائی حکومتوں کے حوصلے اس قدر بڑھا رکھے تھے کہ انہوں نے بیت المقدس بھی جو گذشتہ ۵ سو برس سے مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔ اُن سے زبردستی ہتھیا لیا تھا۔ جب یورپ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ سلطان صلاح الدین بیت المقدس پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو یورپ کی ساری حکومتیں صلاح الدین کے خلاف متحد ہو گئیں۔ جرمنی، فرانس، اور انگلستان کے بادشاہ بذاتِ خود بیت المقدس کو بچانے کے لیے اپنی اپنی فوج لے کر آگئے۔ اُن کے سپاہیانہ ساز وسامان اور اکڑ فوں

Marfat.com

سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ مسلمانوں کا نام ونشان تک مٹا کر ہی واپس لوٹیں گے۔
لیکن جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے۔ سلطان کو اللہ تعالیٰ کی مدد و حمایت کا مکمل یقین تھا اور وہ یقین رکھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اُس کی مدد کرے گا۔ جنگ شروع ہونے سے قبل سلطان نے مجاہدین کے سامنے ایک ولولہ انگیز تقریر کی۔ جس میں کہا کہ "بہادر مجاہدو! اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اُس کی مدد کی ہے جو اپنی مدد آپ کرتا ہے۔ ہم بیت المقدس کو عیسائیوں کے پنجے سے چھڑانے کے لیے آئے ہیں اور یہ ہماری آخری معرکہ آرائی ہے اگر ہم اس میں فتح یاب ہوتے اور ہمیں سرخروئی حاصل ہوئی تو پھر ہماری شجاعت اور بہادری سے دشمن ہمیشہ کانپتے رہیں گے اور قیامت تک ہم پر حملہ کی ہمت نہ کریں گے۔ لیکن اللہ ہزار بار نہ کرے اگر ہم شکست کھا گئے تو پھر ہم ہی پر نہ صرف خدا کی یہ وسیع و عریض زمین تنگ ہو جائے گی بلکہ سارے مسلمان بھی دشمنوں کے رحم و کرم پر ہوں گے۔ ہر مسلمان اسلامی روایات سے واقف ہے اور بفضلِ تعالیٰ خدا اور اُس کے رسولؐ کے احکام کا دل و جان سے پابند ہے۔ اس لیے ہمیں یقین ہونا چاہیئے کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے اور آخر کار یہی ہوگا کہ بیت المقدس پر صلیب کی جگہ ہلالی پرچم لہرائے گا۔

باضابطہ ۹ لاکھ عیسائی فوجیں کھڑی کی گئی تھیں۔ علاوہ ازیں وہ ان گنت لوگ تھے جو لڑنے کے لیے ساتھ آئے تھے۔ یہ رضا کار تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر جنگ میں مسلمانوں کو فتح دی۔ عیسائیوں کو ان کی کثیر فوجوں اور بے پناہ اسلحہ جنگ کے باوجود شکست فاش ہوئی اور بیت المقدس پر ہلالی جھنڈا شان و شوکت سے بلند ہوا۔۔۔ شکست فاش کھانے کے بعد عیسائیوں نے صلاح الدین سے صلح کے لیے ازحد کوشش کی۔ خود شاہ انگلستان رچرڈ جو عیسائیوں میں "شیر دل رچرڈ" کے نام سے موسوم تھا صلاح الدین ایوبی کی خدمت میں حاضر ہو کر بولا۔
"میری خواہش ہے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں دوستانہ تعلقات قائم ہوں اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس تمہارے سپرد کر دیا ہے۔ لیکن اس مقدس شہر سے ہمارا

Marfat.com

تعلق بھی قائم رہنا چاہیئے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ تم سا عالی ظرف، فاتح میری اس استدعا کو قبول کر لے گا اور عیسائیوں کو بیت المقدس کی زیارت کرنے کی اجازت دے دے گا"

صلاح الدین ایوبی اس صلح کو ناپسند کرتا تھا لیکن دوسروں کے مجبور کرنے پر

اُسے بھی صلح کی اس پیش کش کو منظور کرنا پڑا۔ صلح ہو گئی تو صلاح الدین دمشق آگیا۔ جہاں اُسے صفراوی بخار چڑھ گیا اور آخر کار اس بخار سے ۲۷ صفر ۵۸۹ھ کو نماز فجر کے وقت خدا کے اس سپاہی اس مردِ مجاہد غازی کی وفات ہو گئی۔

صلاح الدین کی ذات میں جو خوبیاں تھیں اُسے سبھی دوست دشمن تسلیم کرتے تھے۔ ایک یورپین مورخ نے اس مجاہد ملت کے بارے میں لکھا ہے کہ صلاح الدین ایک فیاض، فراخ حوصلہ اور عالی ظرف بادشاہ تھا۔ وہ رحم دلی، خدا ترسی، اور بردباری کا پُتلا تھا۔ عبادت و زہد میں بھی وہ اپنی مثال آپ تھا۔

اس فراخ دل بہادر دشمن نے جنگ و جدل کے باوجود عیسائیوں سے اتنا اچھا سلوک کیا تھا کہ یورپ میں آج تک اُسے "شریف دشمن" کہہ کر یاد کیا جاتا ہے وہ دشمن کے زخمی اور بیمار سپاہیوں کی خدمت کرتا تھا۔ پناہ گزینوں کو پناہ دیتا تھا اِس قدر عظیم الشان فاتح ہونے کے باوجود جب اُس کی وفات ہوئی تو اُس کے ذاتی خزانے میں صرف ایک دینار بچا ہوا تھا۔ جس سے اُس کی تجہیز و تکفین کی گئی تھی۔

ابن ابی عامر المنصور

خلیفہ مستنصر باللہ کے عہدِ حکومت کی ابتدا تھی۔ مضافات قرطبہ کے ایک باغ میں درختوں تلے پانچ طالب علم بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک طالب علم کسی خیال میں غرق بالکل الگ تھلگ بیٹھا ہوا تھا۔ اس بلند قامت خوبرو نوجوان کی صورت

Marfat.com

سے شرافت و تمکنت کے ساتھ ساتھ غرور اور تکبر بھی ٹپک رہے تھے۔
یکلخت اس طالب علم نے چونک کر کہا:
"دوستو! میری بات غور سے سنو، مجھے ایک روز اس ملک پر حکومت کرنی ہے۔"

ابھی وہ یہی کچھ کہہ پایا تھا کہ دوستوں نے قہقہے بلند کرنے شروع کر دیے۔ مگر اس نوجوان طالب علم نے اپنے دوستوں کے قہقہوں کا کوئی اثر نہ لیا اور وہ دوبارہ کہنے لگا۔

"دوستو! میرے دورِ حکومت میں تم میں سے جس کو کوئی عہدہ پسند ہو۔ مجھے ابھی سے کہہ دے آج وہ جو عہدہ پسند کرے گا، مناسب وقت پر اُسے اُسی عہدہ پر سرفراز فرمایا جائے گا۔"
ایک طالب علم نے مزاحیہ لب و لہجہ میں کہا۔

"جناب بادشاہ سلامت! مجھے تو فلاں بازار کا مہتمم بنا دیجئے گا تاکہ میں حلوہ اور پوریاں مفت کھاتا رہوں۔"

دوسرے نے بھی اسی لب و لہجہ میں کہا۔
"حضور سلامت تو بخوبی واقف ہیں کہ میں انجیر بڑے شوق سے کھاتا ہوں اور سُنا گیا ہے کہ مالقہ میں بہترین انجیر پیدا ہوتے ہیں، اس لیے میری استدعا ہے کہ حضور ظلِ سبحانی مجھے مالقہ کا قاضی مقرر کر دیں۔ میں آپ کے اس احسان کو زندگی بھر مانوں گا۔"

تیرا طالب علم بولا۔ "مجھے قرطبہ کے باغ بیحد پسند ہیں اگر حضور شہنشاہ سلامت مجھے عاملِ قرطبہ کا منصب عطا فرمائیں تو میری خوش قسمتی میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔"

چوتھا طالب علم جو جلا بھنا بیٹھا تھا۔ غصہ سے بولا۔
"سُنیے جناب! اگر آپ سپین کے تخت و تاج کے مالک بن جائیں تو میری

Marfat.com

ذات کے بارے میں آپ صرف یہی حکم دیں کہ مجھے ایک گدھے پر اس طرح سوار کرایا جائے کہ میرا منہ دُم کی طرف ہو۔ پھر میرے جسم سے سارے کپڑے الگ کر کے میرے سارے جسم پر شہد مل دیا جائے تاکہ شہد کی مکھیاں میرے جسم پر بیٹھ کر مجھے کاٹتی رہیں۔ اس حالت میں مجھے قرطبہ کے سارے بازاروں اور گلی کوچوں میں خوب پھرایا جائے۔"

ان جلی کٹی باتوں کو سُن کر وہ خوبصورت نوجوان غم و غصہ سے بے تاب اُٹھ کر چلا گیا۔

اس نوجوان طالب علم کا اصل نام ابو عامر محمد اور خاندانی نام بنی ابی عامر تھا۔ اُس کا قبیلہ یمانیہ کے خاندان معافر سے متعلق تھا۔ ابو عامر محمد کی ماں کا نام بریہ اور والد کا نام ابو حفص عبد اللہ اور دادا کا نام محمد بن عبد اللہ تھا۔ یہ نوجوان عوام میں محمد بن ابی عامر کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی زندگی کا آغاز نہایت معمولی طریقہ سے ہوا۔ اُس نے تعلیم سے فراغت کے بعد اپنی گزر بسر کے لیے قصرِ خلافت کے قریب ایک دوکان کھول لی۔ جہاں وہ صرف اُن سائلوں کی معاوضہ پر عرضیاں لکھا کرتا تھا جو صرف بارگاہ خلافت میں کچھ عرض کرنا یا درخواست کرنا چاہتے ہوں۔ اس کام نے اُسے کچھ روز بعد قرطبہ کے محکمہ قضا میں ایک ماتحت کی جگہ دلوا دی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد خلیفہ الحکم کو اپنے بڑے بیٹے عبد الرحمٰن کی جائداد کے لیے ایک منتظم کی ضرورت محسوس ہوئی۔ عبد الرحمٰن اس وقت ۵ برس کا ایک بچہ تھا۔ بہت سے امیدواروں نے اس عہدہ پر اپنے تقرر کی کوشش کی۔ مگر ابن ابی عامر کے علاوہ کوئی بھی منتخب نہ ہو سکا۔ وہ مقدر کا سکندر تھا۔ اس لیے کچھ عرصہ بعد ملکہ سلطانہ صبح نے اسے اپنی جائداد کا منتظم بنا لیا۔

محرم ۳۵۷ھ کی ابتدا میں الحکم نے ابن ابی عامر کو بعض ایسی جاگیروں کا مہتمم مقرر کیا جن کے مالک وفات پا چکے تھے۔ اس کے گیارہ ماہ بعد اسے اشبیلیہ اور لبلہ کا قاضی مقرر کر دیا گیا۔ جب الحکم کا بڑا بیٹا عبد الرحمٰن وفات پا گیا تو ابن ابی عامر کو چھوٹے بیٹے ہشام کا اتالیق مقرر کر دیا گیا۔ ہشام اب ولی عہد ہو گیا تھا اور ربیع الاول

Marfat.com

۳۶۱ھ میں وہ فوج خاصہ کے ایک دستے کا سردار بھی مقرر کر دیا گیا تھا۔
۳۱ برس کی عمر میں پانچ چھ بڑی بڑی تنخواہوں کے عہدوں پہ مامور رہنے کے بعد ابن عامر بڑی شاہانہ زندگی بسر کرنے لگا۔ وہ قصر میانہ کے قریب ایک شاندار مکان میں رہتا تھا اور عوام میں ہردلعزیز بننے کے ہر موقع سے پورا پورا فائدہ حاصل کرتا تھا۔ اس کی فیاضی، سخاوت، عمدہ عادات وخصائل اور اخلاق حمیدہ کی تعریف بھی کرتے تھے اور اس کی خوبیوں کو بھی سراہتے تھے۔
یکم اکتوبر ۹۷۶ء، ۲ صفر ۳۶۶ھ کو خلیفۃ الحکم المستنصر باللہ کی وفات ہوگئی تو دوسرے روز ہشام کو مسند خلافت پر بٹھایا گیا۔ چونکہ بعض لوگ ہشام کی بیعت کرنے سے انکاری تھے۔ اس لیے ان لوگوں کو جمع کر کے ابن ابی عامر نے ایک پُرجوش تقریر کی۔ جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ دو چار آدمیوں کے علاوہ سبھی نے ہشام کی بیعت منظور کر لی۔ اس وقت ہر شخص ابن ابی عامر کی فہم و فراست کی تعریف کرتا تھا۔
چونکہ ابن عامر نے ابتدا ہی سے سلطانہ صبح سے اچھے تعلقات بلکہ محبت پیدا کر لی تھی اور وقتاً فوقتاً نہایت بیش قیمت اور شاندار تحائف بھیجا کرتا تھا اس لیے ابن ابی عامر کو سلطانہ صبح کی سفارش پر وزیر مقرر کر لیا گیا اور سلطنت کا انتظام ابن عامر اور ایک اور شخص مصحفی کے سپرد کر دیا گیا۔
خلیفہ الحکم کی وفات کے بعد شمال کے عیسائی روز بروز دلیری کے مظاہرے کرنے لگے یہاں تک کہ وہ قرطبہ کے دروازوں تک آ کر ڈاکے ڈالنے لگے۔
جس سے رعایا میں کھلبلی مچ گئی۔ ابن عامر کو پہلے ہی سے مصحفی کی کمزوری ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ چنانچہ وہ ملکہ سلطانہ صبح کے حکم سے ضروری سامان اور فوج لے کر عیسائیوں سے مقابلہ کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ ابن عامر کے ساتھ جو فوج تھی وہ اُس نے خود اپنے ملک کے چپے چپے سے منتخب کی تھی۔ فروری ۹۷۷ء بمطابق جمادی الآخر ۳۶۷ھ میں جنگ کی ابتدا ہوئی اور اپریل کے وسط میں عیسائیوں کو شکست فاش ہوگئی۔ غرض اس طرح ابن عامر

Marfat.com

اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرتا رہا اور اُسے عوام میں بھی مقبولیت حاصل ہوتی گئی۔ فوج کے افسر اور نوجوان اس کی خوش اخلاقی اور فیاضی کو تعریف بھری نظروں سے دیکھنے لگے تھے۔

مصحفی اور ابن ابی عامر دونوں کو اقتدار حاصل کرنے کی خواہش تھی۔ مگر جن خوبیوں سے ابنِ عامر کی شخصیت آراستہ و پیراستہ تھی۔ اُن کا عشرِ عشیر بھی مصحفی کی ذات میں نہ تھا۔

عیسائیوں سے ایک اور جنگ میں پھر ابنِ عامر فتح یاب ہوا۔ جس کے نتیجے میں وہ عامل قرطبہ کے عہدہ پہ مامور ہو گیا۔ اس سے قبل مصحفی کے بیٹے عامل قرطبہ کے منصب پہ مقرر تھے۔ ابنِ عامر نے عامل شہر بنتے ہی دارالخلافت میں امن و امان قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اس مقصد کے حصول کے لیے بڑے سخت احکامات جاری کیے۔ اس نے پولیس کے کارکنوں کو خبردار کیا کہ وہ مجرم کا خواہ وہ کوئی بھی ہو، مالدار یا غریب قطعاً لحاظ نہ کریں اور مجرموں کو فوراً گرفتار کر لیں۔ اگر اُسے پتہ چل گیا کہ پولیس کے کسی آدمی نے خواہ وہ بڑا افسر ہو یا معمولی رشوت لی ہے تو میں اُسے سخت سزا دوں گا اور جیل میں بند کر دوں گا۔

تمام اہل کاروں نے ابنِ عامر کو سخت آدمی پایا تو مستعد اور فرض شناس بن گئے اور اپنے فرائض پوری غیر جانبداری اور دیانت داری سے سرانجام دینے لگے۔ ابنِ عامر نے اپنے اس حکم کی کہ مجرم خواہ بڑا آدمی ہو یا غریب آدمی ضرور سزا پائے گا، تصدیق بھی کر دی۔ وہ اس طرح کہ جب خود اس کے بیٹے سے جرم سرزد ہو گیا اور پولیس نے اُسے گرفتار کر کے ابنِ عامر کے سامنے پیش کیا تو ابنِ عامر نے اپنے بیٹے کو تازیانوں کی اس قدر سخت سزا دی کہ وہ مر گیا۔

مصحفی نے ابن عامر کو عوام میں روز بروز مقبول ہوتے دیکھا تو اُسے ہوش آیا۔ اس پہ مستزاد یہ کہ اس پہ مقدمے بھی قائم ہو گئے اور وہ جیل میں

Marfat.com

بھی بند ہوا اور اس کے خلاف عائد کردہ الزامات پایہ ثبوت کو بھی پہنچتے رہے اور اس کی جائداد بھی آہستہ آہستہ نیلام ہوتی گئی۔ بڑھاپے اور قید و بند کی سختیوں نے اسے اس قدر کمزور کر دیا کہ وہ چلنے پھرنے سے بھی معذور ہو گیا۔ مصحفی پانچ برس تک اس مصیبت اور ذلت کی حالت میں زندہ رہا۔ اس کی سخت جانی کا یہ عالم تھا کہ وہ بیمار پڑ کر نہ مرا۔ وہ موت کا تر لقمہ بھی بنا تو پھانسی یا زہر کے ذریعے سے۔ مصنفوں کا اس پر اختلاف ہے کہ مصحفی کو زہر دیا گیا تھا یا وہ گلا گھونٹ کر مارا گیا تھا۔ جس روز مصحفی کو حاجب کے منصب سے معزول کر کے گرفتار کیا گیا اور ابنِ عامر کو ترقی دے کر حاجب کے درجے پر پہنچایا گیا۔ اسی دن سے ابنِ عامر اور غالب مل کر سلطنت پر حکومت کرنے لگے۔ غالب کی بیٹی سے ابنِ عامر کی شادی ہو گئی تھی۔

جب تک حکومت کے کام خلیفہ ہشام کے محل میں طے پاتے رہے۔ اس وقت تک ابنِ عامر کو ہر لمحہ یہ خوف لاحق رہتا تھا کہ کہیں کوئی آدمی اس نوجوان خلیفہ ہشام کے دل و دماغ پر قبضہ کر کے اسے اصل حالات سے مطلع نہ کر دے۔ اس خطرہ کے تحت ابنِ عامر نے ایک نیا شہر قرطبہ سے مشرق میں وادی الکبیر کے کنارے بنوانے کا آغاز کر دیا تھا۔ شہر کا نام مدینۃ الزہرہ رکھا گیا تھا۔ اس کی تعمیر کا کام دو برس کی مدت میں مکمل ہوا تھا اور سارے سرکاری دفاتر اس شہر میں منتقل ہو گئے تھے۔

ابنِ عامر نے مختلف تدابیر اختیار کر کے خلیفہ ہشام کو امورِ سلطنت سے بالکل الگ کر دیا۔ اس نے یہ مشہور کرایا کہ خلیفہ ہشام نے حکومت کے سارے اختیارات اسے سونپ دیئے ہیں تاکہ وہ خود عبادتِ الٰہی میں زیادہ سے زیادہ وقت گزار سکے۔ لیکن بعد میں جب ابنِ عامر کی پوزیشن اچھی طرح مضبوط ہو گئی تو اس نے ہشام کی قطعاً کوئی پرواہ نہ کی اور خلیفہ کا نام تک لینے کی سختی سے ممانعت کر دی۔ اسی زمانے میں ابنِ عامر نے فوج کی از سرِ نو تنظیم کا کام شروع کیا۔ اس وقت سپین میں جس قدر بربر موجود تھے وہ ابنِ عامر کی فوج میں

Marfat.com

بھرتی ہوتے چلے گئے اور اُن کے چہروں سے آسودگی ٹپکنے لگی۔ ایک عرب مورخ نے لکھا ہے کہ:

"جب بربر سپین میں آتے تو ان کے کپڑے پھٹے پُرانے ہوتے تھے اور اُن کے گھوڑوں کی ہڈیاں تک گنی جا سکتی تھیں۔ لیکن ابنِ عامر کی ملازمت میں آجانے کے فوراً بعد اُن کے لباس بھی پُرتکلف ہو جاتے اور چہروں پر بھی رونق ہوتی اور وہ تیز اور طرار گھوڑوں پر سوار بازاروں میں نکلتے تو اُن کی شان و شوکت اور رعب داب دیکھنے کے قابل ہوتا۔ ابنِ عامر نے اُن کی رہائش کے لیے شاندار حویلیاں ان کے سپرد کر دی تھیں۔

ایک روز ابنِ عامر فوج کا معائنہ کر رہا تھا کہ ایک بربر سردار "دان زمار" نامی نے سامنے آکر کہا۔ "آقا مجھے ایک مکان مرحمت فرمائیں تاکہ میں آرام و سکون سے رہ سکوں۔ کیونکہ آج کل میں میدان میں سوتا ہوں"۔

ابنِ عامر کو سخت تعجب ہوا اور اُس نے پوچھا۔

"بھئی تمہاری بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ میں نے تمہیں جو مکان دیا تھا کیا تم نے وہ فروخت کر دیا ہے"؟

"بربر نے اس استفسار کے جواب میں کہا۔

"حضور کی مرحمت فرمائی ہوئی نعمتیں ہی مجھے اس مکان سے نکالنے کا سبب بنی ہیں۔ حضور نے مجھے جاگیر میں جو وسیع و عریض اراضی دی تھی اس کے اناج سے میرا سارا گھر بھر چکا ہے اور میرے رہنے کے لیے جگہ نہیں رہی۔ اگر حضور یہ خیال فرما رہے ہیں کہ جب مجھے اناج سے یہ تکلیف پہنچتی ہے تو میں اناج کو گھر سے باہر نکال کر پھینک کیوں نہیں دیتا تو اس سلسلے میں میری عرض یہ ہے کہ میں ایک بربر ہوں جو کچھ عرصہ قبل اناج کے ایک ایک دانے کو ترستا تھا اور مفلس و نادار تھا۔ بھلا ایسا شخص اناج سی عظیم نعمت کو گھر سے کس طرح نکال سکتا ہے"۔

ابنِ عامر نے بربر کی اس مختصر مگر دلنشیں تقریر کو بہت پسند کیا اور بولا۔

Marfat.com

"تمہاری باتیں ہمارے عالموں کی فصاحت و بلاغت سے بھرپور تقریروں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ متاثر کن اور دلنشیں ہیں"۔ یہ کہہ کر ابنِ عامر نے دانِ زمار کو مزید ایک شاندار حویلی سکونت کے لیے دے دی۔

ابنِ عامر کا خسر غالب چونکہ ایک جہاں دیدہ انسان تھا اس لیئے وہ ابنِ عامر کے ارادوں کو تاڑ گیا کہ وہ ہشام کے خلاف سازش کر رہا ہے۔ چنانچہ غالب نے ہشام کے حقوق کی حفاظت و حمایت میں سواروں کی ایک فوج کے ساتھ ابن عامر کا مقابلہ کیا اور موت کے گھاٹ اتر گیا۔

ابن عامر نے غالب کو شکست فاش دینے کے بعد لیون کے علیسائیوں کو اس جرم میں سزا دینے کا فیصلہ کیا کہ انہوں نے ابنِ عامر کے دشمن کی عملی مدد کی تھی۔ اس نے فوج کے ساتھ شمال مغرب کی سمت آگے بڑھ کر شہر لیون پر حملہ کر دیا وہ اپنی لشکر گاہ میں ایک بلند تخت پر بیٹھے جنگ کا بغور مشاہدہ بھی کر رہا تھا اور لشکر کے مختلف حصوں کے لیے ضروری ہدایات بھی جاری کرتا جا رہا تھا۔ اُس نے جب اپنی فوج کو پیچھے ہٹتے دیکھا تو رنج و غم اور غصہ سے تھر تھر کانپنے لگا اور ٹوپی سر سے اتار کر پھینکنے کے بعد پیشانی زمین پر رگڑنے لگا۔

اُن کے فوجیوں کو علم تھا کہ جب عام سپاہی اپنے فرائض کی ادائیگی سے قاصر رہیں تو اظہار رنج والم میں ابنِ عامر یہ حرکت کرتے ہیں۔ آقا کی پیشانی کو زمین پر دیکھنے کے بعد اہلِ لشکر پر جیسے ایک جادو کا سا اثر ہوا ہو۔ لشکری اپنی پسپائی پر اس قدر شرمندہ تھے کہ یک لخت سب نے مِل کر اس داغِ ناکامی کو مٹانے کے لیے عملی جدوجہد کی اور زور زور سے نعرے لگا کر اس جوش و خروش سے یلغار کی کہ علیسائی فوجیں فرزندانِ اسلام کے سامنے ٹھہر نہ سکیں اور فوراً بے تحاشا پیچھے کی طرف بھاگنے لگیں۔ مسلمانوں نے فرار ہوتے ان علیسائی سپاہیوں کو شہر لیون تک کے دروازوں تک پہنچا دیا۔ اگر اس وقت برف باری کا ایک زبردست طوفان نہ اٹھتا تو مسلمان شہر لیون کو بآسانی فتح کر لیتے۔

اب چونکہ شدت کی سردی پڑنے لگی تھی۔ اس لیے موسم کی سختی کے

Marfat.com

سامنے مجبوراً ہتھیار ڈال کر ابنِ عامر مع اپنے لشکر قرطبہ لوٹ آئے اور یہاں پہنچنے کے فوراً بعد اُس نے المنصور کا لقب اختیار کر لیا۔ اس قسم کے القاب خلفاء کے لیے مخصوص ہوا کرتے تھے اور ابنِ ابی عامر اسی لقب سے مشہور ہوئے۔

بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ منصور ایک راسخ العقیدہ مسلمان نہ تھا اور شاید اپنے خلاف اسی قسم کے اعتراضات کو رد کرنے کے لیے اُس نے جامع مسجد قرطبہ میں توسیع کا کام شروع کیا اور مسجد سے ملحقہ مکانوں کو بھاری معاوضہ پر خریدا۔ مالک مکان اپنے مکان کی قیمت معمولی سی بتاتا تو منصور اسے دوگنی قیمت ادا کر کے مکان خریدتا۔ اس فیاضی کے باوجود ایک عورت نے مدت تک اپنے مکان کو فروخت کرنے سے انکار جاری رکھا۔ دراصل اس بڑھیا کے مکان میں کھجور کا ایک بڑا خوبصورت درخت تھا جو بڑھیا کو بڑا عزیز تھا۔ آخر کار شاہی کارندوں کی منت سماجت کے بعد جب بوڑھیا نے مکان بیچنے پر رضامندی ظاہر کر دی تو اپنی ایک شرط یہ رکھی کہ اُسے ایک مکان جس کے باغ میں ایسا ہی کھجور کا درخت ہو۔ اس کو علاوہ قیمت مکان کے دیا جائے۔ ایسا مکان تلاش بسیار کے بعد ہاتھ آیا اور اس طرح بوڑھیا کے مطالبے کو پورا کیا جا سکا۔

جب مسجد میں اضافہ شروع ہوا تو اہلِ قرطبہ نے بڑے عجیب و غریب مناظر دیکھے۔ ایک منظر میں عیسائی قیدی پاؤں میں بیڑیاں پہنے مسجد کے لئے زمین ہموار کر رہے تھے اور دوسرے منظر میں حاجب منصور سلطنت بنو امیہ کے سیاہ و سفید کا مالک انتہائی شجاع و بہادر انسان، کبھی تو بیلچہ ہاتھ میں پکڑے اور کبھی کدال، کبھی آری اور کبھی بسولا تھامے ایک معمولی مزدور اور بڑھئی کی مانند تعمیر کے کاموں میں مصروف ہے اور اُس کا یہ فعل محض خداوند کریم کی عظمت کو اجاگر کرنے کے لیے ہے۔

حاجب المنصور کو اب سپین پر عملاً حکومت کرتے ہوئے بیس برس گزر گئے تھے۔ اُس نے ۳۸۱ھ بمطابق ۹۹۱ء میں حاجب کا منصب خود ترک کر کے اپنے بیٹے عبدالمالک کو عطا کر دیا۔ جو اس وقت پورے اٹھارہ برس عمر کا بھی نہ ہوا تھا۔

Marfat.com

اس نے اپنے بارے میں یہ اعلان کیا کہ اسے آئندہ صرف المنصور کے لقب سے یاد کیا جائے۔

۳۸۲ھ بمطابق ۹۹۲ء میں المنصور نے یہ حکم جاری کیا کہ آئندہ دفتر وزارت سے جس قدر کاغذات اجرا ہوں ان پر خلیفہ ہشام المؤید کی مہر ثبت ہونے کی جگہ ان کی مہر لگائی جائے۔ اب اس نے خود بھی المؤید کا لقب جو در اصل میں خلیفہ ہشام کا لقب تھا، اختیار کر لیا۔ مختصراً یوں سمجھئے کہ اب عملاً المنصور ملک کے بادشاہ بن گئے تھے گو خلیفہ ابھی تک نہ ہو سکے تھے۔

ایک روز المنصور خلیفہ ہشام کے پاس گیا اور کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد خزانہ کو کسی محفوظ جگہ منتقل کرنے کی اجازت مانگی۔ چونکہ منصور کے ارادے مضبوط تھے اس لیے ہشام نے صورتِ احوال کا جو پہلے سے جائزہ لے رکھا تھا۔ اس کے تحت صاف صاف اعتراف کیا کہ وہ بذاتِ خود حکومت کرنے سے قاصر ہے، اس لیے منصور کو خزانہ کسی دوسری محفوظ جگہ منتقل کرنے کی اجازت دیتا ہے۔

منصور نے اس مضمون کی ایک تحریر بھی لکھ کر اپنے پاس رکھی ہوئی تھی۔ اس نے وہ تحریر فوراً جیب سے نکال کر ہشام کے اس پر دستخط کرا لیے۔ اس میں درج تھا کہ خلیفہ ہشام سلطنت کا سارا انتظام منصور کے سپرد کرتے ہیں جیسا کہ اب تک سلطنت کے کاموں کو چلانے کے لیے یہی طریق کار رہا ہے۔

اس کے بعد منصور نے جہاں تک ہو سکا ساری سلطنت میں وسیع پیمانے پر اس اعلانِ خلافت کی اشاعت کی۔ منصور کی زندگی اب قریب الاختتام تھی۔ ربیع ۳۹۳ھ بمطابق ۱۰۰۲ء میں منصور شمال کے عیسائیوں سے جنگ کے لیے روانہ ہوئے۔ ان کی ہمیشہ سے یہ دعا تھی کہ ان کی جان میدانِ جنگ میں نکلے۔ انہوں نے تیس ۳۰ سے زیادہ جنگیں کی تھیں اور انہیں میدانِ جنگ میں اپنی موت کا اس قدر پختہ یقین تھا کہ وہ جب بھی میدانِ کارزار کی سمت روانہ ہوتے ایک کفن ہمیشہ اپنے ساتھ لے جاتے اس کفن کو ان کی بیٹیوں نے سی کر تیار کیا تھا اور اس کفن کا کپڑا

Marfat.com

باپ دادا کی جاگیر طرش کی آمدنی سے مول لیا گیا تھا۔ ابی عامر اپنی کسی دوسری آمدنی کو اس قدر پاک خیال نہ کرتے تھے کہ اس سے اپنا کفن خریدتے۔ اُن کی عمر میں جوں جوں اضافہ ہوتا جا رہا تھا وہ عبادت میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لے رہے تھے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس کے پاؤں پر راہِ خدا کی گرد ہو گی اس پر آتشِ دوزخ حرام ہو جائے گی۔ اس لیے جہاد میں جب کبھی حصہ لینے کے بعد وہ کہیں قیام کرتے تھے تو اپنے کپڑوں کی گرد کو احتیاط سے جھاڑ کر ایک تھیلی میں جمع کر لیتے تھے۔ اس طرح راہِ جہاد سے جمع کی ہوئی کافی گرد اُن کے پاس جمع ہو گئی تھی۔ اُس نے اپنے لواحقین سے یہ بھی کہہ رکھا تھا کہ انہیں دفن کرنے سے پہلے یہ خاک اُن کے جسم پر چھڑک دی جائے۔ وہ اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ جہاد میں جو محنت شاقہ وہ کر چکے ہیں وہ قیامت میں ان کی بخشش کا سبب بن جائے گی۔

منصور نے تیس سے زیادہ جنگوں میں سرگرم حصہ لیا تھا۔ اس کی آخری جنگ قشتالہ کی عیسائی ریاست سے ہوئی تھی۔ اُسے جس طرح دوسری جنگوں میں شاندار فتح ہوئی تھی۔ اسی طرح اس جنگ میں بھی اُسے شاندار فتح حاصل ہوئی تھی منصور اس جنگ کے بعد واپس قرطبہ لوٹنے لگے تو اچانک بیمار ہو گئے۔ اُس کا وہ مرض جو پہلے سے تھا دوبارہ عود کر آیا تھا۔ وہ بیماری کے باعث گھوڑے پر سوار ہونے سے قاصر تھا۔ اس لیے اُسے تختِ رواں پر سوار کر کے لایا گیا اور وہ پندرہ روز کے سفر کے بعد مدینہ سالم پہنچ سکے تھے۔

منصور نے ایک روز اپنے سب سے بڑے بیٹے عبدالملک کو اپنے قریب بٹھا کر چند نصیحتیں کیں۔ عبدالملک یہ سمجھ کر کہ گفتگو ختم ہو گئی ہے جب بھی اُٹھ کر چلنے کی تیاری کرتا وہ اُسے واپس بلا لیتے۔ دراصل کمزوری کے تحت وہ بار بار یہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے کوئی ضروری بات نہیں کہی۔ اس لیے وہ بیٹے کو پھر چند نصیحتیں کرنے اور ہدایات دینے کے بعد بیٹھنے کے لیے کہتے،

Marfat.com

جب عبد الملک رونے لگتا تو وہ اُسے منع کرتے اور کہتے "اچھی طرح یاد رکھیں کہ رونا دھونا انسان کی کمزوری اور عجز کی پہلی نشانی ہے"۔

وہ اس حد تک لاغر اور ناتواں ہو چکے تھے کہ اب ان کی صورت تک پہچانی نہ جاتی تھی۔ اب اُن کے منہ سے الفاظ بھی کم نکلتے تھے۔ وہ کچھ تو اشاروں سے اور کچھ لبوں کی جنبش سے اپنا مطلب بیان کرتے تھے۔ آخرکار چند روز تک اسی حالت میں رہنے کے بعد اُن کا انتقال ہو گیا۔ انہیں مدینہ سالم میں دفن کیا گیا اور اُن کی قبر پر یہ اشعار کندہ کئے گئے۔ جن کا مفہوم یہ ہے:

"خود اس کے آثار و نشانات اس کی تاریخ سے تجھے مطلع کریں گے کہ گویا تو ان کا بچشم خود مشاہدہ کر رہا ہے۔ خدا کی قسم زمانہ اس کی مثل پیدا نہ کرے گا اور نہ اب اس کے سوا کوئی دوسرا اس ملک کی سرحدوں کا حامی و محافظ پیدا ہو گا"۔

منصور سے عیسائی ہمیشہ خوفزدہ رہتے تھے، عیسائیوں کے خوف کا عالم یہ تھا کہ بعض موقعوں پر منصور خطرات میں گھر جانے کے باوجود بھی زندہ و سلامت نکل آتے تھے۔ ایک بار عیسائیوں کے ایک شہر کے سامنے بہت بلند پہاڑی پر مسلمانوں کی فوج اُتری۔ علم بردار نے پہاڑی کے بلند ترین مقام پر اسلامی پرچم نصب کر دیا۔ جب اسلامی فوج اس مقام سے کوچ کر گئی تو علم بردار کو پرچم اکھاڑنا یاد نہ رہا۔ کافی روز تک پہاڑی پر یہ پرچم فضا میں بلند رہا لیکن کسی عیسائی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ پہاڑی پر پہنچ کر یہ تو دیکھ لیتا کہ اسلامی فوج وہاں موجود ہے یا چلی گئی ہے۔

منصور علماء کا قدردان تھا۔ اُس کے درباریوں میں بہت سے شاعر بھی شامل تھے جو معقول تنخواہ پاتے تھے۔ یہ شاعر حضرات بعض جنگوں میں منصور کے ساتھ جاتے تھے۔ انہیں شعراء میں ابو العلاء صاعد بن الحسن ربعی بھی شامل تھے۔ یہ علم و فضل میں سارے شعراء سے بلند درجہ رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود اُن کی زندہ دلی میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی تھی۔ منصور نے صاعد کو ان گنت انعامات سے نوازا تھا اور صاعد بھی اپنی شکر گذاری کا مختلف طریقوں

Marfat.com

سے اظہار کرتے رہتے تھے۔ ایک بار صاعد نے بہت سی تھیلیاں جن میں انہیں گاہے گاہے انعام کی رقم ملتی رہتی تھی۔ جمع کر کے ان کو جوڑ جوڑ کر ایک لمبی سی قبا تیار کروائی اور یہ قبا اپنے ایک حبشی غلام کافور کو پہنا کر قصرِ منصور میں حاضر ہوئے۔ منصور نے غلام کو دیکھتے ہی کہا۔

"اس غریب کو یہ قبا کس نے پہنائی ہے؟ کس قدر نامعقول لباس ہے۔ کافور کو ایسے کپڑے کیوں پہنائے گئے ہیں؟"

صاعد نے بڑے ادب و احترام سے جواب دیا۔

"آپ تو اس سے واقف ہی ہیں کہ مجھے حضور نے بہت سا روپیہ تھیلیوں میں بھر بھر کر دیا تھا۔ مجھے اتنی بار انعامات ملے کہ میرے پاس ان تھیلیوں کا ایک ڈھیر جمع ہو گیا۔ میں نے یہ لباس ان ہی تھیلیوں سے تیار کروایا ہے۔"

منصور نے یہ سُنا تو ہنستے ہوئے کہا۔

"صاعد واقعی خوبصورتی سے شکریہ ادا کرنے میں تمہارا جواب نہیں۔ میں تمہاری اس انوکھی قسم کی شکر گزاری کی تعریف کرتا ہوں۔"

اس کے بعد منصور نے صاعد کو مزید بہت سے تحفے دئے اور کافور کو بھی ایک نیا لباس انعام میں ملا۔

ابی منصور ایک فیاض، راست گو اور انصاف پرست انسان تھا۔ گو وہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے انتہا پسندی سے کام لیتا تھا۔ جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ کر لیتا تو پھر وہ کام مکمل کر کے ہی دم لیتا۔ اس کے ارادے اس قدر جوان تھے کہ وہ جسمانی اور ذہنی دونوں اذیتیں بلا تکلف برداشت کر لیتا تھا۔ وہ ایک روز مجلسِ شوریٰ میں بیٹھا ہوا تھا اور اُس کے پاؤں میں کوئی مرض تھا۔ جراح نے اس کے پاؤں کا ناکارہ گوشت جلانا شروع کیا لیکن وہ جس مسئلے پر بحث کر رہا تھا، اُس پر بولتا رہا، جب گوشت جلنے کی بُو پھیلی تو شرکائے مجلس پر اس کا حال کھلا۔ اگر گوشت کی بُو نہ پھیلتی تو یقیناً لوگوں کو کبھی پتہ نہ چلتا کہ میرِ مجلس کے پاؤں پر عمل جراحی ہو رہا ہے۔

Marfat.com

منصور کا ہر فعل عزم و استقلال کا مظہر ہوتا تھا۔ وہ دوستی اور دشمنی دونوں میں انتہا پسند تھا۔ وہ دشمنوں کی دشمنی اور دوستوں کی دوستی کو ہمیشہ یاد رکھتا تھا۔ منصور کے ان اوصاف کا ثبوت ان طالب علموں کو بھی ملا۔ جن سے اس نے ابتدائی زمانے میں کہا تھا کہ وہ عہدہ عہدہ مانگیں گے اس کے برسرِ اقتدار آنے پر انہیں ملے گا۔ ان طالب علموں میں سے تین کو تو ان کی حسب منشا عہدے دیئے گئے۔ یعنی ایک کو کسی بازار کا مہتمم، دوسرے کو مالقہ کا قاضی اور تیسرے کو عامل قرطبہ کا منصب عطا ہوا، لیکن چوتھے طالب علم کو جس نے جل بھن کر جواب دیا تھا اور گستاخی کی تھی، پوری پوری سزا دی گئی۔ منصور نے کسی قصور میں اس کی جائداد ضبط کر لی تھی۔

ایک بار منصور مدینۃ الزہرہ کے ایک پُر فضا باغ میں بیٹھا موسیقی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ یہ شام کا خوشگوار وقت تھا۔ ایک خوبصورت کنیز سامنے بیٹھی گانے میں مصروف تھی۔ اس حسین مطربہ سے منصور کو بڑا پیار تھا۔ لیکن وہ ایک وزیر ابو مغیرہ نامی کو چاہتی تھی۔ چنانچہ اس نے چند اشعار اس مفہوم کے گائے۔

"دن رخصت ہونے کے قریب ہے ماہتاب کا نصف دائرہ آسمان پر نظر آ رہا ہے۔ غروب کے قریب آفتاب معشوق کے عارض گلگوں کی مانند روشن ہے۔ ساغر، شیشہ برف کی مانند صاف و شفاف ہے اور اس میں شراب آتش رقیق معلوم ہوتی ہے۔ میری آنکھوں سے ایسے ایسے گناہ سرزد ہو چکے ہیں جو معاف نہیں ہو سکتے، لوگو! افسوس مجھے ایسے نوجوان سے محبت ہے جو مجھے اپنے عشق سے ہاتھ اٹھانے پر زور دیتا ہے گو وہ میرے بہت قریب ہے۔ اے کاش! میرا اس سے ملاپ ہو جائے اور وہ مجھے اپنے سینے سے لگا لے۔"

ابو مغیرہ نے ان الفاظ کا بخوبی مطلب سمجھ لیا۔ اب خود وہ ان اشعار کا جواب ان اشعار میں گانے لگا۔

Marfat.com

"میں اس حسین و جمیل چہرے تک کیسے پہنچ سکتا ہوں جس کے چاروں طرف تلواریں اور برچھیاں علم ہیں۔ افسوس اگر میرا دل یہ یقین کر لیتا کہ تیری محبت میرے ساتھ پرخلوص ہے تو میں تیرے لیے جان دے دیتا۔ جو شریف دل منزلِ مقصود کو پہنچنے کا عزم کر لیتا ہے۔ اس کی راہ میں کوئی خطرہ حائل نہیں ہو سکتا"

ایک بار منصور کے خدمت گزار داروغہ کی ایک افریقہ سوداگر سے لڑائی ہو گئی اور دونوں عدالت میں چلے گئے۔ قاضی نے سوداگر سے حلف لے کر شہادت لی۔ لیکن قاضی نے جب داروغہ کو بھی حلف لے کر شہادت دینے کے لیے کہا تو داروغہ نے یہ خیال کر کے کہ اسے منصور کے مزاج میں بڑا دخل ہے عدالت اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ حلف لینے سے صاف انکار کر دیا۔ ایک روز ہوا یہ کہ منصور کہیں جا رہا تھا اور داروغہ اس کے ساتھ تھا۔ اسی سوداگر نے منصور کو داروغہ کے ساتھ دیکھا تو اس نے دہائی دے کر اس کے ساتھ جو کچھ بیتی تھی بیان کر دی۔ منصور کے حکم سے اسی لمحہ داروغہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ پھر جب منصور نے یہ سُنا کہ قاضی نے داروغہ کے خلاف فیصلہ کر دیا ہے اُس نے فی الفور داروغہ کو اپنی خدمت سے الگ کر دیا۔

موروخوں نے منصور کے بارے میں مختلف آرا کا اظہار کیا ہے۔ بعض اسے اقتدار کا خواہش مند ثابت کر کے بدنام کرتے ہیں۔ اگر منصور شاہی خاندان میں پیدا ہوتا اور پھر تخت نشین ہوتا تو عوام و خواص اسے عظیم بادشاہ قرار دیتے اور اس کے کارنامے تاریخ میں سنہرے الفاظ سے لکھے جاتے۔ یہ مورخوں اور دوسروں کا اپنا احساسِ کمتری ہے جو انہیں منصور کو عظیم سپہ سالار اور جرنیل ماننے میں مانع ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ منصور نے اقتدار حاصل کرنے کے لیے جو اقدامات کیے وہ اُس سے قبل تاریخ کے متعدد ہیرو کر چکے تھے۔ بہر حال کچھ بھی ہو، یہ ماننا پڑے گا کہ ابن ابی عامر المنصور نے اسلام کی سربلندی کے لیے عیسائیوں کو جو شکستیں دی تھیں وہ اُس کا نام ہمیشہ زندہ رکھیں گی۔ وہ خدا کا سپاہی تھا۔ تاریخ اسلام کا وہ ہیرو تھا جس سے محبت بھی کی جانی چاہیے اور اس کی تعریف بھی کی جانی چاہیے۔

Marfat.com

سندھ کے بحری فاتح

جنید بن عبدالرحمٰن

محمد بن قاسم کی سندھ سے واپسی کے بعد کچھ عرصہ تک تو سندھ میں امن و امان قائم رہا لیکن غیر مسلم سابق حکمرانوں کے دلوں میں اپنے تخت و تاج چھن جانے سے جو زخم پڑ چکے تھے۔ وہ کسی صورت مندمل نہ ہوئے۔ سندھ کے ہندو راجاؤں نے متحد ہو کر اعلانِ بغاوت کر دیا اور مختلف علاقوں سے جہاں مسلمانوں کی تعداد نہایت ہی قلیل تھی، مسلمان حاکموں کو نکال باہر کیا اور اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

یہ ۱۰۵ ہجری کا واقعہ ہے۔ جب خلیفہ ہشام اموی تخت نشین ہوا تو اس نے دیکھا کہ ایک طرف تو وسط ایشیا کے چھوٹے چھوٹے حکمران مسلمانوں اور اسلامی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر چکے ہیں اور دوسری طرف اسلامی مملکت کے دُور افتادہ حصوں میں مختلف قومیں مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی ہیں۔

ہشام ایک عقلمند، مستقل مزاج بہادر حکمران تھا۔ وہ اس صورتِ حال سے قطعاً متاثر نہ ہوا۔ اس نے مختلف علاقوں میں باغیوں کا قلع قمع کرنے کے لیے اپنے بہادر، دلیر اور اولوالعزم سپہ سالار مقرر کیے۔ سندھ کی طرف جنید بن عبدالرحمٰن کو والی بنا کر روانہ کیا۔ ساتھ ہی اسے ملکی اور فوجی دونوں اختیارات دے دیئے۔

جنید بن عبدالرحمٰن کو ۱۰۷ ھجری میں سندھ کا والی بنایا گیا تھا۔ جنید نے سندھ میں داخل ہوتے ہی دریائے سندھ کے کنارے کے ساتھ ساتھ

Marfat.com

پیش قدمی جاری رکھی۔ اس زمانہ میں اس علاقہ کا حکمران راجہ داہر کا بیٹا جے سنگھ تھا۔ یہ راجہ داہر وہی تھا جسے محمد بن قاسم نے شکست فاش دے کر سندھ فتح کیا تھا۔ داہر کا بیٹا جے سنگھ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہدِ خلافت میں اسلام قبول کر کے مسلمان ہو چکا تھا اس لیے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسے اپنے علاقہ کی حکومت پر برقرار رکھا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ جُنید بن عبدالرحمٰن کی آمد پر راجہ جے سنگھ نے اپنے پیغامبر کے ہاتھ جنید کو پیغام بھیجا کہ "میں اسلام لا چکا ہوں اور ایک مسلمان ہوں مجھے بادشاہ اسلام نے میری حکومت پر برقرار رکھا تھا اس لیے آپ میرے علاقہ پر حملے نہ کریں مجھے آپ کی پیش قدمی سے سخت خطرہ لاحق ہے۔"

جُنید بن عبدالرحمٰن نے راجہ جے سنگھ کے پیغامبر سے کہا کہ میری طرف سے اپنے راجہ جے سنگھ کو یہ یقین دہانی کرا دو کہ میں اُسے ذرا سا بھی نقصان نہ پہنچاؤں گا۔ وہ بالکل بے فکر اور مطمئن ہو کر اپنے علاقہ پر حکومت کرے۔

اس کے بعد طرفین نے ایک دوسرے کی تسلی و تشفی کے لیے اپنے اپنے کچھ آدمی ایک دوسرے کے پاس بطور ضمانت رہنے کے لیے بھیج دیئے لیکن جے سنگھ کے دل میں چونکہ کھوٹ تھا اس لیے وہ کسی صورت مطمئن نہ ہوا نتیجہ میں دونوں نے اپنے اپنے آدمی واپس بلا لیے۔ اپنے آدمیوں کی واپسی کے فوراً بعد جے سنگھ اسلام سے پھر گیا اور مرتد ہو گیا۔ اُس نے اعلان کر دیا کہ اُس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ ہندو تھا اور ہندو ہے۔ اس کے ساتھ ہی جے سنگھ اپنے بحری بیڑے کو لے کر جُنید بن عبدالرحمٰن کے مقابلے پر آ گیا۔ دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر اسلامی لشکر اور جے سنگھ کی ہندو فوج کا مقابلہ ہوا۔ دوران جنگ جے سنگھ کی کشتی اُلٹی اور ڈوب گئی۔ ساتھ ہی جے سنگھ ڈوب کر موت کا شکار بن گیا۔

جے سنگھ اور جُنید بن عبدالرحمٰن کی اس بحری جنگ میں کفار کی شکست کے بعد جے سنگھ کا بھائی چچ جنید کے مقابلہ کے لیے بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ آیا لیکن

Marfat.com

شکست فاش کھا کر جہنم رسید ہوا۔ اس فتح کے بعد جنید نے کیرج کے علاقہ کا رُخ کیا۔ یہ علاقہ محمد بن قاسم فتح کر چکے تھے لیکن ان کی سندھ سے روانگی کے فوراً بعد اس علاقہ کے کفار نے بغاوت کر کے اپنا قبضہ بحال رکھا تھا۔ جنید نے کیرج کا محاصرہ کر لیا۔ کیرج کی مضبوط شہر پناہ کو قلعہ شکن آلوں سے توڑنے میں چند روز صرف ہوئے۔ اور آخر کار کیرج پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

کیرج کی فتح کے فوراً بعد جنید بن عبدالرحمٰن نے مختلف سپہ سالاروں کو کفار کے مختلف علاقوں کی فتح کے لیے روانہ کیا تو جلد ہی مارواڑ، مانڈل، دبنج، بھروچ، اُجین اور مالوہ وغیرہ کے راجاؤں کو مسلمان سپہ سالاروں نے شکست دے کر ان سارے علاقوں پر قبضے کر لیے۔

جُنید بن عبدالرحمٰن نے خود بھی بھیل مان اور گجرات پر حملے کر کے ان علاقوں کو فتح کر لیا۔ سارے علاقوں پر مسلمانوں کے قبضہ سے مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی اور باغی یا تو ہلاک ہو گئے یا دوسرے علاقوں کی طرف بھاگ گئے۔

خدا کے سچے سپاہی جنید بن عبدالرحمٰن کو ۱۰۷ ہجری سے ۱۱۱ ہجری تک سندھ میں حکومت کا موقع ملا اور انہوں نے اس قلیل سے عرصہ میں سندھ کے تمام ملکی انتظامات کو درست کر لیا۔ غیر مسلم رعایا امن و چین کی زندگی بسر کرنے لگی اور اسلامی فتوحات کو خاصی ترقی ہوئی، نتیجہ میں سندھ کی حکومت کو نہایت کامیابی سے کام کرنے کے مواقع میسر ہو گئے۔

۱۱۱ ہجری میں جُنید بن عبدالرحمٰن کو سندھ سے خراسان بھیج دیا گیا۔ جنید نے خراسان کے والی کی حیثیت سے نئے تقرر پر کام شروع کر دیا تو سندھ میں تمیم داری کا بطور حاکم تقرر ہوا۔ تمیم داری ایک کمزور، نااہل اور سست الوجود انسان تھے، سندھ کی حکومت کو سنبھالنے اور خوش اسلوبی سے انتظامات کرنے میں بُری طرح ناکام رہے جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ سارے سندھ میں جگہ جگہ بغاوت ہو گئی۔ محمد بن قاسم کے زمانۂ فتوحات کے بعد اور جنید بن عبدالرحمٰن کی تازہ کامیابیوں سے سندھ میں مسلمانوں کی شجاعت و عظمت کے جو اثرات مرتب ہوئے تھے، تمیم داری

Marfat.com

کی بزدلی، نااہلی اور بیوقوفی کے باعث حرفِ غلط کی طرح مٹ گئے اور سندھ میں اسلامی حکومت تیزی سے اختتام پذیر ہوئی۔ غیر مسلم سندھی اس قدر قوت حاصل کر گئے کہ آخر کار مسلمانوں کو سندھ سے بے دخل ہونا پڑا۔ مسلمان سندھ سے روانہ ہوتے تو تمیم داری بھی سندھ سے عراق کی طرف چل دیئے، لیکن راہ ہی میں وفات پا گئے۔

اس کے بعد طویل عرصہ تک سندھ میں سندھی غیر مسلموں کی حکومتیں قائم رہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کی باہمی لڑائیوں نے پھر کسی خلیفۃ المسلمین یا مسلمان سلطان کو اس کی مہلت نہ دی کہ وہ سندھ کی طرف خدا کے سپاہی جنید بن عبدالرحمٰن کی طرح کسی مردِ میدان کو بھیج کر غیر مسلموں کی حکومتوں کا قلع قمع کر سکے۔

عبدالرحمٰن الداخل

بنو امیہ کا زوال شباب پر پہنچ گیا تو ۱۳۲ھ میں خاندان بنو عباس کے پہلے خلیفہ ابوالعباس سفاح کے لیے بیعت لی گئی۔ پھر فوراً ہی بنو امیہ کے ایک ایک آدمی کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر انتہائی بے رحمی سے قتل کیا گیا۔ بنو امیہ کے مخالفین کی سنگ دلی اور انسانیت سوز حرکات کا اسی سے اندازہ کرنا چاہیے کہ مخالفین نے بنو امیہ کے معتدد خلیفہ امیر معاویہ رضؓ عبدالملک بن مروان اور ہشام بن عبدالملک کی قبریں کھدوا کر لاشیں باہر نکلوائیں اور ان لاشوں کو کوڑوں سے پٹوایا۔

بنو امیہ کے قتلِ عام کے وقت ایک شہزادہ عبدالرحمٰن دمشق سے غیر حاضر تھا اور اپنی جاگیر واقع دریائے فرات کے کنارے گیا ہوا تھا۔ دمشق میں قتلِ عام شروع ہوا تو عبدالرحمٰن کے عزیز و اقارب بھی اس کی جاگیر میں آ گئے۔ بنو عباس کے فوجی دستے چاروں طرف بنو امیہ کی تلاش میں گھوم رہے تھے کہ اچانک ایک فوجی دستے

Marfat.com

کو عبدالرحمٰن کی قیام گاہ کا پتہ چل گیا۔ اس دستے نے عبدالرحمٰن کے محل کا محاصرہ کیا تو عبدالرحمٰن جان بچانے کے لیے دریا میں کود گئے اور بڑی مشکل سے تیر کر اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوئے۔ اس کے بعد بڑی تکالیف اٹھانے اور انتہائی مشقت برداشت کرنے کے بعد عبدالرحمٰن کو فلسطین پہنچنے کا موقع مل گیا۔ فلسطین میں اُس کی اپنے والد کے ایک آزاد کردہ غلام بدر نامی سے ملاقات ہوگی۔ بدر اپنے ہمراہ شہزادے عبدالرحمٰن کی بہن کے بہت سے زیورات اور جواہرات بھی لایا تھا۔ اس سے عبدالرحمٰن کو بڑی مالی مدد ملی۔

عبدالرحمٰن دشمنوں سے چھپتے چھپاتے بھیس بدل کر فلسطین سے افریقہ آ گئے۔ تو انہیں پتہ چلا کہ یہاں کا گورنر ابھی تک بنو امیہ کا جاں نثار ہے۔ گورنر نے عبدالرحمٰن کا پُرتپاک استقبال کیا۔ وہ اموی جو یہاں پناہ گزین تھے فوراً ہی امیر عبدالرحمٰن کی خدمت میں حاضر ہوئے تو امیر نے قدرے اطمینان محسوس کیا۔

مورخوں نے لکھا ہے کہ بنو امیہ کی اس تباہی و بربادی سے سالہا سال قبل ایک نجومی مسلمہ بن عبدالملک نامی نے یہ پیش گوئی کر رکھی تھی کہ بنو امیہ فلاں ایام میں تباہ و برباد کر دیئے جائیں اور ان میں سے ایک شخص وطن سے بھاگ کر جان بچانے میں کامیاب ہو جائے گا اور تخت و تاج حاصل کر کے بحیثیت والی عوام کی بھرپور حمایت سے کافی عرصہ تک حکومت کرے گا۔ عبدالرحمٰن کو اس پیش گوئی کا علم تھا۔ اُس نے اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے خود کو اس پیش گوئی کا مصداق گردانا۔ عامل افریقہ کو عبدالرحمٰن کے ارادے جان کر خدشہ پیدا ہوا۔ اس عامل کی امیر اندلس یوسف سے رشتہ داری تھی۔ اس نے بلاتاخیر امیر اندلس سے تعلقات منقطع کر کے خلیفہ عباسیہ کی بیعت کا اعلان کر دیا اور اس کے ساتھ ہی عبدالرحمٰن کی ملک بدری کے احکامات جاری کر دیئے۔ اب ایک بار پھر عبدالرحمٰن کی مشکلات کا دَور شروع ہوا۔ انہوں نے بھیس بدل کر صحرا کا رُخ کیا اور کسی ایسے گوشے میں روپوش ہوتے جہاں سے انہیں گرفتار نہ کیا جا سکے۔ حکومت نے ان کی زندہ یا مُردہ گرفتاری پر ایک ہزار اشرفی کا انعام مقرر کر دیا۔ متعدد بار وہ دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہوتے ہوتے بچ

Marfat.com

گئے۔ مصیبت کے ان ایام میں ان کی خراب و خستہ حالت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا تھا کہ انہیں متعدد بار خیرات کے ٹکڑوں سے پیٹ بھرنا پڑا۔

عبدالرحمٰن کو مسلسل پانچ برس اسی کیفیت میں گزارنے پڑے اور آخر کار انہیں ایک بربری قبیلہ بنو نفوسہ کے پاس پناہ لینی پڑی۔ یہ اُن کی ننھیال کا قبیلہ تھا۔ اس کے پاس پہنچ کر انہوں نے بڑا اطمینان و سکون محسوس کیا اور وہ اپنی حکومت کے پروگرام ترتیب دینے لگے۔ افریقہ میں ان کی حکومت کا کوئی امکان نظر نہ آتا تھا۔ اس لیے انہوں نے اپنے سچے ساتھی بدر کو اندلس میں اپنے خاندان کے ہمدردوں کے پاس بھیجا۔ انہوں نے بدر کے ہاتھ اپنے ہمدردوں کے نام جو خط بھیجا اُس میں خود کو اندلس کی حکومت کا صحیح حقدار بھی ظاہر کیا۔ شام کے چند دوستوں کی طرف سے شہزادہ عبدالرحمٰن کو مالی مدد کی صورت میں جو کثیر روپیہ ملا تھا وہ انہوں نے بدر کو دے دیا۔ بدر نے اُندلس پہنچ کر حالات کا جائزہ لیا اور حالات کو عبدالرحمٰن کے حق میں سازگار پاکر مقتدر لوگوں میں روپیہ تقسیم کر دیا۔ اس کے نتیجہ میں بہت سے اندلسی عبدالرحمٰن کے حامی بن گئے۔ اُندلس کی بدامنی نے بھی عبدالرحمٰن کی مدد کی۔ بدر، امیر عبدالرحمٰن کو اپنے ہمراہ لے کر ایک بحری جہاز سے اندلس کے ساحل پر اُترا تو عبدالرحمٰن کے ساتھ بربریوں کی ایک جماعت بھی آئی تھی۔ ہزاروں لوگوں نے امیر عبدالرحمٰن کا شاندار استقبال کیا اور اُسے ایک شخص عبداللہ نامی قریب ہی واقع اپنے ایک قلعہ میں لے گیا۔ عبداللہ بنو امیہ کا زبردست حامی تھا اس لیے اُس نے بخوشی عبدالرحمٰن کی میزبانی قبول کی تھی۔

انہی ایام میں امیر اندلس یوسف سے ایک غلطی سرزد ہوئی جس کا عبدالرحمٰن نے فائدہ اٹھایا اور اپنے حامیوں کی تعداد میں زبردست اضافہ کر لیا۔ اب کیفیت یہ تھی کہ عبدالرحمٰن جو چند ہفتے قبل اپنی جان بچانے کے لیے در در کی ٹھوکریں کھاتا پھرتا تھا۔ اب اندلس کے تخت و تاج کا جائز وارث اور ایک سمجھدار سپہ سالار کی حیثیت سے روشناس ہونے لگا۔ امیر اندلس یوسف نے اس نئے دعویدار سے خوفزدہ ہو کر صلح کی گفتگو کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ آخر کار عبدالرحمٰن متعدد

Marfat.com

شہروں پر قبضہ کرتے ہوئے قرطبہ کی طرف چلا۔ دونوں فوجوں کے درمیان دریا تھا۔ عبدالرحمٰن نے صلح کے بہانے خاموشی سے رات کے وقت اپنی فوج دریا سے پار کر لی۔ عبدالرحمٰن کی فوج بھوکی تھی۔ یوسف نے اسے رسد بھجوا دی تھی۔ عبدالرحمٰن نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور طلوع آفتاب کے وقت حملہ کا فیصلہ کر لیا! اتفاقاً طویل عرصہ قبل اسی روز عبدالرحمٰن کے ایک بزرگ نے یوسف نامی اپنے کسی دشمن پر فتح حاصل کی تھی اور آج اس جنگ کی سالگرہ تھی۔ اس حسن اتفاق نے عبدالرحمٰن کی فوج کے دل بڑھا دیئے اور وہ یقین کرنے لگے کہ وہ بھی اپنے دشمن یوسف کو شکست فاش دیں گے۔ ان کی خود اعتمادی نے یوسف کی فوج میں مایوسی پھیلا دی۔ جنگ شروع ہوئی تو یوسف کی فوج کو بری طرح شکست ہوئی اور یوسف بصد مشکل اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو سکا۔ یوسف نے دوسری بار پھر فوج جمع کر کے عبدالرحمٰن کا مقابلہ کیا لیکن اس بار بھی کامیاب نہ ہو سکا اور آخر کار قتل ہو گیا۔

امیر عبدالرحمٰن نے ہوتے ہوئے اپنی راہ کی ساری رکاوٹیں صاف کر دیں۔ متعدد مخالفوں اور مقامی خانہ جنگی کے عادی لوگوں کو سخت سزائیں دیں۔ علاوہ ازیں ایک بغاوت کو بھی کچل ڈالا۔ اندلس میں امیر عبدالرحمٰن کی کامرانیوں نے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کو خوفزدہ کر دیا اور وہ سوچنے لگا کہ اگر بنو امیہ کا یہ آخری نوجوان شہزادہ اندلس کے تخت و تاج کا مالک بن گیا تو اس کے لیے زبردست پریشانی کا سبب بن جائیگا اس لئے اسے اسی مرحلہ پر راستہ سے ہٹا دینا چاہیئے۔

عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے قیروان کے والی علاء۔ ابن مغیث کو حکم بھیجا کہ وہ بلاتاخیر اندلس کو فتح کر لے۔ عباسی خلیفہ نے اس خیال کے تحت کہ اندلس کے لوگ اور قیروان کے عوام کو یہ پتہ چل جائے کہ علاء۔ اس کا خصوصی معتمد ہے، اسے اپنا سیاہ علم بھی بھیج دیا۔ علاء۔ ابن مغیث نے امیر عبدالرحمٰن کی سرکوبی کے لیے اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کیا تھا اس کے لشکر میں امیر عبدالرحمٰن کے مخالف بھی شامل تھے۔ عوام نے خلیفہ کے سیاہ پرچم کو لشکر کے آگے دیکھ کر علاء۔ ابن مغیث کا اس قدر عظیم الشان استقبال کیا کہ عبدالرحمٰن کا بھی نہ کیا تھا۔ لوگوں نے خلیفہ ابو جعفر منصور

Marfat.com

کو بادشاہ قرار دینے کے ساتھ ساتھ عبدالرحمٰن کو باغی اور غاصب قرار دیا۔ لشکریوں کے حوصلے بڑھانے کے لیے اس جنگ کو جہاد کہا گیا اور عبدالرحمٰن کو باغی اور غاصب قرار دیا۔ اور عبدالرحمٰن کو اس طرح خارجی اور کافر سمجھا جانے لگا۔ اس کا سر لانے والے کو ایک بڑے انعام کا مستحق ٹھہرایا گیا۔

امیر عبدالرحمٰن کو ایک بار پھر انتہائی مشکل حالات کا سامنا تھا۔ عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور کی فوج نے جو مقامی باغیوں کی شمولیت کے بعد بڑی طاقتور بن گئی تھی۔ اندلس کے بیسیوں چھوٹے بڑے شہروں پر قبضہ کر لیا۔ دارالحکومت کے اردگرد کے سرسبز و شاداب مضافات بربریوں کے سواروں کی لوٹ مار کا نشانہ بنے۔ عبدالرحمٰن مجبوراً قرمونہ میں محصور ہوا۔ محاصرہ کو دو ماہ گزر گئے تو عباسی فوج اپنی فتوحات اور کثیر تعداد کے باعث بے فکر ہو کر غفلت کا شکار بن گئی۔ فوج کے افسر لاپرواہی برتنے لگے اور سپاہیوں نے بھی چشم پوشی کو اپنا شعار بنا لیا۔ امیر عبدالرحمٰن کو لمحہ لمحہ کی خبریں مل رہی تھیں اور وہ کسی مناسب موقع کے منتظر تھے۔ انہوں نے ایک رات کو مناسب موقع پا کر عباسی فوج پر حملہ کر دیا۔ عباسی فوج غفلت میں بری طرح ماری گئی۔ آفتاب طلوع ہوا تو پتہ چلا کہ عباسی فوج کے سات ہزار آدمیوں اور امیر عبدالرحمٰن کے خلاف بغاوت کرنے والے مقامی سرکردہ لوگوں کی لاشیں میدان جنگ میں پڑی ہیں۔ علاء اور عباسی فوج کے دوسرے سارے افسر بھی موت کا شکار بن گئے تھے۔ علاء اور اس کی فوج کے افسروں کے عضو کاٹ کر دھونے اور صاف کرنے کے بعد نمک اور کافور لگا کر تھیلوں میں بند کیے گئے اور ان پر مہریں لگا دی گئیں۔ ہر نعش کے کان میں صاحبِ نعش کا نام اور عہدہ لکھ کر لٹکایا گیا تھا اور یہ سارے تھیلے ایک تاجر کے سپرد کیے گئے کہ انہیں قروان کے بڑے بازار میں خاموشی سے رکھ کر لوٹ آئے۔ تاجر نے اس حکم کی تعمیل کی اور جب خلیفہ ابوجعفر منصور کو اپنی اس مہم کے نتیجہ کا پتہ چلا تو اس کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔

Marfat.com

"یہ انسان کا نہیں کسی شیطان کا کام ہے۔ میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے میرے اور میرے اس خونخوار وحشی دشمن کے درمیان سمندر کی رکاوٹ حائل کر رکھی ہے"۔

اپنی اس عظیم الشان فتح کے بعد عبدالرحمٰن نے اپنے دشمنوں کو چُن چُن کر ختم کیا۔ امیر عبدالرحمٰن کو اقتدار سے محروم کرنے کے لئے جو سازش کی جاتی تھی امیر اُسے سرعت سے دبا دیتے تھے اور سازشیوں کو عبرت ناک سزائیں دیتے تھے۔ امیر اندلس کا بیٹا ابو الاسود عمر قید کاٹ رہا تھا۔ وہ کسی طرح جیل خانہ سے فرار ہو گیا۔ اس کے حامی اُسے طلیطلہ لے گئے پھر اسے بے شمار لوگوں کی مدد و حمایت حاصل ہو گئی۔ ایک طرف تو اس کے حامیوں نے فرانس کے بادشاہ شارلیمین سے سازش کی اور دوسری طرف مسلمان عباسی خلیفہ بغداد ابو جعفر منصور نے عیسائی شاہ فرانس شارلیمین سے معاہدہ کر لیا کہ اندلس مسلمان باغی عباسیوں کا علم بلند کر کے بالواسطہ عیسائیوں کی سلطنت اندلس میں قائم کرا دیں گے۔ اس معاہدہ کے تحت ایک طرف سے شارلیمین کو اپنے زبردست لشکر کے ساتھ اندلس پر حملہ کرنا تھا اور شمال کی طرف سے مسلمانوں کو بغاوت کر کے شارلیمین کی مدد کرنی تھی۔

اس سازش کے تحت موسم بہار کی ابتدا میں شارلیمین اپنے بھاری لشکر کے ساتھ سرقسطہ شہر کی فصیل کے نیچے پہنچ گیا۔ اس شہر پر اس کے حلیف قابض تھے۔ اس شہر کے مسلمانوں نے اس کی مدد کا وعدہ کر رکھا تھا لیکن جونہی شارلیمین کا عیسائی لشکر شہر کی فصیل کے نیچے پہنچا۔ مقامی مسلمانوں نے گہرے غور و فکر کے بعد خیال کیا کہ شارلیمین کی فتح کا مطلب اسلام کی شکست ہو گا چنانچہ ایک تو اس قومی خیال کے تحت اور چند دوسری وجوہات کے تحت مقامی مسلمانوں نے شارلے کی مدد سے انکار کر دیا۔ شارلے کو اس صورتِ احوال کا پتہ چلا تو اس نے غصہ سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے اسی شہر کو اپنے محاصرے میں لے لیا۔ ابھی محاصرہ جاری تھا کہ شارلے کو خبر ملی کہ اس کے ملک پر قوم سکس حملہ آور ہو چکی ہے۔ مجبوراً شارلے محاصرہ اٹھا کر واپس ہوا۔ جونہی اس کی فوج واپسی کے

Marfat.com

قصد سے روانہ ہوئی۔ راہ میں اندلس کے لوگوں نے اُن پر حملے شروع کر دیئے اور مسلسل حملوں سے شارلے مین کی فوج کو تباہ برباد کر ڈالا۔

فرانس کے سوقسط پر حملہ کی خبر امیر عبدالرحمٰن کو ہوئی تو وہ بلا تاخیر سوقسط آ گئے اور شہر کو فتح کر لیا۔ اس کے فوراً بعد امیر عبدالرحمٰن قوم باسک کے ملک پر حملہ آور ہوئے اور وہاں کے عیسائی کاؤنٹ کو شکست فاش دے کر اس کی ریاست کو قرطبہ کی باجگزار بنانے میں کامیابی حاصل کی۔

امیر عبدالرحمٰن کو اپنی آخری عمر اپنے عزیز و اقارب کی سرکشیوں کے باعث بڑی تلخی کے عالم میں گزارنی پڑی حالانکہ اس کے یہی قریبی عزیز و اقارب اسی کی فیاضی کے باعث شاہانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ شاید یہ سرزمین اندلس کی تاثیر کے سبب تھا کہ امیر عبدالرحمٰن کے خلاف ان گنت سازشیں ہوئیں جو ناکام رہیں۔ امیر کا قدیم جاں نثار بدر بھی جس نے امیر کی بڑی خدمت کی تھی اپنی کسی گستاخی کے سبب قید کر دیا گیا اور بحالت اسیری ہی اس کا انتقال ہوا۔ امیر سازشیوں کو قرار واقعی سزا دینے کا قائل تھا۔

امیر عبدالرحمٰن بہترین دل و دماغ کا مالک تھا۔ صاف ستھرا ادبی ذوق رکھتا تھا۔ اُس کی بہترین صلاحیتوں کے سلسلے میں یہ ثبوت پیش کیے جاتے ہیں کہ انہوں نے ایک طرف تو کوہستانیوں کی دراز دستیوں اور خانہ جنگیوں پر قابو پایا تھا اور دوسری طرف اُس زمانے کی دو زبردست سلطنتوں فرانس اور بغداد دونوں کا بیک وقت مقابلہ کر کے انہیں اندلس میں پیش قدمی سے روک دیا تھا اور وہ سبق سکھایا تھا کہ اس پر قدیم اور جدید سارے مورخین نے امیر کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

ابتدا میں امیر عبدالرحمٰن اپنی رعایا کے حالات سے آگاہی کے لیے بھیس بدل کر راتوں کو شہر میں گھومتے پھرتے تھے۔ مگر بعد میں جب سازشیں اور بغاوتیں شباب پر پہنچ گئیں تو انہیں مجبوراً یہ طریق کار ترک کرنا پڑا۔ امیر کو خانہ جنگیوں اور بیرونی حملوں سے جب کبھی فرصت ملتی تھی وہ اپنے وقت کا زیادہ سے زیادہ حصہ رعایا کی فلاح و بہبود کی تجاویز سوچنے پر صرف کرتے تھے اور ایسے قوانین

Marfat.com

وضع کرتے رہتے تھے جن سے رعایا خوش حال ہو جاتے۔ انہوں نے رعایا میں فروغ علم کے لیے بھی بڑی کوشش کی۔ پرانی سڑکوں کی مرمت کرائی۔ ڈاک کا انتظام کیا اور جرائم پیشہ لوگوں کا قلع قمع کر ڈالا۔ اُندلس میں کھجور کا پہلا درخت انہوں نے لگوایا۔ وہ خود شاعر تھے اس لئے مشاعرے منعقد کراتے رہتے تھے امیر نے ۱۷۲ھ میں بعمر اٹھاون برس انتقال کیا۔ انہوں نے ۳۳ برس تک حکومت کی تھی۔

سلطان سلیمان اعظم

سلطان سلیمان نے ۱۴۹۴ء کو ترکی کے خلیفہ سلیم اوّل کے گھر جنم لیا تھا۔ اس کی تعلیم و تربیت اعلیٰ پیمانہ پر ہوئی اور اُس نے فنون سپاہ گری کے علاوہ سارے علم و فنون سیکھنے میں پوری توجہ اور ذوق و شوق سے کام لیا۔ نتیجہ میں وہ ہر فن میں مہارت حاصل کر گیا۔

۱۵۲۰ء میں سلطان سلیم اوّل کا انتقال ہوا تو سلیمان کو بادشاہت ملی۔ اس کے زمانہ میں ہندوستان پر مغل اعظم اکبر حکومت کر رہا تھا اور انگلستان پر ہنری ہشتم کی حکمرانی تھی۔ گویہ دونوں بادشاہ اپنے زمانہ کے انتہائی کامیاب حکمران تسلیم کئے جاتے ہیں، لیکن سلطان سلیمان کو ان دونوں پر اس لحاظ سے برتری حاصل تھی کہ سلطان سلیمان جسے مورخوں نے سلیمان اعظم تسلیم کیا ہے۔ اپنی قابلیت، تدبیر، شجاعت و دلیری، حوصلہ مندی، قانون دانی اور قانون سازی میں اپنی مثال آپ تھا۔ اس کی فہم و فراست کا یہ عالم تھا کہ سارے یورپ کے بادشاہ اس سے ڈرتے تھے اور ہمیشہ اس کوشش میں محو رہتے تھے کہ اس سے دوستانہ تعلقات قائم کریں۔

Marfat.com

سلطان سلیمان اعظم کی فتوحات کے مفصل حالات بیان کرنے کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔ ہم یہاں مختصراً اس عالی شان بادشاہ کی فتوحات کا حال بیان کرتے ہیں۔

سلطان سلیمان اعظم نے ان گنت جنگوں میں بنفسِ نفیس حصہ لیا تھا اور ہر جنگ میں دشمن کو شکستِ فاش دی تھی۔ اس نے ۱۵۲۲ء کو جزیرہ رہوڈس کے عیسائی بحری ڈاکوؤں کو ان کی بحری کمین گاہوں سے نکال کر موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ شمال میں بلغراد کو فتح کیا تھا۔ ۱۵۲۶ء میں سلطان نے ہنگری کے شاہ لوئیس دوئم اور اس کی بیس ہزار فوج کو موت کے گھاٹ اتار کر ہنگری پر قبضہ کر لیا تھا۔ جس کے نتیجہ میں ہنگری تقریباً ڈیڑھ سو سال تک ترکی سلطنت کا ایک صوبہ بنا رہا تھا۔ ۱۵۲۶ء کو سلطان نے وی آنا کا محاصرہ کر لیا تھا۔ اگرچہ سلیمان وی آنا کو مکمل فتح نہ کر سکا تھا لیکن آرچ ڈیوک فرڈی ننڈ نے خراج ادا کرنے کی شرط قبول کر کے اس سے صلح کر لی تھی۔

۱۵۳۸ء میں یورپ کی ساری ریاستوں نے متحد ہو کر سلطان کو شکست دینے کے لیے ایک لشکر جرار تیار کیا اور اپنے لشکریوں کے جوش و خروش کو شباب پر پہنچانے کے لیے پوپ سے بھی امداد حاصل کی اور اس جنگ کو مذہبی جنگ کا نام دے کر سلطان سلیمان اعظم کے مدِ مقابل آئے۔ لیکن سلطان سلیمان نے اللہ تعالے کے فضل و کرم اور مدد و حمایت کی بنا پر عیسائیوں کی اس متحدہ فوج کو بھی شکست فاش دی۔ سلطان کے مجاہدانہ حملوں سے یورپ کی اس متحدہ فوج کو ایسی عبرت ناک شکست ہوئی کہ پھر خاصی مدت تک عیسائیوں نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرات نہ کی۔ سلطان سلیمان اعظم کا زمانہ سلطنت عثمانیہ کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا اس وقت کی سلطنت عثمانیہ دریائے ڈینیوب کے کنارے بوڈاپسٹ سے لے کر دریائے نیل کی مشہور آبشار اسوان تک اور فرات سے لے کر جبل الطارق تک پھیلی ہوئی تھی۔

Marfat.com

سلطان سلیمان اعظم کے عہد میں سمندر میں ڈنگہ بیڑوں کی جولانیاں اور عیسائی بحری ڈاکوؤں کی دست درازیاں شباب پر پہنچی ہوئی تھیں، سلطان نے ان کی طاقت کو ختم کرنے کے لیے فیصلہ کیا کہ ایک زبردست بحری بیڑا تیار کیا جائے اور ان کا قلع قمع کر کے بحری راستوں کو بھی پُر امن بنا دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے سلطان نے اس زمانہ کے مشہور مسلمان خیر الدین باربروسہ کی خدمات حاصل کیں۔ خیر الدین باربروسہ اپنے طور پر بحرہ روم میں عیسائی لیٹروں کو قرار واقعی سزا دے رہا تھا اور چاہتا تھا کہ اُسے کوئی قدردان مسلمان بادشاہ مل جائے تو وہ ان عیسائی بحری غارت گروں کا نام و نشان تک مٹا کر رکھ دے۔ ادھر سلطان سلیمان اعظم کسی ایسے مسلمان کی تلاش میں تھا جو بحری معاملات میں ماہر ہو چنانچہ دونوں کے اتحاد کے باعث اسلام کی سربلندی و سرفرازی کے لیے وہ کارنامے سرانجام پائے جو آج بھی تاریخ کے صفحات پر روشن تاروں کی طرح جگمگا رہے ہیں۔

خیر الدین باربروسہ نے سلطان سلیمان اعظم کی ملازمت میں آنے کے بعد اپنی سرگرمیوں کو شباب پر پہنچا دیا۔ سلطان نے اُسے امیر البحر کا خطاب دے کر ایک عظیم الشان جنگی بحری بیڑا بنانے کی دعوت دی تھی، جسے خیر الدین باربروسہ نے منظور کر کے جلد سے جلد ایک شاندار بحری بیڑا تیار کر لیا تھا۔

خیر الدین باربروسہ نے اُس زمانے کے سب سے بڑے طاقتور اور مشہور عیسائی امیر البحر ڈوری آڈریاٹک کو سمندر میں شکست فاش دے کر مار بھگایا تو سارا یورپ خیر الدین باربروسہ نے بربری ریاستوں سے اہل ہسپانیہ کو بے دخل کر دیا اور بہت سے جزیروں کو فتح کر کے سلطنت ترکیہ میں شامل کر لیا۔ ان بحری فتوحات کے نتیجہ میں اردگرد کے سارے سمندر سلطان سلیمان اعظم کے قبضہ میں آگئے۔ علاوہ ازیں بحرہ روم، بحیرہ اسود، بحیرہ قلزم، بحیرہ عرب اور بحرِ ہند میں ترکی جہاز پوری آزادی اور سلامتی کے ساتھ آمد و رفت کرنے لگے تھے۔ بحری بیڑے کی کامیابیوں نے نہ صرف خیر الدین باربروسہ کو ایک ہیرو بنا دیا بلکہ امیر البحر حسن آغا، طورد

Marfat.com

غوث پاشا اور پیالے پاشا ایسے بہادر و شجاع اور ذہین و فہیم امیر البحر بھی پیدا کر دیئے، جنہوں نے اُس زمانے میں ایسے ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے کہ تاریخ میں آج بھی ان سب کے نام سنہری حروف سے لکھے جاتے ہیں۔

سلطان سلیمان اعظم نے نہ صرف یورپ بلکہ ایران اور افریقہ کے کئی علاقے فتح کر لئے تھے اس کے ساتھ ہی سلطان سلیمان اعظم نے بہادر شاہ والئی گجرات کاٹھیاوار کو پرتگیزوں کے مقابلے میں امداد بہم پہنچائی تھی اور پرتگیزوں کو بحیرہ عرب سے نکال کر بھگا دیا تھا۔

اس زمانہ میں تمام دُنیا پر مسلمان ترکوں کی جرأت و شجاعت اور دلیری و بہادری روز روشن کی طرح عیاں تھی اور ساری دنیا سلطان سلیمان اعظم کے نام سے کانپتی تھی اگر اس زمانہ میں مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ اسی طرح جاری و ساری رہتا تو یقیناً آج ساری دنیا حلقہ بگوش اسلام ہوتی اور دُنیا کے ہر حصہ پر اسلامی علم لہراتے نظر آتے، لیکن تاریخِ اسلام کے صفحات ہمیں بتاتے ہیں کہ جب کبھی ایسا موقع آیا کہ ساری دُنیا پر اسلام چھا جائے۔ خود مسلمانوں میں ایسے بدبخت کُچھ جو پیدا ہو گئے جن کی بدولت نہ صرف اسلام کے پھیلاؤ کی راہ ہی میں رکاوٹ پیدا ہو گئی بلکہ خود اسلام کو ایسا نقصان پہنچا جو ناقابلِ تلافی تھا۔ ایک ایسا موقعہ وہ تھا جب سلطان بایزید یلدرم سلطان ترکی یورپ کے بیشتر حصوں کو فتح کرتا ہوا یورپ کے وسط میں پہنچا ہوا تھا کہ اس کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کے لیے تیمور لنگ[۲] پیدا ہو گئے جنہوں نے بلاوجہ سلطان بایزید یلدرم کی مملکت پر حملہ کر دیا اور سلطان کے سمجھانے بجھانے کے باوجود اپنی اس مذموم حرکت سے باز نہ آیا۔

سلطان سلیمان اعظم کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ سلطان سلیمان اعظم یورپ میں مصروفِ پیکار تھا تو اس موقعہ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے شاہ ایران طہماسپ نے تبریز پر حملہ کر دیا۔ اس وقت چونکہ سلطان سلیمان کی تقریباً ساری طاقت یورپ کے محاذ پر مصروفِ پیکار تھی، اس لئے طہماسپ کو باآسانی تبریز پر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا۔

---

۲ تیمور لنگڑا تھا اور اسلام سے بے بہرہ!

Marfat.com

سلطان سلیمان اعظم کو طہماسپ کی اس مذموم حرکت کا علم ہوا تو اسے سخت افسوس بھی ہوا اور اس نام نہاد مسلمان شاہ پر بھی آیا سلطان سلیمان نے یورپ کے محاذِ جنگ کو تو چھوڑا اور اس نام کے مسلمان شاہ کی خبر لینے کے لیے ایران پر حملہ کر دیا۔ ایرانیوں میں سلطان سلیمان کا مقابلہ کرنے کی ہمت کہاں تھی۔ بزدل ایرانی بُری طرح شکست کھا کر بھاگے اور سلطان نے باسانی تبریز پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد سلطان سلیمان اعظم نے ایرانی منافقوں کو سزا دینے کے لیے ایران کو روندتے ہوئے بغداد پر قبضہ کر لیا۔ سلطان بغداد میں فاتحانہ داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مقدس کی زیارت کے لیے گیا۔ اس نے مزار مبارک پر پہنچنے کے بعد پہلا حکم یہ جاری کیا کہ مزار کی از سرِ نو تعمیر و مرمت کی جائے۔

سلطان سلیمان اعظم ایک زبردست فاتح اور جنگجو سپاہی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند درجہ عالم، شاعر اور قانون دان بھی تھا۔ سلطان اپنی سلطنت میں امن و امان اور ضبط و نظم قائم رکھنے کا اس درجہ شائق تھا کہ جب اس کے بیٹے نے بغاوت کی تو سلطان نے اس کے ساتھ کسی قسم کی رعایت اور نرمی نہ کی بلکہ اپنے بیٹے کو بغاوت کے جرم میں موت کی سزا دی۔ جس پر فوراً عملدرآمد ہوا۔

سلطان سلیمان اعظم کو اپنی فوج کا بڑا خیال رہتا تھا۔ اُس نے اپنی فوج کو جدید طریقوں سے منظم کیا تھا اور اس کی فوج کی جرأت و بہادری اور ضبط و نظم کا یہ عالم تھا کہ یورپ کے سارے حکمران اس سے ہمیشہ خوفزدہ رہتے تھے۔

مورخ سلطان سلیمان اعظم کو مختلف ناموں سے یاد کرتے ہیں کوئی تو اسے سلیمان عالی شان کہہ کر یاد کرتا ہے اور کوئی اسے سلیمان اعظم کہتا ہے۔ بعض مورخوں نے اسے سلیمان قانونی کہہ کر یاد کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سلطان سلیمان اعظم نے آئین و قوانین کو ترتیب دیا تھا۔ ملک میں اسلامی آئین کو رواج دینے کے لیے سلطان نے بعض مشہور و معروف علماء و فضلاء کی

Marfat.com

ایک مجلس مقرر کی تھی، جس کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ ملک کے لیے ایک معقول آئین مرتب کرے۔ علاوہ ازیں سلطان نے مذہبی عدالتوں کے نظام کی درستی کے لیے بھی مثبت اقدام کیے تھے۔

سلطان سلیمان اعظم نے متعدد عظیم الشان عمارتیں بھی تعمیر کرائی تھیں۔ قسطنطنیہ کی مسجد سلیمانیہ اس کے دورِ حکومت کی ایک مشہور یادگار آج بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ غرضیکہ سلطان سلیمانِ اعظم کا دورِ حکومت سلطنت عثمانیہ کی تعمیر و ترقی کا زریں دور تھا۔ مورخ سلطان سلیمان اعظم کو اس لیے عظیم بادشاہ تسلیم نہیں کرتے کہ اُس نے یورپ کا بہت سا حصہ فتح کر لیا تھا بلکہ سلطان سلیمان اعظم کی عظمت اور عزت و احترام کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس مسلمان سلطان نے اُس زمانہ میں فتوحات حاصل کر کے پرچم اسلام کو بلند کیا۔ جب یورپ میں چارلس اوّل، فرانسس اوّل، ایلزبتھ، لوئی دہم جیسے بادشاہ اور کولمبس، اے لوف، چارلس اور کورٹس سے قابل ترین جہازراں موجود تھے۔ عین اس وقت جب چارلس شاہ فرانس اپنے عروج کی انتہائی بلندیوں پر تھا، سلطان نے ہنگری پر قبضہ کر لیا تھا اور وی آنا کو اپنی ایک باجگزار ریاست بنا لیا تھا۔

سلطان سلیمان اعظم نے ۴۸ سال تک بڑی شان و شوکت سے حکومت کرنے کے بعد بعمر ۷۲ سال ۱۵۶۶ء میں بمقام آسٹریا وفات پائی تھی اور اسے قسطنطنیہ میں دفن کیا گیا تھا۔

سلطان ابنِ سعود

سلطان ابن سعود کا اصل نام عبدالعزیز تھا۔ آپ کے والد امام عبدالرحمٰن شہر ریاض کے ایک بہت بڑے سردار تھے۔ ان کے مورثِ اعلیٰ سعود اعظم کسی زمانہ میں عرب کے حکمران رہے تھے۔ اس لئے امام عبدالرحمٰن کے دل میں

Marfat.com

ہمیشہ یہ امنگ مچلتی رہتی تھی کہ وہ اپنے دادا کی کھوئی ہوئی سلطنت کو کسی نہ کسی طرح ضرور حاصل کریں۔ یہی وجہ ہے کہ جب عبدالعزیز ابن سعود نے جنم لیا تو انہیں مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ عسکری تعلیم و تربیت بھی دی جانے لگی۔ انہیں شمشیر زنی، بندوق سازی اور دوسرے عسکری علوم و فنون میں بڑا مشاق کیا گیا۔ اُن کے والد انہیں روزانہ علی الصبح بیدار کرتے اور ہمہ اقسام فنون سپاہ گری میں تربیت دیتے۔ گرمیوں میں تپتی ہوئی ریت اور جلتی ہوئی چٹانوں پر ننگے پاؤں دوڑاتے تاکہ وہ بچپن ہی سے سختیاں جھیل جھیل کر اس کے عادی ہو جائیں اور جوان ہو کر ایک بہادر جفاکش اور مستقل مزاج سپاہی بن جائیں۔

ابنِ سعود نے جوانی میں قدم رکھا تو دیکھا کہ عرب کی حالت بہت خراب و خستہ ہو چکی ہے۔ بعض علاقوں پر ترکوں کی حکومت قائم ہے اور بعض پر عربی سرداروں نے اپنا اقتدار قائم کر رکھا ہے۔ ملک عرب بغاوتوں اور کشت و خون کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ چونکہ عوام کو دینی تعلیم دینے کا کوئی اہتمام نہ تھا اس لئے وہ انتہائی جہالت شرک اور دوسری خرافات کا شکار بنے ہوتے تھے۔ لوٹ مار عام تھی۔ قافلوں کے سلامتی سے گذرنے کا کوئی ذمہ دار نہ تھا۔ حج کے ایام میں بدوؤں کی دھاندلیاں شباب پر جا پہنچتی تھیں۔ وہ غریب حاجیوں سے مکر و فریب کے مرتکب ہوتے تھے اور انہیں دونوں ہاتھوں سے جی بھر کر لوٹتے تھے۔ اگر کوئی حاجی ان کے مطالبۂ زر کو ٹھکرا دیتا تو اُسے بلا خوف و خطر موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔ حاجیوں کے قافلوں کو علی الاعلان لُوٹنا بدوؤں کا معمول تھا۔ چونکہ ملک میں کوئی باضابطہ حکومت قائم نہ تھی اس لیے ملک میں عوام کی حیثیت بھیڑ بکریوں سے زیادہ نہ تھی۔ ملک اچھی سڑکوں سے خالی تھا۔ نہ ملک میں کوئی ہسپتال تھا اور نہ عوام کو بنیادی سہولتیں فراہم کرنے کے لیے کوئی ادارہ قائم تھا۔ انگریزوں نے ملک کی اس خراب و خستہ حالت کو دیکھ کر ملک پر قبضہ کرنے کے لیے سازشیں شروع کر دیں۔ انگریزوں نے شریف حسن نامی ایک عرب سردار کو بادشاہت کا لالچ دیا اور ترکوں کے خلاف بغاوت کرنے پر رضامند کر لیا

Marfat.com

نے سادہ لوح عربوں کو بہلا پھسلا کر ملک میں فتنہ و فساد کا بیج بو دیا اور ایک مرحلہ پر کھلم کھلا ترکوں کے خلاف بغاوت کر دی۔ ترکوں نے بغاوت پر قابو پانے کی انتہائی کوشش کی۔ مگر اس وقت خود ترکوں پر عیسائی سلطنتوں نے چڑھائی کر رکھی تھیں۔ اس لیے وہ عربوں کی بغاوت پر خاطر خواہ توجہ دینے سے قاصر تھے۔ پھر انگریزوں نے شریف حسین کی روپے پیسے اور ہتھیاروں کے علاوہ لڑنے والے سپاہیوں سے بھرپور عملی مدد کی تھی۔ انگریزوں کی ہندوستان کی دیسی فوج کے کئی باقاعدہ دستے محاذ جنگ پر ترکوں کے خلاف نبرد آزما تھے۔ ان دیسی دستوں میں مسلمان سپاہی بھی تھے۔ ان سپاہیوں میں سے بعض نے اپنے مسلمان بھائی ترکوں کے خلاف جنگ کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا اور اس کی پاداش میں سزائیں پائی تھیں۔ لیکن بعض مردود سپاہی ایسے بھی تھے جنہوں نے حرم شریف کی حفاظت پر مامور ترکی سپاہیوں پر حملے کرنے سے بھی دریغ نہ کیا تھا۔ غرضیکہ انگریزوں کی بھرپور امداد سے شریف حسین نے ترکوں کو شکست دے کر ملک پر قبضہ کر لیا تھا۔ شریف حسین کے دورِ اقتدار میں عرب عوام کی حالت مزید خراب ہو گئی۔ ہر طاقتور شخص کو کھلی چھٹی ملی ہوئی تھی کہ کمزور کو جس طرح چاہے دبائے رکھے۔ بدّو لٹیرے اور ڈاکو روز روشن میں راہ گیروں کا مال و اسباب چھین لیتے تھے اور مزاحمت کرنے پر انہیں قتل تک کر ڈالتے تھے۔ غرضیکہ شریف حسین کی حکمرانی بھی برائے نام تھی ہر طرف بد انتظامی نے عوام پر زندگی کے دروازے بند کر رکھے تھے۔

ابنِ سعود سے اپنے ملک کی یہ خراب و خستہ حالت دیکھی نہ گئی اور انہوں نے اپنے ملک کی مصیبتوں کو دور کرنے کے لیے عملی اقدامات شروع کر دیئے۔ انہوں نے ایک مختصر سی فوج بنا کر شریف حسین کی فوجوں پر حملے شروع کر دیئے۔ اور بیشتر محاذوں پر شریف حسین کی فوجوں کو شکست بھی دی۔ اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ہولے ہولے بہت سے لوگ آپ کے جھنڈے تلے آنے

Marfat.com

لگے اور آپ کے پاس ایک زبردست فوج جمع ہوگئی۔ ہولے ہولے آپ کے حملوں سے شریف حسین کی فوجوں میں بددلی پھیلنے لگی اور ایک مرحلہ پر جب شریف حسین کی فوج میں مقابلہ کی سکت یکسر ختم ہوگئی تو شریف حسین نے راہِ فرار اختیار کی اور اس کے بعد تمام نجد و حجاز ابنِ سعود کی حکمرانی تسلیم کرنے لگا۔

سلطان ابنِ سعود نے برسرِ اقتدار آکر سب سے پہلے ملک میں امن و امان قائم کرنے اور عوام کو صحیح اسلامی تعلیم سے واقف کرنے کا اہتمام کیا۔ شاہ ابنِ سعود چونکہ انگریزوں کے پروردہ شریف حسین کو شکست دے کر برسرِ اقتدار آئے تھے۔ اس لئے انگریزوں نے اپنے دوست شریف حسین کی حمایت میں شاہ ابنِ سعود کو حکمرانی سے محروم کرنے کے لیے ان گنت اقدامات کئے۔ ان میں ایک قدم شاہ ابنِ سعود کو بدنام کرنے کے لیے ان کے خلاف جھوٹی سچی افواہیں پھیلانا تھا۔ ہندوستان چونکہ انگریز کا ایک غلام ملک تھا۔ اس لئے انگریزوں نے ہندوستان کے علمارِ سُو کی خدمات حاصل کیں۔ جنہوں نے شاہ ابنِ سعود کو "وہابی" قرار دے کر دُنیا بھر کے مسلمانوں کی نظروں سے گرانے کی کوشش کی۔ ہندوستان میں علمارِ سُو کی کوششوں سے وہابی ایک گالی قرار پائی اور وہابی ابنِ سعود کے خلاف وہ طوفانِ بدتمیزی اُٹھ کھڑا ہوا کہ توبہ ہی بھلی۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی اکثریت چونکہ دینی معاملات میں جاہل مطلق تھی۔ اس لئے عوام میں بھی "وہابی" کو کافر کے مترادف قرار دیا گیا اور ہر طرف وہابی وہابی کے نعرے بلند کرکے شاہ ابنِ سعود کے دینی کام میں رکاوٹیں کھڑی کر دی گئیں۔ لیکن شاہ ابنِ سعود نے شرک اور دوسرے غیر اسلامی رسوم و رواج کے خلاف جدوجہد جاری رکھی اور انگریزوں کو اپنے اس اقدام میں بھی ناکامی سے ہمکنار کر دیا۔ شاہ ابنِ سعود کی بھرپور عملی کوششوں سے چند ہی برس میں سارے ملک کی ایسی کایا پلٹ ہوئی کہ دوست دشمن سبھی حیران رہ گئے۔ شاہ ابنِ سعود کی کوششوں سے نجد و حجاز میں ملکی انتظامات کی یہ کیفیت ہوگئی کہ ایک غیر ملکی بھی کسی خوف و خطر کے بغیر تن تنہا جہاں چاہے آمد و رفت کرتے وہی بدو ڈاکو اور لٹیرے جو بے گناہ حاجیوں اور بے گناہ مسافروں کو لوٹ لیا کرتے

Marfat.com

تھے۔ اب کسی کے مال کی طرف دیکھنا تک حرام سمجھتے ہیں۔ کیونکہ سلطان ابن سعود نے ہر جرم کی پاداش میں اسلامی سزا دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس فیصلے کے تحت ابتدا میں بعض سرکشوں اور بداعمالوں کے سر قلم کرنے پڑے تھے۔

سلطان ابن سعود نے ملک میں نہایت سودمند اصلاحات جاری کی تھیں اور عوام کی فلاح وبہبود کے لیے نئے نئے محکمہ جات مثلاً تعلیم، صحت اور عدالت وغیرہ کو قائم کیا تھا۔ شاہ ابن سعود نے امن وامان قائم کرنے پر خصوصی توجہ دی تھی جس کے نتیجہ میں سارا ملک مفسدوں سے پاک ہو گیا تھا۔ ابن سعود نے اپنے عوام کی تعلیم کا بھی خصوصی اہتمام کیا تھا۔ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور بندرگاہ جدہ میں ترکوں کے عہد حکمرانی میں جو چند مدرسے قائم کئے گئے تھے شاہ ابن سعود نے ان مدرسوں کی اصلاح کرنے کے علاوہ ان کے درجے بھی بلند کئے اور مزید بیسیوں نئے مدرسے بھی جاری کئے تھے۔ ان مدرسوں کے اساتذہ کرام کے لیے سرکاری خزانہ سے باقاعدہ تنخواہ مقرر کی گئی اور جاہل بدوؤں میں فروغ تعلیم کے لیے بھی خصوصی اہتمام کیا۔ بدو چونکہ سارا سال اِدھر اُدھر گھومنے پھرنے کے عادی ہیں اور کبھی کسی ایک جگہ ٹک کر نہیں رہتے اس لئے ان میں فروغ تعلیم کی کوششوں کو کامیاب بنانا بڑا مشکل کام تھا۔ شاہ ابن سعود نے اس مسئلہ کو یوں حل کیا کہ بدوؤں کے قبیلوں ہی میں سے چند استاد مقرر کر دیئے جو ان بدوؤں کے ساتھ رہ کر ان کے بچوں کو دینی تعلیم دیتے تھے۔ شاہ ابن سعود کے ان اقدامات کا نتیجہ یہ برآمد ہوا تھا کہ چند ہی سال بعد غیر مہذب اور جاہل مطلق بدوؤں میں ان گنت لوگ تعلیم یافتہ اور مہذب بن گئے تھے۔

شاہ ابن سعود نے محکمہ تعلیم کی طرف سے دارالخلافہ ریاض میں ایک عظیم الشان کالج کا اجرا کیا تھا۔ جہاں دینی تعلیم کے علاوہ دنیاوی علوم وفنون کی تعلیم دینے کا بھی اہتمام ہے۔ ان گنت ہونہار طلبا کو حکومت نے اپنے خرچ پر تعلیم حاصل کرنے کے لیے یورپ کے مختلف ملکوں میں بھیجنا شروع کر دیا تھا۔ شاہ ابن سعود نے عدالت پر بھی خصوصی توجہ دی تھی اور ساری عدالتوں

Marfat.com

میں سارے مقدمات کا فیصلہ شریعت کی رُو سے کرانے کا اہتمام کیا تھا۔ جس کے نتیجہ میں سارے مجرموں کو شرع کی رو سے مقرر کردہ سزائیں دی جاتی تھیں۔

انگریزوں نے اپنے دوست شریف حسین کی حمایت میں جہلا میں یہ پروپیگنڈہ کر کے شاہ ابن سعود کو بدنام کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ وہابی ہیں اور جہلا میں شاید ہی کسی کو معلوم ہو کہ وہابی کیا ہوتا ہے یہ الگ بات ہے کہ جہلا میں وہابی ایک گالی سمجھی جاتی ہے لیکن اس وقت بھی اور آج بھی صحیح صورتِ احوال یہ ہے کہ دُنیا بھر میں صرف سعودی عرب ہی ایک ایسا اسلامی ملک ہے جہاں کے مسلمانوں نے مغربی معاشرت، لباس اور خیالات کو مسترد کر رکھا ہے اور ان سے ذرا بھر بھی متاثر نہیں ہوتے۔ حکومت کا ایک محکمہ شرعیہ قائم ہے جو پوری ذمہ داری اور سختی سے یہ دیکھتا ہے کہ لوگ شریعت کے مطابق چل رہے ہیں یا نہیں؟ اس محکمہ کی طرف سے چند احکامات کا نفاذ ہوا ہے جس کی خلاف ورزی کرنے والے سخت سزا پاتے ہیں۔ وہ چند احکامات یہ ہیں:

۱۔ اللہ کے نام کے علاوہ کسی اور کی قسم کھانے والے سزا پانے کے مستوجب ہوں گے۔

۲۔ دکانداروں اور خریداروں کو چاہیے کہ جب بھی اذان کی آواز اُن کے کانوں میں پڑے فی الفور مسجد میں پہنچ کر نماز ادا کریں۔

۳۔ داڑھی منڈانا یا خضاب لگانا منع ہے۔

۴۔ شراب افیون، بھنگ یا کسی نشیلی چیز کو پینے یا کھانے یا اپنے پاس رکھنے کی ممانعت ہے۔

۵۔ تمباکو سگریٹ یا حُقّہ پینے والے کو سزا دی جائے گی۔

۶۔ میّت پر نوحہ سے ماتم کرنے کی ممانعت ہے۔

۷۔ مُردے کا تیجا، دسواں، چہلم وغیرہ کی غیر اسلامی رسم ادا کرنا منع ہے۔

۸۔ عورتوں اور مردوں کو ایک جگہ جمع نہیں ہونا چاہیے۔

۹۔ مرد چاندی سونے کی انگوٹھیاں یا کوئی دوسرا زیور نہیں پہن سکتا۔ مرد کے لیے

Marfat.com

ریشمی کپڑے پہننا بھی منع ہے۔

۱۰۔ سود خوری، قمار بازی اور ان ساری برائیوں کی جو اسلام میں حرام قرار دی گئی ہیں، سختی سے ممانعت ہے۔

۱۱۔ عورتوں کو کھلے بندوں باہر نہیں نکلنا چاہیئے۔ ان کے ہمراہ کسی عزیز یا شوہر کا ہونا ضروری ہے۔

۱۲۔ عورتیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کے علاوہ کسی دوسرے مزار پر نہیں جا سکتیں۔

عوام کو آمد و رفت کی سہولتیں فراہم کرنے کے لیے بہت سی پختہ سڑکیں تعمیر ہوئی ہیں اور دوسری سواریوں کی فراہمی کے انتظامات بھی کیے جا رہے ہیں۔ ملک میں متعدد ہسپتال قائم کیئے گئے ہیں۔ جدہ میں بالکل جدید طرز پر ایک بڑا ہسپتال بنایا گیا ہے اور اس میں دوسرے ممالک کے سند یافتہ ڈاکٹروں کا تقرر بھی ہوا ہے۔ ملک میں ہسپتالوں کا جال بچھا دیا گیا ہے۔ حکومت کاشت کاری کو ترقی دینے کے لیے کوشش کر رہی ہے۔ مگر زراعت کی بنیادی شرط پانی ہے جو ملک میں کمیاب ہے۔ ملک میں کوئی دریا اور ندی نالہ موجود نہیں ہے۔ صرف موسم برسات میں وادیوں میں قدرے پانی جمع ہو جاتا ہے۔ جس سے آب پاشی کا کچھ کام لیا جاتا ہے۔ حکومت نے جا بجا کنوئیں کھود کر زراعت کو سنبھالا دینے کی کوشش کی ہے تاہم مجموعی طور پر زراعت کی حالت اچھی نہیں۔

سلطان ابن سعود بڑے سیدھے سادھے مسلمان تھے، عوام سے بڑی بے تکلفی سے ملتے تھے۔ جب کوئی شخص کوئی درخواست یا شکایت لے کر ان کے پاس پہنچتا تو آپ محل کی سیڑھیوں پر بیٹھ جاتے اور بڑی توجہ سے اس شخص کی باتیں سنتے تھے۔ آپ کی انصاف پسندی کا ہر کوئی قائل تھا۔ آپ سے ہر شخص بلا روک ٹوک مل سکتا تھا۔ آپ ہر روز علی الصبح بیدار ہو کر وضو کے لئے پانی لیتے تھے اور پھر مسجد پہنچ کر عام مسلمانوں کے ہمراہ نماز پڑھتے تھے۔ نماز کی ادائیگی کے بعد محل پہنچ کر اپنے خاندان کے ساتھ ناشتہ کرتے تھے

Marfat.com

اور اس سے فراغت کے بعد ایوان میں تشریف لے آتے تھے اور سوائے کھانے اور نماز کے اوقات کے عشاء کے وقت تک وہیں حکومت کے کاروبار میں مصروف رہا کرتے تھے۔

سلطان ابنِ سعود ایک طویل القامت گراں ڈیل انسان تھے۔ بڑھاپے میں بھی آپ کے چہرے سے خون ٹپکتا تھا۔ بادشاہ کہلانے کے باوجود آپ تخت و تاج نہیں رکھتے تھے۔ انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ معمولی سے معمولی آدمی آپ کے پاس پہنچ کر بے دھڑک گفتگو شروع کر دیتا تھا۔ ارکین سلطنت اور عوام جب بھی کوئی آپ سے گفتگو کرتا تھا تو آپ کا نام لے کر آپ کو مخاطب کیا کرتا تھا۔ اگر کبھی کبھار کوئی خوشامدی آدمی خلافِ شریعت طریقہ پہ آپ کی تعظیم و تکریم کرتا تھا تو آپ اس پر سخت ناراض ہوتے تھے۔ روزانہ شاہی محل میں دعوت عام ہوتی تھی۔ جس میں غربا۔ مساکین کو ضرور شریک کیا جاتا تھا۔

سلطان ابنِ سعود ایک سمجھدار سیاست دان اور مدبّر حکمران بھی تھے اور ایک بہادر و جرات مند سپاہی بھی۔ نجد و حجاز کی سلطنت آپ کو تلوار کے زور سے حاصل ہوئی تھی۔ اپنی ہر جنگ میں آپ ہمیشہ دوسرے سپاہیوں سے آگے ہوتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے جسم پر تیر، تلوار اور گولی کے بیسیوں نشانات موجود تھے۔ مذہب کی پابندی کا اس قدر خیال تھا کہ لباس، خوراک چال ڈھال وضع قطع اور طریقۂ حکمرانی تک میں شریعت کے احکامات کو ملحوظِ خاطر رکھا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں اگر کبھی کوئی بھول چوک ہو جاتی تھی تو رعایا آپ کو ٹوک دیتی تھی جس کا آپ مطلق بُرا نہ مانتے تھے۔ بلکہ ہمیشہ نکتہ چین حضرات سے خوش ہوتے اور فی الفور اپنی غلطی کی اصلاح کرنے پر توجہ دیتے۔

آپ جب سے بادشاہ ہوتے اور جب تک بادشاہ رہے۔ ملک میں کبھی فتنہ و فساد برپا نہ ہوتے۔ عرب کے سارے قبیلوں میں اتحاد تھا مفسدوں کی دال نہ گلتی تھی۔ ملک کے نظام میں گڑبڑ یا حکومت کے خلاف سر اٹھانا

Marfat.com

موت کے منہ میں جانے کے مترادف تھا۔ گویا سلطان ابن سعود کا دور امن و سلامتی کا دور تھا اور ان کے طرزِ حکومت کو دیکھ کر خلفائے راشدین کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔

غازی مصطفیٰ کمال پاشا

اُس کی خواہش تھی کہ سارے مسلمان ملکوں سے بیس لاکھ فوج بھرتی کرے اور اس فوج سے اسلامی ملکوں کی حفاظت کا کام لیا جائے مگر افسوس صد افسوس کہ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا۔ اُس مردِ مجاہد کی زندگی روٹھ گئی۔ ملک و قوم کا یہ عظیم رہنما ۱۱ نومبر ۱۹۳۸ء کو اللہ کو پیارا ہو گیا۔

اُس مردِ مجاہد نے اپنے ملک و قوم کی بہت زیادہ خدمت کی تھی۔ ترک قوم آج جس ترقی و عروج کی بلندیوں پر نظر آتی ہے۔ وہ سب اسی مردِ مجاہد کی کوششوں کا ثمر ہے۔ اُس نے برسرِ اقتدار آتے ہی تعلیم کو جبری قرار دے دیا تھا۔ زراعت کو فروغ دینے کے لیے مثبت اقدامات کئے تھے۔ صنعت و حرفت کو ترقی دینے کے علاوہ ملک کے بچے بچے کے جسم میں سپاہیانہ زندگی کی روح پھونک دی تھی۔

وہ بڑا رحم دل، خدا پرست اور نیک انسان تھا دوستوں کا یکّا دوست تھا اور دشمنوں کا بدترین دشمن۔ اس کے ساتھ ہی وہ بلند پایہ سیاست دان، بہادر سپہ سالار اور اعلیٰ درجہ کا ریاضی دان اور بلند درجہ شاعر بھی تھا۔

اس شخص کا نام تو غازی مصطفیٰ کمال پاشا تھا اور عرف کمال اتاترک تھا۔ جو قوم نے اُسے بخشا تھا۔ دُنیا کے نقشہ پر نظر ڈالیئے آپ کئی ایسے ملک دیکھیں گے جنہیں اُس ملک کے رہنماؤں نے اپنی جدوجہد سے دوسروں کی غلامی سے

Marfat.com

آزاد کرایا اور قوموں کی برادری میں سربلند کیا۔ ایسے رہنماؤں میں مصر کے سعد زاغلول پاشا، انڈونیشیا کے ڈاکٹر سوئیکارنو، الجزائر کے محمد بن باللہ اور لیبیا کے کرنل قذافی بھی شامل ہیں۔ ایسے رہنماؤں کی تعداد لگ بھگ دو درجن ہے۔ ان تمام رہنماؤں میں غازی مصطفےٰ کمال پاشا اور قائدِ اعظم محمد علی جناح کو منفرد حیثیت حاصل ہے۔ قائدِ اعظم نے تو اپنی انتھک کوششوں سے ایک نئے ملک کو جنم دیا تھا جو آج پاکستان کے نام سے معروف ہے لیکن کمال اتاترک کو اپنے تدبّر، دانائی اور شجاعت کو بروئے کار لاکر اپنی ترکی قوم کو ذلّت کے گڑھے سے نکال کر عزت کی مسند پر لا بٹھانا پڑا۔ اس طرح مصطفےٰ کمال نے اپنی قوم کو حیاتِ نو بخشی۔ کسی دانا نے واقعی سچ کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ترقی اور عروج کی منزلوں پر پہنچانا چاہے تو اس میں ایک ایسا باہمت، بلند حوصلہ اور مدبّر شخص پیدا کر دیتا ہے جو اپنی مساعی سے قوم کا بیڑا پار لگا دیتا ہے۔

مسلمانوں میں ہر زمانے میں ایسے رہنما پیدا ہوتے رہے ہیں۔ ترکی کے کمال پاشا بھی ایسے ہی ایک رہنما تھے جو اپنی قوم کو ترقی و عروج کی مسند پر بٹھا کر قیامت تک کے لیے دنیا میں اپنا اور اپنی قوم کا نام روشن کر گئے ہیں۔

مصطفےٰ کمال نے ۱۲ مارچ ۱۸۸۱ء کو شہر سالونیکا میں جنم لیا تھا۔ آپ کے والد محکمہ محصول میں معمولی منشی تھے۔ بعمر پانچ برس مصطفےٰ کمال یتیم ہو گئے اور ان کے چچا نے ان کی پرورش کی اور آپ نے میٹرک تک تعلیم حاصل کر لی۔

مصطفےٰ کمال کی خواہش تھی کہ فوج میں بھرتی ہو جائیں۔ بچپن ہی سے وہ فوجی افسروں کو وردیوں میں ملبوس چاک و چوبند دیکھا کرتے تو خود بھی فوجی افسر بننے کی خواہش کیا کرتے تھے۔ اپنے اس شوق کی تکمیل کے لیے ایک روز مصطفےٰ کمال نے اپنی ماں سے اس کا ذکر کیا تو ممتا کی ماری ماں کو آپ کی خواہش سن کر انتہائی دکھ ہوا اور وہ بہت غمگین ہوئیں اور انہوں نے مصطفےٰ کمال کو سختی سے فوجی افسر بننے سے روک دیا لیکن مصطفےٰ کمال اپنی اس خواہش کو پورا کرنے کا مصمم ارادہ کر چکے تھے۔ انہوں نے بظاہر تو ماں کا کہنا مان لیا لیکن بباطن اپنی کوشش میں

Marfat.com

مصروف رہے اور کوشش کر کے فوجی کالج میں داخلہ لے لیا۔ اس وقت آپ سترہ برس کے ایک نوجوان تھے۔ انتہائی ذہین دانا اور فرض شناس، امتحان میں آپ کالج بھر میں اوّل رہے اور حکومت نے آپ کی صلاحیتوں کے تحت آپ کو اعلیٰ عسکری تعلیم کے حصول کے لئے جنگی کالج میں داخل کر لیا۔ پھر آپ کو عسکری تعلیم مکمل کرنے کے بعد فوج میں لیفٹیننٹ بنا دیا گیا۔

ان ایام میں ترکی کے سلطان عبدالحمید تھے جو دنیا بھر کے مسلمانوں کے خلیفۃ المسلمین بھی تھے۔ سارے ترکی میں چاروں اطراف افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ حکام جو جی میں آتے کرتے تھے۔ رشوت خوری شباب پر تھی۔ پولیس اور فوج عوام پر ظلم و ستم ڈھا رہی تھی اور ادھر گردکی عیسائی حکومتیں چاہتی تھیں کہ یورپ کی اس اسلامی حکومت کا وجود عدم وجود کر ڈالیں۔ اور ترکی پر لہراتا ہوا اسلامی پرچم اتار کر صلیبی جھنڈا بلند کر دیں۔ سلطان عبدالحمید اپنی بداعمالیوں اور کمزوریوں کے باعث ہمیشہ ان ملکوں سے دبے دبے اور خوفزدہ رہتے تھے۔

مصطفےٰ کمال پاشا نے اپنے وطن عزیز کی یہ حالت دیکھی تو وہ تڑپ اٹھے اور انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ اپنی جان کی بازی تک لگا کر ملک و قوم کو ذلت کے گڑھے سے نکالیں گے اور ایک ایسی مضبوط مملکت بنا دیں گے کہ اغیار اسے میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہ کر سکیں۔

اس فیصلہ کے بعد مصطفےٰ کمال نے کھلم کھلا حکومت کے خلاف تقریریں شروع کر دیں اور ملک کی خراب و خستہ حالت کی ذمہ داری خلیفہ پر عائد کرنے لگے۔ عوام کو خلیفہ کے خلاف بھڑکانے کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ انہیں گرفتار کر کے عدالت میں پیش کیا گیا۔ مصطفےٰ کمال نے کسی خوف کو دل میں جگہ دیئے بغیر عدالت کے روبرو بڑی بیباکی سے اپنے خیالات کا اظہار کیا تو لوگ سخت متعجب ہوئے اور آپ کی جرأت و بیباکی کو سراہنے لگے۔ عدالت نے مصطفےٰ کمال کو معمولی تنبیہہ کر کے رہا کر دیا۔ رہائی کے بعد آپ نے اپنی سیاسی سرگرمیوں کو شباب پر پہنچا دیا اور چند دوستوں کے ساتھ

Marfat.com

مل کر "انجمن وطن" کے نام سے ایک انقلابی جماعت قائم کر دی۔ اس جماعت کے منشور میں ملک میں بادشاہت کا خاتمہ اور جمہوری حکومت کے قیام کی شق بھی شامل تھی۔ یہ جماعت تمام ملک میں مقبولیت حاصل کرنے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے پُرجوش نوجوانوں کے ایک بڑے حلقے کے علاوہ ایک سو فوجی افسروں نے بھی اس کی رکنیت حاصل کر لی۔ لیکن اس جماعت نے ابھی اپنے کام کی ابتدا بھی نہ کی تھی کہ ایک رُکن کی غداری کے سبب سارے ممبر گرفتار کر کے جیلوں میں بند کر دیئے گئے۔ بیسوں فوجی افسروں کو محض اس شبہ کی بنا پر کہ ان کا اس جماعت سے تعلق ہے۔ نظر بند کیا گیا۔ اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے ان اسیروں کی امداد کی اور ایک بہت بڑے افسر نے حکومت سے سفارش کی کہ ان لوگوں کی ساری شورش اور گڑبڑ محض بچپن کی ناتجربکاری کا نتیجہ ہے۔ اگر مصطفیٰ سے نوجوان کو سزا دے دی گئی تو فوج ایک لائق فائق ہونہار سے محروم ہو جائے گی۔ خلیفہ نے اس سفارش کو مان کر مصطفیٰ کمال کو دمشق میں فوج کا کپتان بنا کر بھیج دیا۔ انہوں نے دمشق پہنچنے کے بعد مزید جوش و خروش سے حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا اور جلد ہی عوام کو اپنا ہمنوا بنا لیا۔

ترکی کی حالت روز بروز بگڑتی جا رہی تھی۔ مقبوضہ علاقے ایک ایک کر کے یورپی طاقتیں غصب کرتی جا رہی تھیں۔ روس نے بلقان اور قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا اور مصطفیٰ کمال نے بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ ترکی کی خراب و خستہ حالت کی ذمہ داری خلیفہ پر عائد ہوتی ہے۔ جسے ملک و قوم کی فلاح و بہبود اور تعمیر و ترقی کی بجائے اپنے عیش و آرام کا بہت زیادہ خیال ہے۔ اس لئے جب تک اس کی حکومت کا تختہ نہ اُلٹا گیا۔ اُس وقت تک ترکی کو دشمنوں سے محفوظ نہیں رکھا جا سکتا۔

"انجمن وطن" کی شاخیں سارے ملک میں قائم ہو چکی تھیں اور مصطفیٰ کمال اور ان کے حامیوں کی کوششوں سے لوگ خلیفہ کے خلاف ہو چکے تھے اور اس سے دلی نفرت کرتے تھے۔ آخر کار ۱۹۰۸ء میں بغاوت برپا کر دی گئی۔ مصطفیٰ کمال

Marfat.com

بلا تاخیر سالونیکا پہنچے اور اُن بڑے بڑے افسروں کو جو خلیفہ کے حامی و مددگار تھے، قتل کرا دیا۔ پولیس اور فوج کے بہت سے دستوں نے باغیوں کا ساتھ دیا۔ خلیفہ عبدالحمید نے حالات کو اپنے خلاف پایا تو گھبرا کر آئینی حکومت کا اعلان کر دیا۔ جس میں عوام کو مکمل نمائندگی دینے کا وعدہ بھی تھا۔ لیکن یہ جمہوری حکومت برائے نام تھی۔ کیونکہ حکومت کے سارے عہدوں پر چند خود غرض لوگوں نے قبضہ جما لیا تھا اور وہ خود کو عوام کا نمائندہ کہہ کر من مانی کر رہے تھے۔

حکام کی ناتجربہ کاری، غفلت اور نافرض شناسی کے باعث نظم و نسق خلیفہ عبدالحمید کے عہدِ حکومت سے بھی بدتر ہو گیا۔ یہ دیکھ کر مصطفٰے کمال خاموش نہ رہ سکے۔ آگے بڑھے اور ساری مشکلات پر قابو پانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ لیکن وہ ابھی حالات کو اچھی طرح اپنی گرفت میں نہ لے سکے تھے کہ آسٹریا اور ہنگری ترکی کے دو صوبوں کو ہڑپ کرنے کے منصوبے باندھے جانے لگے۔ بلگیریا میں ترکوں کی جانب سے ایک عیسائی وائسرائے مقرر تھا۔ اس عیسائی وائسرائے نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ مصطفٰے کمال سارے فتنوں کو دبانے کے لیے انتھک کوششوں میں مصروف تھے کہ اٹلی نے ترکی کے عربی مقبوضہ طرابلس پر میلی نظریں ڈالنی شروع کر دیں۔ امکان تھا کہ وہ فوج کشی کر دے گا۔ اس لئے مصطفٰے کمال بلا تاخیر طرابلس پہنچ گئے اور وہاں پہلے سے موجود فوج کی ازسرِ نو تنظیم کی اور عوام میں شوقِ جہاد کی روح پھونکی، اٹلی کو ان حالات کی خبر ہوئی تو اُس نے اپنے باقاعدہ حملے کے ارادہ کو ترک کر دیا اور چند جھڑپوں کے بعد صلح کر لی۔ کمال پاشا اس کے بعد وطن لوٹ گئے۔

اس وقت ترکی کے وزیرِ اعظم سعد پاشا تھے۔ جن کی بدانتظامی سے ملک میں امن و امان نہ تھا۔ اس لئے مصطفٰے کمال کی کوشش سے انہیں مستعفی ہونا پڑا اور اس کی جگہ ایک دوسرے شخص کو وزیرِ اعظم بننے کا موقع ملا۔ لیکن نیا وزیرِ اعظم انگریزوں کا زبردست حامی تھا۔ اس لیے جلد ہی اسے بھی الگ کرنا پڑا۔

Marfat.com

خلیفہ یہ گڑبڑ دیکھ کر دل ہی دل میں خوش تھا اور اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو حاصل کرنے کے لیے سازش کر رہا تھا۔ وہ موقع مناسب پایا تو اپنے حامیوں کو اکسانے کے بعد فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دیتا۔ ساری گلی کوچوں میں "آئینی حکومت مردہ باد" اور خلافت پائندہ باد کے نعرے لگاتے اور جس شخص کے بارے میں سنتے کہ انقلابی حکومت سے تعلق رکھتا ہے اُسے موت کے گھاٹ اتار دیتے۔ اس فساد میں "انجمن وطن" کے بہت سے اراکین قتل کر ڈالے گئے۔ اور بچے کھچے ممبروں کو مجبوراً سالونیکا کی طرف فرار ہونا پڑا۔

جمہوری حکومت کے حامیوں کی پریشانی شباب پر پہنچ گئی۔ مگر مصطفےٰ کمال نے ان کے حوصلے بڑھائے اور ایک مضبوط فوج کے ساتھ قسطنطنیہ پر حملہ کر دیا۔ گھمسان کی جنگ ہوئی۔ طرفین نے ایک دوسرے پر بڑھ چڑھ کر حملے کیے۔ خون کا دریا بہنے لگا۔ لیکن آخر میں انقلابی فوجوں کو فتح نصیب ہوئی اور خلیفہ کو گرفتار کر کے سالونیکا میں نظر بند کر دیا گیا۔

خلیفہ سلطان عبدالحمید کے بعد محمد خامس کو خلیفہ مقرر کیا گیا۔ یہ عبدالحمید کا بھائی تھا۔ اس کا عہدِ حکومت بھی ملک کے لیے سودمند ثابت نہ ہوا بلکہ مفسدوں کی سرگرمیاں بدستور جاری رہیں۔ اس زمانے میں اٹلی نے تیونس پر قبضہ کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے۔ لیکن اُس کی کوئی پیش نہ گئی تو اُس نے ترکی کو چوبیس گھنٹوں کا الٹی میٹم دے کر طرابلس پر حملہ کر دیا۔ تیونس نہ سہی تو طرابلس ہی سہی۔ مصطفےٰ کمال پاشا کے سامنے عجیب مشکل صورتِ حال تھی۔ طرابلس جانے کا کوئی راستہ موجود نہ تھا۔ مصر پر انگریزوں کا قبضہ تھا جنہوں نے ترکی فوج کو مصر سے گزرنے کی اجازت نہ دی تھی۔ اس لئے مصطفےٰ کمال پاشا کو بھیس بدل کر چھپتے چھپاتے طرابلس پہنچنا پڑا۔ آپ کی آمد سے سارے عربوں نے بڑے جوش و خروش سے آپ کے پرچم تلے جمع ہو کر اپنے ملک کو دشمن سے بچانے کا اہتمام کیا اور جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ ساحل سمندر پر اٹلی کی فوجوں کا قبضہ تھا اور وہ اس سے آگے بڑھنے کے لیے جب کوشش کرتی تھیں تو انہیں مار مار کر

Marfat.com

واپس لوٹا دیا جاتا تھا۔ اس جنگ میں مصطفےٰ کمال کی بہترین عسکری صلاحیتوں کے سبب دس ہزار اطالوی قتل کر دئے گئے اور بیس ہزار گرفتار کئے گئے۔ اٹلی کو جلد ہی اپنی عسکری کمزوریوں کا احساس ہو گیا اور اس نے مجبوراً صلح کر لی۔

اسی زمانہ میں ریاست ہائے بلقان نے متحد ہو کر ترکی کی اسلامی حکومت کو مٹانے کا عزم کیا۔ وہ وہاں عیسائی حکومت قائم کر کے یورپ کو مکمل طور پر مسلمانوں سے صاف کرنا چاہتے تھے۔ یہ صورتِ احوال ترکوں کے لیے نہایت نازک تھی۔ لیکن مصطفےٰ کمال پاشا کا حوصلہ بلند تھا انہوں نے اپنی نہایت قلیل فوج سے ان ساری ریاستوں کو ایسی عبرت ناک شکست دی کہ اگر روس اور برطانیہ ثالث بن کر صلح نہ کراتے تو آج بلقان کا نقشہ وہ نہ ہوتا جو آج ہے۔ گو ترکی نے اس جنگ میں زبردست فتح پائی تھی لیکن جب صلح نامہ لکھا جا رہا تھا تو روس اور برطانیہ نے ایسی چال چلی کہ اس سے ترکوں کی ساری سلطنت ہی اُن کے ہاتھ سے جا رہی تھی۔ صلحنامہ کے تحت ترکی کے بہت سے صوبے چھین کر بلقانی ریاستوں میں شامل کئے گئے تھے اور ترکوں کے اپنے پاس صرف قسطنطنیہ اور سٹریٹ ہی باقی رہ جاتے تھے۔ چونکہ یہ صلح ترکی کے لیے سخت نقصان دہ تھی اس لئے انقلابی جماعت نے اسے نامنظور کر دیا اور عین اس وقت جب کہ ترکی کا وزیر اور دوسرے مقتدر افسران صلحنامہ پر دستخط کر رہے تھے مصطفےٰ کمال پاشا پستول ہاتھ میں لئے کمرے میں داخل ہوئے اور وزیر جنگ کو شوٹ کر کے صلحنامہ جیب میں ڈالا اور کمرے کے باہر آ گئے اور اس طرح انہوں نے ترکی کو صلحنامہ کے نام پر روس اور برطانیہ کے استحصال سے صاف بچا لیا۔

۱۹۱۴ء کی جنگِ عظیم اوّل کا آغاز ہوا تو ترکی جرمنوں کی صف میں کھڑا ہوا۔ اس جنگ میں ترکوں نے غازی کمال پاشا اور اُن کے دستِ راست عصمت انونو کی رہنمائی میں ایسے شاندار کارنامے سرانجام دیئے کہ ساری دنیا ترکوں کی بہادری کو ماننے پر مجبور ہو گئی۔ ایک طرف فرانس، برطانیہ روس وغیرہ سی عظیم طاقتیں تھیں اور دوسری طرف ترکی اور جرمنی۔ لیکن ترکوں نے اس جنگ میں جو معرکہ آرائیاں کیں وہ

Marfat.com

اپنے ہی بل بوتے پر۔ گو ترکوں نے جنگ میں جرمنوں سے بڑھ چڑھ کر بہادری کے کارنامے سرانجام دئے۔ لیکن شکست ان کا مقدر بن چکی تھی۔ ۳۰ر اکتوبر ۱۹۱۸ء کو عارضی صلح ہوئی تو ترکی کے سارے مقبوضہ ممالک پہلے ہی ہاتھ سے نکلے ہوئے تھے۔ اب اتحادیوں نے قسطنطنیہ پر بھی قبضہ کر لیا۔

جنگ کے بعد سارے عالم اسلام پر مایوسی چھا گئی۔ مسلمانوں کا خیال تھا کہ ترکی قوم ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی ہے۔ یورپ والوں نے طعن سے ترکی کو "یورپ کا مردِ بیمار" کہنا شروع کر دیا تھا اور اصل میں ترکی کی حالت سا ملی سینی ٹوریم کے کسی نیم مری کے اس تپ دق کے مریض کی سی تھی جس کی سانس تو چل رہی ہو مگر وہ حس و حرکت سے بالکل عاری ہو۔ آخر کار پھر مصطفےٰ کمال پاشا ہی نے اس مردِ بیمار کی مسیحائی کا بیڑا اٹھایا اور صرف دس بارہ برس کے قلیل عرصہ میں اس مردے میں جان ڈال دی۔ خلافت و بادشاہت کا مکمل خاتمہ کر دیا گیا اور ترکی قوم نے متفقہ طور پر مصطفےٰ کمال کو اپنا حکمران منتخب کر لیا۔

مصطفےٰ کمال پاشا نے ملک و قوم کی فلاح و بہبود اور تعمیر و ترقی کے لیے وہ کارنامے سرانجام دئے ہیں کہ ان کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ ترکی نے اپنے کئی علاقے اتحادیوں سے واپس لے لیئے ہیں اور آج ترکی کو جس قدر ترقی اور عروج حاصل ہوا ہے اس کے پس منظر میں مصطفےٰ کمال کا ہاتھ صاف نظر آ رہا ہے۔ انہوں نے برسرِ اقتدار آنے کے فوراً بعد تعلیم کو جبری قرار دے دیا تھا۔ جس کے نتیجہ میں آج ترکی کا شمار ترقی یافتہ ممالک میں ہوتا ہے۔

محمد نادر شاہ غازی

محمد نادر شاہ غازی جو ٹل کے میدان میں انگریزوں کو شکست دے کر تاریخ کے صفحات پر غازیوں میں اپنا نام لکھوا چکے ہیں اور جنہوں نے افغانستان کو ایک

Marfat.com

ڈاکو بچہ سقہ نامی کے مظالم سے نجات دلائی تھی۔ افغانستان کے ایک ایسے معزز گھرانے سے تعلق رکھتے تھے جس کے افغانستان کے شاہی خاندان سے رشتے ناطے تھے۔

امیر حبیب اللہ خان کے عہدِ حکومت میں نادر خاں کو جرنیل کا عہدہ ملا تھا اور آپ حکومت کے ایک مقتدر افسر سمجھے جاتے تھے۔ امیر حبیب اللہ خان کی شہادت کے بعد غازی امان اللہ خان برسر اقتدار آئے تو انہوں نے محمد نادر خاں کی روز بروز بڑھتی ہوئی طاقت کو اپنے لیے خطرہ سمجھا اور انہیں نظر بند کر دیا۔

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد غازی امان اللہ خاں نے ہندوستان کی سیاسی گڑبڑ سے فائدہ اٹھانے کے لیے ہندوستان پر حملہ کی کوشش کی۔ جس میں انہیں سخت ناکامی ہوئی۔ انگریزوں نے امان اللہ خاں کو اس کی اس جرات کی سزا دینے کے لیے افغانستان کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ انگریزی فوج افغانستان کے ارادہ سے روانہ ہوئی تو امان اللہ خاں کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ جرنیل نادر خاں کو قید و بند سے نکال کر فوج کی کمان سپرد کی جائے اور انگریزی فوج کی روک تھام کے لیے بھیجا جائے۔ نادر خاں کو رہا کر کے فوج کی کمان دی گئی تو وہ افغان فوج کے ساتھ انگریزوں کی فوج کو روکنے کے لیے آگے بڑھے۔

ٹل کے میدان میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا تو قابل جرنیل نے اپنی فوج کو اس قابلیت سے لڑایا کہ ٹل کے میدان میں انگریزوں کو شکست فاش ہو گئی اور انہوں نے شکست تسلیم کر لینے کے بعد افغانستان سے صلح کر لی۔

جنگ کا خاتمہ ہوا تو محمد نادر خاں افغان عوام کے ایک ہیرو کی حیثیت حاصل کر گئے۔ اب امان اللہ خاں کے لیے محمد نادر خاں کو نظر بند رکھنا مشکل ہو گیا۔ لیکن وہ محمد نادر خاں کو افغانستان میں عوام کی نظروں کے سامنے رکھنا بھی مناسب خیال نہ کرتے تھے۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے غازی امان اللہ خان نے محمد نادر خان کو فرانس میں سفیر بنا کر ملک سے باہر بھیج دیا۔

زمانۂ سفارت سے لے کر فرانس سے لوٹنے تک محمد نادر خاں کی زندگی کا کوئی قابل ذکر کارنامہ سامنے نہیں آتا۔ البتہ اس دوران افغانستان میں زبردست

Marfat.com

انقلاب آگیا۔ یہ جرنیل نادر خان کو محمد نادر شاہ غازی کے لقب سے تختِ افغانستان پر متمکن ہونے پر ممد و معاون ثابت ہوا۔

ہوا یہ کہ امیر حبیب اللہ خان کی شہادت کے بعد امان اللہ خان برسرِ اقتدار آئے تو انہوں نے کوشش کی کہ افغانستان کو پسماندہ ممالک کی صف سے نکال کر ترقی یافتہ ممالک کی صف میں لا کھڑا کریں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے کئی انقلابی اصلاحات نافذ کیں۔ انہوں نے لوئی جرگہ کے نام سے ایک پارلیمنٹ قائم کی اور ساتھ ہی مغربی تہذیب و تمدن کو ملک میں رائج کرنے کے وسائل پر غور و فکر شروع کر دیا۔ ان اصلاحات کے پس منظر میں ان کی ملکہ ثریا خانم کا ہاتھ بھی تھا۔ ان کے تحت سارے ملک میں جو احکامات جاری کیے گئے۔ ان میں ایک تو یہ تھا کہ کوئی افغان ایک سے زائد بیوی نہیں رکھ سکتا۔ دوسرا حکم عورتوں کے لیے تھا کہ وہ قدیم قسم کے برقعے پہن کر گھر سے باہر نہ نکلیں۔ اس قسم کے مزید دوسرے احکامات بھی تھے جو بہت سے لوگوں کو پسند نہ آئے، دراصل امان اللہ خاں نے جو اصلاحات نافذ کیں۔ وہ قبل از وقت تھیں۔ عوام انہیں قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ علاوہ ازیں خود امان اللہ خاں کے وزرائے حکومت بھی بادشاہ کو پسند نہ کرتے تھے اور اسے اپنی من مانی کرنے کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے تھے۔

امان اللہ خاں کے مخالف کچھ مدت تک تو خاموشی سے سب کچھ دیکھتے رہے پھر ایک مرحلہ پر مخالف شنواریوں کی بغاوت کی صورت میں سامنے آگئے۔ جلد ہی اس بغاوت میں دوسرے قبائل بھی شریک ہو گئے۔ جلد ہی باغیوں نے اس قدر طاقت حاصل کر لی کہ آگے بڑھ کر جلال آباد پر قبضہ کر لیا۔

ملک میں اس جنگ و جدل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک ڈاکو بچہ سقہ نامی نے ایک دوسرے ڈاکو سید حسین سے مل کر افغانستان میں افراتفری مچا دی اور متعدد قصبوں اور چھوٹے شہروں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ امان اللہ خاں نے باغیوں اور ڈاکوؤں سے ملک کو بچانے کی ازحد کوشش کی۔ لیکن ناکام رہے اور ایک مرحلہ پر انہوں نے یہی مناسب خیال کیا کہ خود کابل سے چلے جائیں، وہ اپنی ملکہ

Marfat.com

ثریا خانم کو لے کر کابل سے نکلے اور قندھار چلے گئے اور کابل میں اپنے بھائی عنایت اللہ خاں کو اپنی جگہ بادشاہ بنا دیا۔

یہ امان اللہ خان کی شدید غلطی تھی جو اُن سے سرزد ہوئی، رعایا نے خیال کیا کہ اُن کا بادشاہ انہیں ظالم ڈاکوؤں کے سپرد کر کے خود راہِ فرار اختیار کر گیا ہے۔ ادھر عنایت اللہ خاں نے برسرِ اقتدار آتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ ملّائے شور بازار کے بھائی آقائے شیر محمد خان کو جسے امان اللہ خاں نے قید کر رکھا ہے، رہا کر کے اپنا سفیر بنا کر بچہ سقہ کے پاس بھیجا کہ وہ اُسے کہیں کہ وہ جس کے خلاف جنگ کر رہا تھا یعنی امان اللہ خاں، تو وہ اب جا چکا ہے اس لیے بچہ سقہ کو جنگ بند کر دینی چاہیئے۔

امان اللہ خاں نے قید کر رکھا ہے، رہا کر کے اپنا سفیر بنا کر بچہ سقہ کے پاس بھیجا کہ وہ اُسے کہیں کہ وہ جس کے خلاف جنگ کر رہا تھا۔ یعنی امان اللہ خاں تو وہ اب جا چکا ہے اس لئے بچہ سقہ کو جنگ بند کر دینی چاہیئے۔

آقائے شیر محمد خاں اپنی سفارت پر روانہ ہوتے تو افغانی فوجوں کے پاس پہنچے۔ انہوں نے فوج کو نہ تو یہ بتایا کہ اُس کا بادشاہ تبدیل ہو چکا ہے اور اب فوج کے فرائض کیا ہیں، بلکہ اس کے برعکس یہ کہا کہ وہ بچہ سقہ سے صلح کرنے جا رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ شاہی فوج یہ سوچ کر کہ اب تو صلح ہو رہی ہے ہتھیار پھینک کر سستانے لگی۔ بچہ سقہ نے شاہی فوج کی اس غفلت کو غنیمت جانا اور بلا خوف و خطر کابل تک بڑھتا چلا گیا۔ اس کے ساتھ لوٹ مار کرنے والوں کا ایک ہجوم تھا لیکن اُسے لڑائی کئے بغیر کابل پر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ عنایت اللہ خاں اس وقت قلعہ ارک میں موجود تھا۔ اُس نے بچہ سقہ اور اُس کی فوج کو آتے دیکھا تو پچھلے دروازے سے بھاگ کر برطانوی قونصل خانہ میں جا کر پناہ گزین ہو گیا۔

Marfat.com

کابل پر بچہ سقہ کا قبضہ ہوتے ہی شہر کا امن و امان غارت ہو گیا اور سقاوی فوج نے شہر میں بری طرح لوٹ مار شروع کر دی۔ سید حسین کی خواہش تھی کہ خود بادشاہ بنے۔ لیکن بچہ سقہ نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا اور سید حسین کے لیے خاموش رہنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ امان اللہ خاں نے قندھار میں بیٹھ کر ایک بار پھر کابل پر حملہ کر دیا مگر کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اس ناکامی نے امان اللہ خاں کو سخت مایوس کر دیا اور وہ ملکہ ثریا کو اپنے ہمراہ لے کر غیر ممالک چلا گیا۔ جہاں اس نے طویل عرصہ تک جلاوطنی کی زندگی بسر کی۔

جب افغانستان میں افراتفری کی خبریں محمد نادر خاں کو فرانس میں ملیں تو وہ بے تاب ہو گئے۔ وہ ان ایام میں سخت بیمار تھے۔ لیکن ڈاکٹروں کی سخت ممانعت کے باوجود بھی انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ وطن لوٹ کر ملک کو ایک ڈاکو کے پنجہ سے رہا کرائیں گے۔ محمد نادر خاں سردار ہاشم خان اور سردار شاہ ولی خاں یہ تینوں بھائی تو باہر تھے اس لیے اکٹھے وطن لوٹے۔ ان کے چوتھے بھائی شاہ محمود خاں غازی ان ایام میں افغانستان تھے اور ابھی تک خود کو بچہ سقہ سے محفوظ رکھے ہوئے تھے۔

محمد نادر خاں خوست کی چھاؤنی میں قیام پذیر ہوئے۔ سردار محمد ہاشم خان مشرقی سمت میں موجود تھا۔ جس وقت محمد نادر خاں اس طرف اپنی فوج جمع کرنے میں مصروف تھے دوسری طرف امان اللہ خان قندھار سے کابل پر حملہ کرنے کے وسائل پر غور و فکر کر رہا تھا۔

یہ دیکھ کر نادر خاں نے مناسب سمجھا کہ پہلے قندھار سے امان اللہ خاں کے حملے کے نتیجہ کو دیکھے اور اس کے بعد اپنا لائحہ عمل مرتب کرے۔ لیکن جب اس محاذ پر بھی شکست امان اللہ خاں کا مقدر بنی تو اس وقت نادر خان نے فیصلہ کیا کہ وہ کابل پر حملہ کرے گا۔

نادر خان کے ساتھ جو قبائل شامل ہوئے تھے۔ ان کا کام یہ تھا کہ وہ پہلے حملہ کرتے اور جب کامیاب ہو جاتے تو لوٹ مار کر کے مال و متاع اپنے گھروں کو لے جانے کے لیے لوٹ جاتے۔ آخر کار جب اللہ نواز خان اور سردار ولی خاں

Marfat.com

کی بھرپور مساعی سے وزیریوں نے نادر خاں کی امداد کا فیصلہ کر لیا تو شاہ ولی خاں کو وزیریوں کے لاؤ لشکر کے ساتھ کابل پر حملہ کے لیے روانہ کیا گیا۔

شاہ ولی خان کے حملہ کی خبر بچہ سقّہ کو ہوئی تو اُس نے خیال کیا کہ آٹھ نو ماہ کی حکومت ختم ہوا چاہتی ہے۔ تو اُس نے نادر خاں کے خاندان کے افراد کو قلعہ ارک میں میگزین کے قریب دیوار میں بند کر دیا۔ جب شاہ ولی خان کو اس کی خبر ہوئی تو اُس نے گولہ باری میں قدرے تامل کیا اور اپنے بڑے بھائی نادر خاں کو اس تازہ صورتِ احوال سے مطلع کر کے اس سلسلہ میں دریافت کیا کہ اُسے گولہ باری کرنی چاہیئے یا نہیں۔ اس کے جواب میں محمد نادر خان نے حکم دیا۔

"کچھ پرواہ نہ کرو اور قلعہ ارک پر گولہ باری کرتے رہو"۔

چنانچہ توپوں کے دہانے کھول دیئے گئے اور جلد ہی کابل پر محمد نادر خاں کا قبضہ ہو گیا۔ بچہ سقہ اور سیّد حسین نے راہ فرار اختیار کی، مگر بعض میں جب ان دونوں کی جان بخشی کا وعدہ کیا گیا تو وہ دونوں اس وعدہ پر بھروسہ کرتے ہوئے دربار نادری میں حاضر ہو گئے۔ لیکن عوام نے اس قدر مجبور کیا کہ حکومت کو انہیں پھانسی پر لٹکانا پڑا۔ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ بچہ سقہ اور سید حسین کو مع اُن کے ہمراہیوں کے قتل کر ڈالا گیا اور اسی تعداد کے کتّے بھی موت کے گھاٹ اتارے گئے اور پھر ایک ایک قبر میں ایک کتّا اور بچّہ سقہ، کتّا اور سیّد حسین اور ان کے ہر ساتھی کے ساتھ ساتھ بھی ایک ایک کتّا دفن کیا گیا۔

بچہ سقہ کی حکومت کا خاتمہ کرنے کے بعد نادر خاں نے قوم کا جرگہ طلب کیا اور ان سے کہا کہ وہ خود میں سے کسی کو اپنا بادشاہ منتخب کر لیں۔ اس پر جرگہ نے متفقہ طور پر آپ ہی کو اپنا بادشاہ منتخب کیا۔ لیکن ابھی محمد نادر شاہ کو حکومت کرتے ہوتے چند برس ہی گزرے تھے کہ تقسیم انعامات کے موقع پر ایک افغان نوجوان عبدالخالق نامی نے نادر شاہ کو گولی مار کر ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔

محمد نادر شاہ کے بعد ان کا بیٹا ظاہر شاہ تخت نشین ہوا۔ اسے اس کے قریبی عزیز داؤد خاں نے اس کی افغانستان میں عدم موجودگی پر ملک سے بیدخل کر دیا۔ اس کے بعد افغانستان میں کمیونسٹ حکومت برسرِ اقتدار آگئی ہے۔

Marfat.com

عبدالرحمٰن ثالث

اندلس میں عبدالرحمٰن الداخل کی وفات کے بعد ۱۷۲ ھجری میں ان کے بیٹے ہشام کو بادشاہت ملی۔ ہشام کا شمار اندلس کے نیک دل، خدا پرست اور ذہین بادشاہوں میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے مختلف بڑے بڑے کام کیے۔ وہ آٹھ برس تک برسرِ اقتدار رہ کر ۱۸۰ ہجری میں وفات پا گئے۔ ان کے بعد الحکم بادشاہ ہوئے۔ رمضان ۱۹۸ ہجری میں ان کے خلاف بغاوت ہوئی جو انہوں نے اپنی مستقل مزاجی اور استقلال سے فرو کر دی۔ سلطان الحکم ۲۶ برس تک برسرِ اقتدار رہنے کے بعد وفات پا گئے تو ان کے بعد ان کا بیٹا عبدالرحمٰن ثانی بادشاہ بنا۔ اس نے قرطبہ کو دنیا کا ایک خوبصورت ترین شہر بنا دیا۔ اس کے عہدِ حکومت میں عیسائیوں نے اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا ارتکاب کیا اور اس تحریک کا لیڈر اور دوسرے پادری اپنے کیفرِ کردار کو پہنچے۔ ان بدباطن اور بدزبان عیسائی رہنماؤں کی گردنیں مار دی گئیں۔ اسی عہد میں عیسائی ماں اور مسلمان باپ کی بیٹی زہرا فلورا عیسائی ہو گئی تھی اور مرتد ہونے کی پاداش میں جہنم رسید ہوئی تھی۔ عیسائیوں کے رہنما پولوجیٹس کے قتل کے بعد عیسائی ٹھنڈے پڑ گئے اور پھر تاریخ میں ان کی بدزبانی کا کوئی واقعہ ظہور پذیر نہیں ہوا۔

اندلس (سپین) کچھ عجیب و غریب ملک تھا کبھی تو یہاں امن و امان قائم ہو جاتا اور کبھی خانہ جنگی کی آگ بھڑک اٹھتی۔ عبدالرحمٰن ثانی (دوئم) کے بعد کئی امیر برسرِ اقتدار آئے لیکن ملکی حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے حتیٰ کہ اندلس کے تخت و تاج کا

Marfat.com

مالک اکیس سالہ عبدالرحمٰن ثالث بنا۔ خیال تھا کہ اس جواں سال امیر کے خلاف اس کے مقتدر چچا اور قریبی رشتہ دار بغاوت کریں گے۔ لیکن خلافِ توقع عبدالرحمٰن ثالث سے سبھی خوش رہے۔ انہوں نے کم عمری کے باوجود ملکی عوام اور اپنے دربار میں بہت زیادہ مقبولیت اور شہرت حاصل کر لی۔ ان کی ذات اُن ساری خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ تھی جو ایک اچھے بادشاہ میں ہونی چاہئیں۔ وہ ایک انتہائی خوش شکل، با اخلاق بامروت اور مہذب انسان ہونے کے باوجود زود فہمی میں شباب پر پہنچے ہوئے تھے۔ وہ اپنے علم و فضل، خطابت اور سیاسیانہ کمالات کی بدولت اندلس کے عوام میں بڑے ہر دلعزیز تھے۔ عام لوگ چونکہ خانہ جنگیوں سے بڑے تنگ آئے ہوئے تھے اس لئے سب نے عبدالرحمٰن ثالث کو سچے دل سے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا تھا۔

عبدالرحمٰن ثالث کے دادا امیر عبداللہ اور اس کے اسلاف کی غلط روی سے اندلس کو جو نقصان پہنچا تھا، عبدالرحمٰن نے پورے اٹھارہ برس صرف کر کے اس کی کماحقہٗ تلافی کی۔ انہوں نے میانہ روی کی پالیسی اختیار کی اور عوام کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے مختلف مثبت اقدامات کئے۔ سرکشوں کی اچھی طرح گوشمالی کی۔ برگشتہ خاطر سرداروں کو بلا کر ان کی دلجوئی کی۔ عبدالرحمٰن ثالث نے باغی صوبوں پر یلغار کی تو وہ خود اپنی افواج کا سپہ سالار تھا۔ اس سے اس کی سپاہ کے حوصلے بلند ہو گئے اور سارے باغیوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اندلس کے جنوبی اضلاع سیوائل، مغربی اضلاع جہاں بربر لوگوں کی آبادی تھی، الجیرو، قلعہ، بیڑو، صوبہ مرشیا اور طلیطلہ جو مرکز سے بغاوت کر کے الگ ہو چکے تھے، عبدالرحمٰن کی شجاعت دلیری، مستقل مزاجی اور ذہانت کے طفیل دوبارہ سلطنت اندلس کا حصہ بن گئے۔ غرضیکہ انہوں نے اپنے مورثِ اعلےٰ عبدالرحمٰن الداخل کی سلطنت مکمل کر لی جو اسے ورثہ میں ملی تھی۔

اس کی رعایا کے عربی، بربری اور اندلسی عوام نے بنو امیہ کی اس حکومت کو ... عوام کو امن و امان کی فضا میں موقع ملا کہ وہ آزادی

Marfat.com

سے اپنی زندگی بسر کریں اور زندگی کی نعمتوں سے پوری طرح لطف اندوز ہوں۔
ایک مرحلہ پر عبدالرحمٰن ثالث نے بنی امیہ کے خلفاء کا موروثی لقب اختیار کرکے خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث الناصر الدین اللہ کہلانا شروع کر دیا۔ یہ لقب اختیار کرنے کے بعد انہوں نے تیس ۳۰ برس مزید حکومت کی اور اپنے اس عہدِ حکومت میں انہوں نے ملک میں رعایا کی فلاح و بہبود اور ملک کی تعمیر و ترقی کے لیے بڑے ٹھوس قوانین کا نفاذ کیا اور وہ صحیح معنوں میں الناصر الدین اللہ ثابت ہوئے۔
عیسائی مورخین نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ وہ ایک عظیم سلیم الطبع اور روشن خیال بادشاہ تھے۔ حلیم المزاجی اور انصاف پسندی میں اُن کا کوئی ثانی نہ تھا۔ میدانِ جنگ میں وہ ایک بہادر اور شجاع سپہ سالار تھے۔ دین کے زبردست حامی اور علوم کے شیدا تھے۔ علمی مباحثوں میں ذوق و شوق سے شرکت کرتے تھے، علماء و فضلا کے قدرداں اور سرپرست تھے۔ ان کے دربار میں علماء و فضلاء کی بڑی تعداد موجود تھی۔

اپنی عمر کے آخری مرحلہ میں خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث نے شاہانہ شان و شوکت کو لات مار کر ایک درویش ابوایوب نامی کی مریدی اختیار کر لی تھی اور سلطنت کا سارا بوجھ اپنے ولی عہد الحکم کے کندھوں پر رکھ دیا تھا۔ وہ اس بزرگ درویش کے مرید ہونے کے بعد اپنے وقت کا بیشتر حصہ نماز، روزے اور عبادت الٰہی میں گزارتے تھے۔ انہوں نے ستر برس کی عمر میں انتقال کیا تو ان کی وفات کے بعد ان کے کاغذوں میں سے ایک بیاض دستیاب ہوئی۔ جس میں انہوں نے اپنے نجی حالات اور خیالات قلمبند کر رکھے تھے۔ اس بیاض کے ایک صفحے پر اُن کے قلم سے درج تھا۔

"میں بڑے امن و امان اور کامیابی کے ساتھ پچاس برس حکومت کر چکا ہوں۔ میری رعایا میری شیدائی تھی اور میرے دشمن مجھ سے کانپتے تھے، میرے حلیف اور دوست مجھے پسند کرتے تھے۔ دُنیا بھر کے بادشاہوں نے میری دوستی کی خواہش کی تھی۔ دنیا کی کوئی ایسی شے نہ تھی جس کی انسان خواہش کرے اور وہ مجھے

Marfat.com

میسر نہ ہوئی ہو۔ شہرت، مقبولیت طاقت عیش و آرام غرضیکہ مجھے سبھی کچھ حاصل تھا۔ اپنی طول وطویل زندگی میں میں نے جب ان ایام کی گنتی کی۔ جن میں مجھے کسی فکر نے نہ ستایا تھا اور میں حقیقی مسرت حاصل کر سکا تھا تو ایسے ایام صرف چودہ نکلے۔

ساری تعریفوں کا مستحق وہی ہے جس کی شان لازوال ہے اور جو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔

لا اِلٰہَ اِلَّا اللہ وھُوَ الحیّ القیوم۔

ژاں لفیت

مُحبّ وطن قزاق

میو آرلینس (امریکہ) کے عجائب گھر میں ایک تلوار ہے۔ اس تلوار کا مالک محبّ وطن قزاق ژاں لفیت تھا جس نے یہ تلوار اپنے وطن کی حفاظت کے لیے برطانیہ کے خلاف اٹھائی تھی۔

ژاں لفیت کو انقلاب فرانس میں ہلاک شدہ ایک فرانسیسی امیر کا بیٹا سمجھا جاتا تھا جو اٹھارہویں صدی کی ابتدا میں امریکہ آگیا تھا۔ جہاں اس نے خلیج بیریٹریا کے علاقہ گرینڈ آیتل میں پوشیدہ پناہ گاہ بنا رکھی تھی۔ ژاں لفیت اور اس کے بھائی پیرلی نے بحری قزاقوں کی ایک جماعت ترتیب دے رکھی تھی۔ اس جماعت میں مفرور، مجرم، سمگلر، ماہی گیر، زندگی کی یکسانیت سے نالاں لوگ اور قزاقی کا پیشہ اختیار کرنے والے شریف آدمی سبھی شامل تھے۔ ژاں لفیت ان بحری قزاقوں کا سردار تھا۔ وہ ہسپانوی، برطانوی اور امریکی جہازوں کے لوٹنے کے منصوبے بناتا تھا۔ اس کے ساتھی جہازوں کو اپنے

Marfat.com

قبضے میں لینے کے بعد ان سے لوٹ کا مال چھوٹی کشتیوں میں اتارتے تھے۔ یہ کشتیاں خلیج کے اندرونی حصّوں، جھیلوں اور کھاڑیوں کے خفیہ راستوں پر رواں دواں منزلِ مقصود پر پہنچ جاتی تھیں۔ یہ خفیہ راستے صنوبر کے جھنڈوں، شاہ بلوط کے درختوں، لمبی لمبی گھاس اور دُور دور تک پھیلی ہوئی بید کی جھاڑیوں کے درمیان سے ہوتے ہوئے نیو آرلینس اور دور دراز کے نو آباد علاقوں تک چلے گئے تھے۔ بحری قزاق لوٹ مار سے حاصل کیا ہوا ساز و سامان رات ہی رات میں ضرورت کے مطابق شہر پہنچا دیتے تھے یا آباد کاروں کی گودیوں پر اتار کر محفوظ کر لیتے تھے۔

ان دنوں امریکہ کو لوزیانہ خریدے ہوئے صرف دس برس گزرے تھے اور لوزیانہ کے عوام دور افتادہ واشنگٹن کے کچھ زیادہ وفادار نہیں تھے۔ اس لیے وہ جائز طریق پر برآمد کیے ہوئے مال کے محصول سے بچنے کے لیے ژاں لفیت کے قائم کردہ چور بازار کی بڑھ چڑھ کر سرپرستی کر رہے تھے اور نیو آرلینس کے صدر بازار رائل سٹریٹ میں لفیت بھائیوں کی قائم کردہ دکان پر خریداروں کا ہجوم رہتا تھا۔ جدید سٹائل کی اس دکان پر قسم قسم کی شرابیں جواہرات، نقرئی برتن، ریشم و دیبا اور ہمہ اقسام بیش قیمت اشیا فروخت ہوتی تھیں اور کبھی کسی نے یہ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی کہ آخر یہ نادر و نایاب اشیاء کہاں سے آتی ہیں؟

اسی زمانہ میں امریکی حکومت نے افریقی غلاموں کی درآمد ختم کر دی تو مزدوروں کی قلّت کا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ جسے لفیت بھائیوں نے یوں حل کیا کہ وہ ان ہسپانوی جہازوں پر قبضہ کر لیتے جن میں افریقی غلام لدے ہوتے وہ انہیں گرینڈ آئیل لاتے اور یہاں سے مخفی راستوں کے ذریعہ دلدلوں میں پہنچا دیتے جہاں ان سیاہ فام افریقی غلاموں کا گوشت بحساب ایک ڈالر فی پونڈ تُل کر فروخت ہوتا۔

Marfat.com

ژاں لفیت اپنے علاقہ کا بے تاج بادشاہ تھا وہ اپنے امیر کبیر گاہکوں کے ساتھ تو بڑے اخلاق سے گفتگو کرتا تھا لیکن اپنی رعایا کے ساتھ سختی کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا تھا۔ وہ اپنی سفارتی مراسلت کے لیے تین زبانیں استعمال کرتا۔ اپنی قلمرو کی مالیات پر گہری نظر رکھتا۔ روپیہ جمع کرنا، ادھار اور قرض کے معاملات طے کرنا۔ شہر کے وکلاء سے قانونی امداد حاصل کرنا منڈیوں میں اشیاء کے نرخوں پر کنٹرول رکھنا اور بڑے بڑے سودے طے کرنا سبھی کچھ اس کے فرائض میں داخل تھا۔

امریکی حکومت نے ژاں لفیت اور اس کے بحری قزاقوں کی سرگرمیوں کا قلع قمع کرنے کے لیے کئی بار محکمہ مال کے افسروں کو بھیجا جنہوں نے ژاں لفیت کو گرفتار کرنے کی کوشش کی اور اس کے ہاتھوں خود گرفتار ہو گئے۔ ژاں لفیت انہیں تحفے تحائف دیتا تھا اور رہا کر کے واپس بھیج دیتا تھا۔ لوزیانہ کے پہلے گورنر ولیم سی، سی کلے بورن کو ژاں لفیت کی سرگرمیوں کا حال معلوم ہوا تو اس نے لفیت کی گرفتاری کے لیے انعام مقرر کر دیا۔ چنانچہ نیو آرلینس کی ایک شاہراہ پر ایک اشتہار چسپاں کیا گیا۔

" پانچ صد ڈالر انعام کا مستحق وہ شخص قرار پائے گا جو مسمّی ژاں لفیت کو گرفتار کر کے کوتوال شہر کے حوالہ کر دے تاکہ ژاں لفیت پر مقدمات قائم کئے جا سکیں اور اس مجرم کو قرار واقعی سزا دی جا سکے۔ یہ حکم آج ۲۴ر نومبر ۱۸۱۳ء کو نیو آرلینس میں میرے دستخط سے جاری ہوا۔ منجانب گورنر

دستخط ولیم سی، سی کلے بورن

ایک صبح جن سینکڑوں شہریوں نے یہ اشتہار پڑھا ان میں شہر کی ہر دلعزیز شخصیت ژاں لفیت بھی شامل تھا گو بیسیوں شہری اس سے واقف تھے لیکن کسی نے اس پر انگشت نمائی نہیں کی۔ لفیت اشتہار پڑھ کر مسکرایا اور جب تین روز بعد گورنر اس راستہ سے گزرا تو اپنے حکم نامہ پر چسپاں ایک اشتہار پڑھ کر مارے غصّہ کے پیچ و تاب کھانے لگا۔ اس اشتہار میں مسمّی

Marfat.com

ولیم کلے بورن کو گرفتار کر کے لفیت کی خفیہ پناہ گاہ گرینڈ آئیل پہنچانے والے کو ۵۱۵ صد ڈالر انعام دینے کا اعلان درج تھا۔ شہریوں نے لفیت کے اس مذاق کی دل کھول کر داد دی تھی۔

ان دنوں امریکہ اپنی جنگ آزادی لڑ رہا تھا۔ ۱۸۱۲ء میں جنگ کی ابتدا ہوئی تھی اور تین برس سے جنگ جاری تھی۔ حالات بد سے بد تر ہوتے جا رہے تھے۔ برطانیہ امریکی بندرگاہوں کی ناکہ بندی کر کے اسے گرفت میں رکھنا چاہتا تھا۔ نیو آرلینس سی ضروری بندرگاہ پر گذشتہ دس سال میں تین بار مختلف پرچم لہرائے گئے تھے۔ ان دنوں ایک بار پھر اس بندرگاہ پر متوقع برطانوی حملے کی افواہیں گشت لگا رہی تھیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ گورنر کلے بورن۔ لفیت برادران کے سر کچلنے کی تدابیر پر غور کرتا رہتا تھا۔ لیکن اس بندرگاہ کے کناروں کی آبادی کسی بھی متوقع خطرے سے قطعی خوفزدہ نہ تھی۔ یہاں کے باشندے معمول کے مطابق رقص و سرود کی محفلوں میں حصہ لیتے رہے اور لفیت بھائیوں کے فراہم کردہ عیش و عشرت کے ساز و سامان پر اپنی دولت صرف کر رہے تھے!

انہی دنوں بحران کے اس موقع پر ایک دن برطانیہ کے شاہی بیڑے کے جہاز "صوفیہ" نے جزیرے کے قریب لنگر ڈالا اور جہاز کا کپتان لاکیر اور برطانوی فوج کا کپتان ولمین ژاں لفیت تک پہنچے اور برطانیہ کی طرف سے یہ تحریری پیش کش کی کہ اگر ژاں لفیت اور اس کے بحری قزاق برطانوی شاہی افواج کے شانہ بشانہ نیو آرلینس پر حملہ آور ہوں اور وہاں کی امریکی حکومت کو شکست دے کر راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیں تو برطانیہ معاوضہ میں ژاں لفیت کو بہت سا روپیہ بھی دے گا۔ فوج میں کمیشن بھی دے گا اور اس کے ساتھیوں کو لوزیانہ کے مقبوضہ علاقے میں برطانوی حکومت اراضی بھی دے گی۔ بصورت دیگر ژاں لفیت نے اس برطانوی تجویز سے اتفاق نہ کیا تو "صوفیہ" پر نصب توپیں قزاقوں کے ٹھکانوں پر تاک تاک کر گولے پھینکیں گی اور

Marfat.com

قزاقوں کو تباہ و برباد کر دیں گی۔

ژاں لفیت نے برطانوی افسروں سے تھوڑی سی مہلت مانگی تاکہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اس تحریری پیش کش کے ہر پہلو پر مشورہ کر سکے۔ برطانوی افسر لفیت کی مہمان نوازی سے مستفید ہوتے ہوئے بیش قیمت شراب پینے میں مصروف رہے اور لفیت نے اس مہلت سے مستفید ہونے کے لیے برطانوی معاہدہ گورنر کلے بورن کو بھجوا دیا اور متوقع برطانوی حملے کی اطلاع بھی دے دی۔ اس نے خلوصِ دل سے امریکہ کو اپنی خدمات بھی پیش کیں اور اس کے لیے یہ شرط پیش کی کہ اس کی قلمرو کے عوام کو عام معافی کے ساتھ حقوق شہریت بھی عطا کیے جائیں۔

ژاں لفیت گورنر کلے بورن کے جواب کا انتظار کر رہا تھا کہ کئی روز بعد جنگی کشتیوں کا ایک بیڑہ خلیج پر آوارد ہوا اور ژاں لفیت کے جہازوں پر قبضہ کر کے قزاقوں کی بستی پر بھی گولے برسانے لگا۔ قزاق اس اچانک حملے سے بوکھلا اُٹھے۔ ان کی بستی جلنے لگی تو وہ دلدلوں کی طرف پسپا ہو گئے۔ قزاقوں کا سارا مال ضبط کر کے کلے بورن نے لفیت کی پیش کش کو ٹھکرانے کا اعلان کر دیا تھا اور یہ بھی واضح کیا تھا کہ امریکہ کو قزاقوں کے ساتھ کسی قسم کا سمجھوتہ کرنا پسند نہیں ہے۔ کلے بورن کے اس اقدام کی میجر جنرل اینڈریو جیکسن نے بھی تائید کی۔ جسے نیو آرلینس کے دفاع کی ذمہ داری سونپی گئی تھی لیکن اسی جیکسن کے شہر گیر پول پہنچ کر یہ دیکھ کر ہاتھ پاؤں پھول گئے کہ دفاع کرنے والی باقاعدہ فوج کے سپاہیوں کی تعداد صرف سات صد کے لگ بھگ ہے۔ توپ خانہ نہ ہونے کے برابر ہے اور گولہ بارود کی کم مقدار چند گھنٹوں سے زیادہ ساتھ نہیں دے سکتی۔ شہری متوقع حملے سے زیادہ خوفزدہ تھے۔ بنک اور سارا کاروبار [illegible]ل ہو چکا تھا اور ستم ظریفی یہ ہوئی تھی کہ ژاں لفیت پر کلے بورن کے حملہ [illegible] شہریوں کو یقین دلا دیا تھا

Marfat.com

کہ اب قزاق بھی برطانوی فوجوں کی حمایت میں شہر پر حملہ آور ہوں گے۔ گو لوزیانہ کی آبادی اب تک لندن اور واشنگٹن کی اس جنگ سے لاتعلق رہی تھی لیکن اس اطلاع پر سارے شہری اپنے شہر کا دفاع کرنے کے لیے میدان میں نکل آئے تھے سر ایڈورڈ پیکنم چودہ ہزار تربیت یافتہ سپاہیوں کے ساتھ ان کے پیارے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کے لیے برق رفتاری سے چلا آرہا تھا۔ اب جیکسن کے پرچم تلے جہاں ہر طبقہ سے متعلق شہری جمع ہو چکے تھے۔ وہاں آزاد نیگرو باشندوں اور جنگلی ریڈ انڈینوں کی خاصی تعداد بھی آگئی تھی۔ انہی دنوں کنٹگی اور مینسی کے تین ہزار سات صد نشانہ باز بھی آگئے۔ اب جیکسن کے پاس لڑنے والے آدمیوں کی کمی نہ رہی تھی لیکن گولہ بارود کی زبردست کمی اور توپچیوں کی عدم موجودگی نے اسے اب بھی پریشان کر رکھا تھا۔ ایک دن وہ متفکر بیٹھا تھا کہ ایسے بحری جہاز کہاں سے لائے جو سمندر اور دریائے مس سیسی پی کے کناروں پر پھیلے ہوئے اس شہر کے آبی راستوں کی حفاظت کر سکیں۔

اچانک جیکسن نے نظر اٹھائی تو دروازے میں ایک اور جوان کھڑا نظر آیا چھ فٹ قد کے اس مضبوط ڈیل ڈول کے نوجوان نے عجیب و غریب قسم کی سبز وردی پہن رکھی تھی۔ اس کے سر پر پوستین کی ٹوپی تھی۔ یہ ژان لیفت تھا جسے حکومت کا باغی قرار دیا جا چکا تھا اور اس کی گرفتاری کے لیے انعام بھی مقرر تھا یہی ژان لیفت خود کو جیکسن کی سپردگی میں دینے آگیا تھا۔ وہ جیکسن سے مخاطب ہو کر بولا۔

"میں غیر مشروط طور پر اپنے ساتھیوں کو اپنے سارے جہازوں اور گولہ ارود سمیت آپ کے حوالہ کرتا ہوں، ہم سب مادر وطن کی آزادی کے لئے نری دم تک لڑیں گے۔"

جیکسن نے فوری طور پر فیصلہ کر لیا اور بولا

"امریکہ تمہاری اس بروقت پیش کش کو بخوشی قبول کرتا ہے اور تمہارا

Marfat.com

احسان مند ہے۔" فوراً ہی گورنر بر کلے بورن نے ایک نیا حکم جاری کیا جس میں کہا گیا تھا کہ بیر یٹیریا کے بعض لوگوں نے امریکہ کی خدمت کا عہد کیا ہے۔ اس لیے اگر انہوں نے بہادری سے اپنے فرائض ادا کیئے تو انہیں محبان وطن تسلیم کر لیا جائے گا۔ اب شہری حیرت کے عالم میں ان قزاق سرداروں کو شہر میں آزادانہ گھومتے پھرتے دیکھنے لگے جن کو وہ قبل ازیں بڑے خوفناک ناموں سے ہی جانتے تھے۔ قزاقوں کے بعض مشہور سردار ڈومینگ یو۔ گیمبی، شنگی نزولا بانکٹا اور رینی بلاشے تھے جو ۸ رجنوری ۱۸۱۵ء کے دن امریکہ کی مختصر بے ہنگم فوج کے ہمراہ برطانوی فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے شہر سے باہر نکل آئے۔

پیکنیم کی زیر کمان فوج امریکنوں سے تعداد میں تین گنا زائد تھی۔ پھر اس فوج کو جنگی ساز و سامان کے لحاظ سے بھی برتری حاصل تھی۔ اس لیے پیکنیم پوری خود اعتمادی کے ساتھ آگے بڑھ کر حملہ آور ہوا اُسے یقین تھا کہ وہ تھوڑی دیر بعد امریکی فوج کو مار بھگائے گا۔ امریکی فوج کپاس کی گانٹھوں کے مورچوں میں تیار بیٹھی تھی۔ جوں ہی برطانوی فوج نے مورچوں پر گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ جواب میں امریکی فوج کے سرحدی نشانہ بازوں نے بھی حملہ آور برطانوی فوج کے سپاہیوں کو نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ اب ایک طرف تو انگریزی فوج کی گولیاں کپاس کی گانٹھوں میں جذب ہوتی ہوئی ضائع ہونے لگیں تو دوسری طرف سرحدی نشانہ بازوں کو گولیوں نے لال وردی میں ملبوس برطانوی فوج کے سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتارنا شروع کر دیا تیسرے اور چوتھے توپ خانے کے توپچیوں نے برطانوی فوج کی توپوں کو تاک تاک کر نشانہ بنایا اور ساری برطانوی توپوں کو لوہے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی صورت میں دور دور تک اڑا کر پھینک دیا۔ تیسرے اور چوتھے توپ خانے کی کمان یو اور بلاشے کے سپرد تھی اور توپچی وہ قزاق تھے جنہیں ہچکولے کھاتے ہوئے جہازوں سے بھی نشانہ لگانے کی مشق تھی۔ بعض قزاق توپچیوں کو نپولین کی فوج کے توپچی رہنے

Marfat.com

کا فخر حاصل تھا۔ اس لیئے ان سب کے نشانے بے خطا تھے۔ جیکسن نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا کہ "جنرل اس امر کی تعریف پر مجبور ہے کہ یو اور ربلاشے نے بڑی جواں مردی ہمت اور استقلال کے ساتھ مادرِ وطن کے دفاع کے لیئے اپنے ہتھیاروں کا استعمال کیا ہے اور ت بھائیوں نے بھی بڑی بہادری اور شجاعت سے وطن کی مدافعتی جنگ لڑی ہے۔"

یہ درست ہے کہ ژاں لفیت نے جنگ کے روز اپنے ایک جہاز پر کھڑے رہ کر جنگ کے آبی محاذ کی پوری پوری حفاظت کی تھی لیکن اس جنگ کا فیصلہ تو اسی دن ہو گیا تھا جب لفیت نے برطانوی رشوت کے جال میں پھنسنے سے انکار کر دیا تھا اور اپنی ساری صلاحیتوں، سارے آدمیوں اور سارے ساز و سامان کو امریکہ کے حوالے کر دیا تھا۔ اس فتح کا باعث لفیت اور اس کے ساتھیوں کی بھرپور جدوجہد بھی تھی۔ اس جنگ میں چودہ سو برطانوی سپاہی موت کے گھاٹ اترے تھے۔ ان میں سر ایڈورڈ بھی تھا۔ اس کے مقابلہ میں امریکہ کے صرف ۱۲ آدمی ہلاک ہوئے تھے۔ ۲۳ جنوری ۱۸۱۵ء کو فرنچ ایکس چینج کی پرانی عمارت میں فتح کا جشن منایا گیا تو اس میں جنرل جیکسن ایک لوک گیت کی دھن پر رقصاں ہوئے اور ژاں لفیت پوری شان و شوکت کے ساتھ گورنر کلے بورن سے اس طرح باتوں میں محو رہا جیسے وہ دونوں بچپن کے ساتھی ہوں اور کافی مدت کے بعد اچانک ان کی ملاقات ہو گئی ہو۔ اس نے امریکی افسروں کے ساتھ شراب پی، شرفاء کے ساتھ گپ شپ ہانکی اور شہر کی کئی خوبصورت خواتین کے ساتھ رقص میں حصہ لیا۔ اب اعلیٰ طبقہ کے افراد کو اُسے اپنا ایک ہم عصر تسلیم کرنا پڑ گیا تھا۔ مارچ کی ابتداء میں امریکہ کے صدر میڈیسن نے ایک حکم کی رو سے بیریٹیریا کے لوگوں کو عام معافی دے دی تھی اور سارے شہری حقوق بھی عطا کر دیئے تھے۔

اس کے ایک ماہ بعد تک ژاں لفیت اور اس کے ساتھی امن و سکون کی زندگی بسر کرتے رہے۔ پھر جب زندگی کی یکسانیت جمود اور اُن کی فطرت نے

Marfat.com

اُنہیں چین سے نہ بیٹھنے دیا تو وہ اپنے جہازوں میں سوار ہو کر لوٹ مار کے لیئے چل پڑے۔ اب پھر قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو گیا اور جب قزاقوں کی سرگرمیوں میں اضافہ ہو گیا تو امریکہ، برطانیہ اور ہسپانیہ نے متحد ہو کر قزاقوں کا قلع قمع کرنے کے لیے اقدامات کئے۔ نتیجہ میں بیر ببیٹریا کے لوگوں کو اپنی کمین گاہوں سے باہر نکل کر جانیں بچانے کے لیے بھاگنا پڑا۔ ژاں لفیت کے بارے میں نیو آرلینس میں سُنا گیا کہ وہ گیلولٹین کے جزیرے پر قابض ہو گیا ہے اور وہاں قزاقوں کا ایک شہر بسا کر بڑے ٹھاٹھ کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ پھر چند دنوں کے بعد یہ خبر آئی کہ قزاقوں کے شہر پر اس کی گرفت ڈھیلی ہو رہی ہے انہی دنوں ہسپانیہ نے اپنے تجارتی جہازوں کی حفاظت اور قزاقوں کے متوقع حملوں کے پیشِ نظر اپنے جنگی جہاز بھی بھیجنے شرُوع کر دیئے تو ژاں لفیت کے ساتھی قزاقوں نے اس کی ہدایات کو نظر انداز کر کے امریکی تجارتی جہازوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ ژاں لفیت نے دوسروں کو عبرت دلانے کے لیے ایک بڑے نافرمان قزاق کو پھانسی پر بھی لٹکا دیا اور چار دوسرے قزاقوں کو قرار واقعی سزا دلوانے کے لیے امریکی حکام کے حوالے بھی کر دیا۔ لیکن یہ کارروائیاں مُفید ثابت نہ ہو سکیں۔

۱۸۱۷ء میں امریکی جہاز "لنکس" نے گیلولیٹسن کا محاصرہ کر لیا اور ژاں لفیت کو حکم دیا کہ وہ جزیرہ خالی کر دے اور اس علاقہ سے نکل جائے۔ بہادر ژاں لفیت نے یہ حکم سُنا تو ہتھیار اٹھانے کی بجائے بڑی خندہ پیشانی سے اس حکم کی تعمیل کی حامی بھر لی۔ وہ بہادر انسان جو کبھی ہسپانیہ اور برطانیہ کو بھی خاطر میں نہ لاتا تھا اور بڑی سے بڑی طاقت سے بھی ٹکرانے کے لیئے ہر لمحہ تیار رہتا تھا کیا امریکی فوجی کارروائی سے ڈر گیا تھا یا یہ بات تھی کہ وہ اپنے اس عہد کو نبھا رہا تھا کہ امریکہ کے خلاف کبھی ہتھیار نہیں اٹھائیگا بہر حال جو کچھ بھی تھا اس نے اپنے نو آباد شہر کو آگ لگا کر اس کا نام و نشان تک مٹا دیا اور خود جہاز پر سوار ہو کر وسیع سمندر میں اپنے نامعلوم سفر

Marfat.com

پر روانہ ہو گیا۔

اِس کے بعد اس مُحبِّ وطن قزاق کی زندگی کس طرح بسر ہوئی یہ کسی کو معلوم نہیں ہے۔ وہ سمندر کی لہروں کی نذر ہو گیا یا اسے کسی ساحل کی ریت نے چپ چاپ اپنے دامن میں جگہ دے کر دُنیا کی نظروں سے چھپا لیا تھا۔ اس بارے میں کوئی بھی حتمی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ آج دُنیا میں مُحبِّ وطن قزاق ژاں لفیت کا کوئی نشان باقی ہے تو وہ صرف ایک تلوار ہے جو نیو آرلینس کے عجائب گھر کی زینت بنی ہوئی ہے۔ یہ وہی تلوار ہے جو ژاں لفیت کی یاد اُن داستانوں سے تازہ کرتی رہتی ہے جو اس کے مدفون خزانوں کے بارے میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان داستانوں میں کہا گیا ہے کہ جب برطانیہ، ہسپانیہ اور امریکہ نے قزاقوں کے خلاف متحدہ اقدامات کئے تھے اور قزاق اپنی کمین گاہوں سے نکل کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے تھے تو اس موقع پر وُہ صرف اپنی جانیں بچا سکتے تھے اور اس افراتفری کے عالم میں انہیں اپنے مدفون خزانے نکال کر اپنے ساتھ لے جانے کی بھی مہلت نہ ملی تھی جو لوزیانہ میں ژاں لفیت کے ماہی گیری کے گاؤں کے آس پاس دفن تھے اور جنہیں جنگلی چنبیلی کی بیلوں نے بڑی خوش اسلوبی سے ڈھانپ رکھا تھا۔

o

عوامی فاتح

روبس پیئر (ROBES PIERRE) ۱۷۸۵ء-۱۷۹۴ء انقلاب فرانس کا ممتاز رہنما تھا جو انقلاب رونما ہونے سے قبل منصف کے عہدے پر فائز رہ چکا تھا۔

روبس پیئر کو فرانسیسی دانشور روسو کے خیالات پسند تھے اور وُہ

Marfat.com

اُن سے متاثر ہوکر سیاست میں آیا اور قومی اسمبلی کا رُکن منتخب ہوگیا انقلاب سے قبل روبس پیئر نے عوامی تحریک میں حصّہ لینے کے لیے جیکوبین گروپ اور پیرس کمیون میں شرکت کی اور لیڈر منتخب ہو گیا۔

انقلاب کے ایام میں قومی کنونشن منعقد ہوا تو اس موقع پر روبس پیئر نے بادشاہ کو پھانسی دینے اور فرانس کو جمہوریہ بنانے کی تجویز پیش کی تھی جو منظور ہوگئی تھی اور شاہ فرانس اور اس کی ملکہ موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے تھے۔

روبس پیئر کو ۱۷۹۳ء میں تحفظِ عامہ کی کمیٹی کا رکن منتخب کیا گیا تو اُس نے ان گنت انقلاب دشمنوں کو پھانسی کی سزائیں دیں تھیں لیکن ان واقعات کے صرف ایک سال بعد بادشاہ کے حامیوں اور جاگیرداروں کے پٹھوؤں نے انقلاب دوستی کے جامے پہن کر حالات کو اس طرح موڑا کہ روبس پیئر کو بھی پھانسی دے دی گئی۔

مورخوں نے روبس پیئر کو اس کے ہم عصروں میں انتہائی دیانت دار اور صاحب ضمیر انسان قرار دیا ہے۔

اب ہم انقلاب فرانس کے محرکات اور دوسرے واقعات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

انقلاب فرانس کی ہیروئن

سترہویں صدی کا فرانسیسی شاہی دربار سازشی اور عیاش امراء کا معروف اکھاڑہ تھا۔ شاہ فرانس لوئی شانزدہم ایک کند ذہن اور ناعاقبت اندیش شخص تھا جس کی بدقسمتی میں اضافہ کا باعث اس کی ملکہ میری انتونیت بنی۔ شاہ آسٹریا کی یہ بہن انتہائی فضول خرچ۔ مشتعل مزاج اور موٹے نقش ونگار کی کسی حد تک خوبصورت عورت تھی۔ جس کے ایک نوجوان سویڈش فوجی افسر ایکسل کے ساتھ تعلقات کی داستان سارے فرانس میں

Marfat.com

مشہور تھی ۔ فرانس کی اس آخری ملکہ کے حکم سے اس کے لیے ہر سال یک صد بیش قیمت جوڑے پارچات تیار کیئے جاتے تھے ۔ اسے ہیروں جواہرات اور دوسری بیش قیمت اشیاء کی خرید کا بھی بے حد شوق تھا ۔ وہ اپنے دوستوں پر جی بھر کر خرچ کرتی اور انہیں قیمتی تحائف بھی دیتی تھی ۔ قمار بازی میں بھاری رقمیں ہار جانا اور تھیٹروں وناچ گھروں میں بے دریغ دولت لٹانا بھی اس کے روز مرّہ میں شامل تھا ۔ اس نے لاکھوں فرانک کے صرف سے قدیم عمارت سٹیٹ ٹرائیانین کو ایک خولصورت محل کی شکل دے دی تھی ۔ اس کی فضول خرچی ضرب المثل بن چکی تھی اور اس کی لوٹ کھسوٹ سے شاہی خزانہ خالی ہوچکا تھا ۔ جسے سنبھالا دینے کے لیے شاہ فرانس نے مختلف حیلوں بہانوں سے کاؤنٹ آف آرٹوائے ، ڈیوک آف بوربون اور مختلف شہزادوں کو جلا وطن کر دیا تھا اور ان سب کی جائداد شاہی خزانے میں داخل کر لی تھی ۔

یہی وجہ تھی کہ شادی کے بعد جب بھی لارڈ آف روبیل اور اس کی حسین وجمیل بیوی ایمی لار کو شاہی فرمان کے ذریعے شاہی دربار طلب کیا جاتا وہ کسی نہ کسی بہانہ کی آڑ لے کر اپنی روانگی کو ملتوی کر دیتے لارڈ آف روبیل وقت مقررہ پر شاہ فرانس کو خراج ادا کر دیتا تھا وہ شاہ فرانس سے ٹکرانا نہیں چاہتا تھا لیکن اپنی عزّت وناموس کے تحفظ کی خاطر اپنی حسین بیوی کو بداعمالیوں کے مرکز شاہی دربار کی رونق بھی بنانا نہیں چاہتا تھا ۔ پھر وہ اس حقیقت سے بھی واقف تھا کہ فرانس کا شاہی خزانہ خالی ہے ۔ جسے پُر کرنے کے لیے اسے بھی دوسروں کی طرح جلا وطن کیا جا سکتا ہے اور اس کی باوفا حسین بیوی پر زبردستی قبضہ کیا جا سکتا ہے ۔

۱۷۷۵ء کے ایک دن جب چھٹی بار شاہی فرمان بسلسلہ طلبی موصول ہوا تو کاؤنٹ آف روبیل نے اپنی گاڑی میں سوار ہو کر اپنی کاؤنٹی کے

Marfat.com

فرانسیسی سرحدی حصہ کی راہ لی ۔ کاؤنٹ کی روانگی کے فوراً بعد مارچ ۱۷۷۵ء کے موسم بہار کی ایک صبح کاؤنٹس ایمی لارا بھی ایک بند گاڑی میں سوار اپنے خاوند کے قلعہ سے نکلی اور اُس کی طرف روانہ ہوگئی ۔ اس کی گاڑی سرسبز لہلہاتے میدانوں سے گذرتی تو قدرتی مناظر کی یہ شیدائی کھڑکی کھول لیتی ۔ پھر جوں ہی گاڑی کسی گاؤں یا قصبے میں سے گذرتی ۔ وہ ہدایات کے مطابق کھڑکی بند کر لینے پر مجبور ہو جاتی ۔ گاڑی ایک گاؤں میں داخل ہوئی تو اس نے کھڑکی بند کر لی اور ابھی گاڑی گاؤں میں دیہاتی سڑک سے گزر رہی تھی کہ یک لخت کاؤنٹس کو ایک جھٹکا محسوس ہوا اور وہ سیٹ سے گرتے گرتے بچی ۔ پھر فوراً ہی فضا میں ایک چیخ بلند ہوئی اور گاڑی کے چاروں طرف لوگ جمع ہو گئے جو زور زور سے باتیں کر رہے تھے ۔ ساتھ ہی چابکوں کی سنسناہٹ بھی بلند سے بلند ہونے لگی ۔ اکاؤنٹس ایمی لارا نے بے ساختہ گھبرا کر کھڑکی کھول دی اور باہر دیکھا تو اس کے منہ سے بھی چیخ نکل گئی ایک چھ سالہ بچہ گاڑی کے نیچے آ کر کچلا گیا تھا اور اس کا جسم خون میں نہایا ہوا یاس ہی پڑا تھا ۔ گاڑی کے محافظ دیہاتیوں کو جن میں بچہ کی ماں بھی شامل تھی چابک مار مار کر گاڑی سے دور رکھے ہوئے تھے ۔ بچہ کی ماں کی آہ زاری سن کر پتھر سے پتھر دل بھی پگھل سکتے تھے ۔ لیکن گاڑی کے محافظوں پر کوئی اثر نہ ہو رہا تھا ۔ اس موقع پر اتفاقاً گاڑی کے گھوڑے بھی ہتھے سے اکھڑ گئے تھے ۔ کوچوان انہیں آگے بڑھانا چاہتا تھا لیکن وہ اپنی جگہ اچھل کود کر جمے ہوئے تھے اور کسی صورت آگے بڑھنے پر رضامند نہ ہوتے تھے ۔ اگر گھوڑے نہ بھڑک اٹھتے تو ایمی لارا اس دردناک نظارہ کو کبھی نہ دیکھ سکتی اور گاڑی کبھی کی گاؤں سے گزر چکی ہوتی اگر ایمی لارا کی جگہ کوئی دوسری کاونٹس ہوتی تو زخمی بچے کی نالائقی پر صلواتیں سناتی ہوئی اپنی گاڑی کے پہیوں پر خون کے نشانات لگنے کا گلہ شکوہ کرتی لیکن اس کے برعکس حسین ایمی لارا چونکہ ایک ہمدرد انسانیت رحم دل شخصیت

Marfat.com

تھی اس لیے اس دلخراش نظارہ کو دیکھ کر بے حد متاثر ہوئی۔ وہ فوراً گاڑی کا دروازہ کھول کر نیچے آئی اور آگے بڑھ کر سسکتے ہوئے زخمی بچہ کو آہستگی سے اپنی گود میں لے لیا جیسے یہ بچہ اس کا اپنا بیٹا ہو۔ محافظ حیران و پریشان دیکھتے رہے اور ایمی لارا بچے کو گود میں لئے ہوئے اس کی ماں کے پاس پہنچی اور استدعا کی کہ اسے آج زخمی بچے کی خدمت کے لئے اپنے گھر قیام کی اجازت دے دے۔

اس گاؤں کے مکینوں نے پہلی بار دیکھا کہ ایک خوبصورت امیر زادی بیش قیمت لباس میں ملبوس ایک تنگ و تاریک خستہ مکان میں چیتھڑوں پر بیٹھ کر ایک غریب میلے کچیلے گندے بچے کی دیکھ بھال میں مصروف ہے اور اس کی باقاعدہ مرہم پٹی کر رہی ہے گو غریب دیہاتیوں کو امیروں سے شدید نفرت تھی لیکن وہ ان سے ڈرتے بھی تھے مالدار کاؤنٹس کی تیمارداری نے جہاں ان لوگوں کی نفرت و ڈر دور کر دیئے اور وہ اس کی تعریف اور توصیف میں مصروف ہو گئے وہاں اس بچے کو بھی نئی زندگی بخش دی۔ اس بچے کا نام آلیور تھا۔ اس حادثہ سے اس کے بازو اور پاؤں ٹوٹ کر ٹیڑھے میڑھے ہو گئے تھے۔ ناک چپٹ پٹا اور چہرہ بھیانک ہو گیا تھا اور وہ اپنی بدصورتی کے طفیل علاقہ کے بدصورت ترین انسان کی حیثیت سے دور دور تک مشہور ہو چکا تھا۔

اب ایمی لارا تو چلی گئی تھی لیکن آلیور روزانہ اپنی ماں سے سوال کرتا تھا کہ ماں "آسمان سے اتر کر آنے والی وہ پری کہاں چلی گئی ہے جس نے انسان کی گاڑی تلے کچلے جانے کے بعد میری مرہم پٹی کی تھی"۔ آلیور کی ماں اس کے جواب میں ہمیشہ یہی کہتی کہ "بیٹے وہ پری اب کسی اور مقام پر اُن لوگوں کی مرہم پٹی کر رہی ہو گی جو تمہاری طرح گاڑی تلے کچلے گئے ہونگے"

ایک برس بعد ایک دن دیہاتیوں نے دیکھا کہ ایک سوار گاؤں میں داخل ہوا ہے۔ سوار نے آلیور کے گھر کا پتہ پوچھا تو دیہاتی اُسے

Marfat.com

آلیور کے گھر لے گئے۔ سوادرنے ۷ برس کے آلیور کو ایک بنڈل تحفہ دیا۔ تو بدصورت آلیور بنڈل اٹھائے اپنی ماں کے پاس پہنچا اور کہا کہ اماں! تو آسمانی پری نے مجھے تحفہ بھیجا ہے اور یہ بنڈل واقعی ایمی لارا نے بھیجا تھا

کئی برس گزر گئے اس دوران گو پھر کبھی آلیور اور ایمی کی ملاقات نہ ہو سکی لیکن ایمی لارا ہر سال آلیور کو تحفہ ضرور بھیجتی رہی جس کے جواب میں آلیور ہمیشہ اپنی آسمانی پری کو شکریہ کے الفاظ بھیجتا رہا۔ اس طرح خوبصورت ایمی لارا اور بدصورت آلیور کے درمیان ایک عجیب وغریب رشتہ قائم رہا۔ گو آلیور کو پتہ چل چکا تھا کہ اسی پری کی گاڑی تلے آکر وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے بدصورتی کا زندہ مجسمہ بن کر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔ لیکن وہ اس سنگین حقیقت سے آگاہی کے باوجود ہمیشہ کاؤنٹس ایمی لارا کو آسمان کی پری کے لقب سے یاد کیا کرتا تھا۔

۱۷۷۵ء کے ۱۰ برس بعد ۱۷۸۵ء آیا اور پھر ۱۷۸۹ء آگیا۔ اس زمانہ میں شاہی خزانہ بالکل خالی تھا اور عوام کو جو مفلسی کے جنگل میں گرفتار پہلے ہی ٹیکسوں کے بوجھ تلے کراہ رہے تھے مزید نئے ٹیکسوں سے لاد دیا گیا تھا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ امراء کو ہر طرح کے ٹیکسوں سے بری الذمہ قرار دیا گیا تھا اس صورت حال نے انقلاب کیلئے میدان ہموار کر دیا تھا اسی دوران شاہی دربار کے سرکردہ امراء کے ایک گروہ کو کاؤنٹ اف روبیل اور اس کی خوبصورت باوفا بیوی سے انتقام لینے کی سوجھی۔ یہ میاں بیوی گزشتہ بارہ برس سے شاہی دربار میں مختلف حیلوں بہانوں سے حاضر نہیں ہوئے تھے۔ ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت صرف اکیلے کاؤنٹ آف روبیل کو دعوت نامہ بھیجا گیا۔ دعوت نامہ کا مضمون کچھ ایسا تھا کہ کاؤنٹ اس سازش کے جال میں پھنس گیا۔ کاؤنٹ اکیلا پیرس پہنچا اور غائب ہو گیا۔ یہ کسی کو بھی پتہ نہ چل سکا کہ اُسے زمین کھا گئی ہے یا آسمان نگل گیا ہے۔ کاؤنٹس ایمی لارا پریشانی کے عالم میں سرحد پر کاؤنٹ کی گمشدگی پہ متفکر تھی کہ اُسے کاؤنٹ کا ایک رقعہ ملا۔

Marfat.com

"میں بیماری کے جنگل میں گرفتار ہوں۔ میری دیکھ بھال کے لیئے فوراً پہنچو"
وفادار شوہر پرست نیک طینت ایمی لارا گھبراہٹ کے عالم میں جعلی خط کو پہچاننے سے قاصر رہی اور رقعہ پاتے ہی رات کی تاریکی میں کاؤنٹ کی طرف روانہ ہو گئی۔ پھر اتفاقاً صبح کی دیوی جاگی تو کاؤنٹس کی گاڑی تیرہ برس بعد ایک بار پھر اسی گاؤں سے گزر رہی تھی جہاں الیور کا گھر تھا۔ کاؤنٹس نے کوچوان کو گاڑی آہستہ کرنے کے لیے اشارہ کیا لیکن گاڑی کی رفتار میں کوئی فرق نہ آیا۔ اس نے گاڑی سے سر نکالا اور ابھی کوچوان کو سختی سے گاڑی روکنے کی تلقین کرنے ہی والی تھی کہ یہ دیکھ کر اس کی چیخ نکل گئی کہ گاڑی کا کوچوان اور محافظ سبھی اجنبی لوگ تھے جن کی وردیوں سے پتہ چلتا تھا کہ یہ سب شاہی دربار سے وابستہ ہیں۔ اسی لمحہ ایک سوار نے کاؤنٹس سے مخاطب ہو کر کہا۔

"مہربانی فرما کر کھڑکی بند کرلیں اور شور مچانے کی کوشش نہ فرمائیں بصورت دیگر ہم آپ کے ساتھ بہتر سلوک نہ کر سکیں گے"۔

ایمی لارا نے گاڑی کا دروازہ کھولنا چاہا تو وہ بھی بند تھا۔ وہ صورت حال بھانپ گئی۔ اسی وقت اپنے حال میں مست در در کی ٹھوکریں کھاتا ہوا بے یار و مددگار الیور بھی اپنے گاؤں کے اسی راستہ سے گزر رہا تھا۔ الیور نے گاڑی کی کھڑکی میں ایک چہرہ دیکھا تھا۔ اس کی نظروں کے سامنے یکے بعد دیگرے ماضی کی تصویریں گھوم گئیں۔ اس کے بچپن کے ایام میں گاؤں میں گاڑی کا آنا۔ اس کا دوڑ کر راہ سے گزرنا اور گاڑی کے نیچے آکر کچلے جانا۔ آسمان سے پری کا اتر کر اس کی دیکھ بھال کرنا اور ہر سال اسے ایک تحفہ بھیجنا۔ الیور کو سخت تعجب ہوا کہ کھڑکی میں بیٹھی پری کے چہرے پر گھبراہٹ تھی اور وہ سخت غمگین معلوم ہوتی تھی۔ وہ ابھی اپنی سوچ میں محو تھا کہ گاڑی پری کو لیے ہوئے گزر گئی۔ الیور کے پاگل پن میں پری کے غمزدہ چہرے نے مزید اضافہ کر دیا تھا۔ اب وہ گاؤں کے ہر شخص سے اپنی آسمان کی پری کا پتہ پوچھ رہا تھا۔ وہ کہتا "وہ آئی تھی۔ وہ پریشان

Marfat.com

کیوں تھی؟ وہ کہاں چلی گئی ہے؟ اے لوگو بتاؤ آسمان کی پری کہاں گئی ہے"
گاؤں کے لوگ اس بدصورت شخص کو پاگل سمجھتے تھے۔ اس لیئے اس کی بات
پر کوئی دھیان نہ دیتا تھا۔ آلیور گاؤں کی سڑک پر ہر راہگیر سے آسمان کی پری
کے بارے میں پوچھتا۔ در در کی ٹھوکریں کھاتا ہوا پیرس کی سمت جانے والی
سڑک پر چل پڑا۔ وہ اس سڑک پر کافی روز چلتا رہا اور جہاں کہیں پہنچتا اس
کے لقب آسمان کی پری کے غلام کی شہرت اس سے پہلے پہنچی ہوتی۔ آخرکار
جب وہ ۱۵ روز کے بعد پیرس پہنچا تو پیرس میں بھی پاگل پاگل کہہ کر پکارا
جانے لگا۔

یہ ۱۷۸۹ء تھا۔ انقلاب کے دن آچکے تھے اور فرانس کے اصلی
حاکموں پر عوام کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ ان حالات میں آلیور کو بھی کچھ ہمدرد
مل گئے جو اُسے آسمان کی پری کے کھوج میں مدد دینے لگے۔ اتفاقاً آلیور
پولیس کے ایک سپاہی کو صورت آشنا معلوم ہوا۔ اس سپاہی نے دوسرے
کو بتایا اور دوسرے نے تیسرے کو۔ اب آلیور پولیس والوں کی نظروں
میں مشتبہ چال چلن کا انسان تھا۔ اس لیے اُسے جیل پہنچا دیا گیا جیل میں
آلیور کی بدصورتی اس کے لیئے وبالِ جان بن گئی۔ اُسے جس کمرہ میں بھی
بند کیا جاتا۔ دوسرے قیدی مار پیٹ شروع کر دیتے اور اس قدر شور و
غوغا مچتا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی۔ جیل کے محافظوں نے اس بد
صورت قیدی کو دوسروں کی مار پیٹ سے بچانے کے لیے ایک اندھیری
کوٹھڑی میں ڈال دیا۔ اس کوٹھڑی میں اس کا ساتھی صرف ایک شخص تھا
اور یہ شخص آلیور کی آسمانی پری کا شوہر کاؤنٹ آف روبیل تھا۔ دونوں نے
ایک دوسرے کو اپنی داستان سنائی تو آلیور کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اس کا
ساتھی آسمان کی پری کا شوہر ہے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی مدد کرنے
کے عہد و پیمان کیئے۔ ابھی دو ہی روز گزرے تھے کہ جیل کے افسر اعلیٰ کو
تحقیق پہ پتہ چل گیا کہ آلیور ایک بے ضرر پاگل ہے اس لیے اس کی رہائی

Marfat.com

کے احکامات جاری ہو گئے۔

اور جب جیل کا ایک محافظ پروانۂ رہائی لے کر کوٹھڑی میں داخل ہوا تو آلیور کی قوتِ فیصلہ نے حیرت انگیز کام کر دکھایا اس نے اپنے ٹیڑھے ٹیڑھے ہاتھوں اور بازوؤں کو کام میں لا کر محافظ کا گلا پکڑ لیا اور اسے پوری قوت سے دبانے لگا۔ چند ہی منٹ بعد محافظ موت کی گہری نیند سو چکا تھا اور آلیور کاؤنٹ سے کہہ رہا تھا کہ وہ فوراً مردہ محافظ کا لباس پہن لے اور پروانۂ رہائی جیب میں رکھ کر آلیور کے ہاتھ ہتھکڑی میں جکڑ کر اسے آزاد کرانے کے بہانے جیل سے باہر لے چلے۔ کاؤنٹ نے آلیور کی سکیم پر پوری ہوشمندی سے عمل کیا اور وہ دونوں چند ہی منٹ بعد پیرس کی سڑکوں پر آزادانہ گھومنے لگے۔ شام تک ان کے فریب کا حال کھل گیا اور فوج کے سپاہیوں نے پیرس کی شاہراہوں اور گلی کوچوں میں ان کی تلاش شروع کر دی۔ کاؤنٹ تو بھیس بدل کر روپوش ہو گیا لیکن اپنی بے مثال بدصورتی کے باعث غریب آلیور جلد ہی گرفت میں آگیا۔ اس سے کاؤنٹ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو اس نے کہا کہ وہ کسی کاؤنٹ واؤنٹ سے واقف نہیں ہے وہ ایک ازلی و ابدی آوارہ گرد ہے۔ اس کا کسی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کاؤنٹ روبیل کی اسیری میں چونکہ بڑے بڑے امراء کا ہاتھ تھا اس لیے وہ ہر صورت میں اُسے دوبارہ گرفتار کرنا چاہتے تھے

دوسرے دن علی الصبح پیرس کے ایک بڑے میدان میں ایک چبوترہ قائم کر کے اس پر ایک ستون کھڑا کیا گیا جو اس امر کا اعلان تھا کہ آج کسی مجرم کو سزا دی جائے گی۔ عوام مجرم کے نام سے ناواقف تھے لیکن حسبِ دستور بڑی تعداد میں جمع ہو گئے تھے۔ اس موقع پر ہجوم کو قابو میں رکھنے کے لیے فوج کے مسلح نوجوان بھی موجود تھے۔ کچھ دیر بعد مجرم کو لا کر چبوترے کے ستون سے باندھ دیا گیا۔ جونہی ستون نے گردش شروع کی، بدصورت

Marfat.com

الیور کے چہرے کی بدصورتی میں کرب سے اور بھی اضافہ ہوگیا۔ لیکن یہ عجیب بات تھی کہ آلیور کے بدصورت چہرے پر مسرت رقصاں دکھی جا رہی تھی۔ آلیور کے کپڑے چمڑے کے کوڑوں سے تار تار کر دیئے گئے تھے اور دو قومی ہیکل جوانوں نے مار مار کر اس کے سارے جسم سے خون کے فوارے جاری کر دیئے تھے لیکن آلیور غضب کی قوت برداشت کا ثبوت دے رہا تھا۔ وہ نہ تو رو رہا تھا اور نہ ہی چیخ چلا رہا تھا۔ اس سے بار بار کاؤنٹ کا پتہ پوچھا جا رہا تھا اور وہ جواب میں صرف فاتحانہ قہقہے بلند کر رہا تھا۔ اسی دوران ایک عجیب واقعہ رونما ہوا۔ ہزاروں لوگوں نے دیکھا کہ معمولی سے لباس میں ملبوس ایک عورت فوج کے جوانوں کی چیر کر آگے آئی اور چبوترے پر چڑھ کر فوراً ہی اس نے آلیور کو باندھے ہوئے رسے کے بند کاٹ دیئے۔ اسی لمحہ مزدوروں، فقیروں اور غریب و نادار لوگوں کا ایک ریلا آیا اور سارے مجمع میں ہلچل مچ گئی۔ عین اسی وقت آلیور نے نعرہ بلند کیا۔ "لوگو آسمان کی پری آگئی ہے" فوج کے جوان اپنے نیزے اور بھالے چلانے لگے لیکن عوام کے بے پناہ ہجوم کے سامنے جوانوں کے نیزے اور بھلے اپنا کام کرنے سے قاصر رہے۔ پھر جب عوام راہ فرار اختیار کر گئے اور میدان صاف ہوا تو دیکھا گیا کہ آلیور بھی غائب ہے۔

کاؤنٹس ایمی لارا مزدوروں، فقیروں اور غریبوں کی امداد سے آلیور کو رہا کرا چکی تھی۔ بعد میں اس واقعہ کی تحقیقات پر جو رپورٹ شاہ فرانس کو پیش کی گئی تھی۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ اس واقعہ کے کچھ دیر بعد ایک جماعت تیز رفتار گھوڑوں پر سوار سرحد کے اس پار جاتی دیکھی گئی تھی۔ اس جماعت میں ایک حسین وجمیل عورت۔ ایک خوبصورت جوان اور ایک انتہائی بدصورت زخمی شخص بھی شامل تھے۔

تاریخ فرانس کے اس واقعہ کا اختتام بیان کرنے کے لیے یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ چودہ جولائی ۱۷۸۹ء کا دن تاریخ عالم میں اس

Marfat.com

لحاظ سے ہمیشہ یادگار رہے گا کہ اس دن فرانس کے صحیح حکمرانوں یعنی فرانسیسی عوام نے قدیم ترین زندان بارستیل کو زمین بوس کر کے حریت پسندوں کو نام نہاد ظالم حکمرانوں کی قید سے چھڑا لیا تھا۔ تاریخ عالم میں یہ دن انقلاب کی صبح کے عنوان سے جگمگا رہا ہے۔ ۵ راکتوبر ۱۷۸۹ء کو پیرس میں انقلاب آ گیا تھا۔ چھ ہزار افراد پر مشتمل ہجوم نے جس میں زیادہ تر چیتھڑے لٹکائے ہوئے غریب و نادار عورتیں تھیں۔ ان عورتوں کی اکثریت کو جمع کر کے ورسائی کے محل کو گھیرے میں لینے کا کام کونٹس ایمی لارل نے سرانجام دیا تھا۔ اس لحاظ سے وہ بجا طور پر اس انقلاب کی ہیروئن قرار پائی تھی عوام نے انقلاب کے نعرے لگاتے ہوئے بارش اور کیچڑ میں آگے بڑھ کر ورسائی کے محل کو گھیر لیا تھا۔ اگلی صبح ہجوم چند پہرہ داروں کو قتل کر کے محل میں داخل ہو گیا تھا اور بادشاہ و ملکہ کو گرفتار کر کے پیرس کے ایک قدیم محل میں نظر بند کر دیا گیا تھا۔ ان ایام میں ملکہ کے قدیم عاشق سویڈش افسر ایکسل کی مدد سے ملکہ اور شاہ نے فرار کا منصوبہ بنایا۔ شاہ فرانس ایک خادم کے بھیس میں تھا۔ جب یہ لوگ فرانس سے نکلے اور پہلی ہی تحقیقاتی چوکی پر گرفتار کر لیئے گئے۔ انہیں دوبارہ گرفتار کر کے پیرس لایا گیا تو وہ خوف سے کانپ رہے تھے اور عوام مسرت سے نعرے بلند کر رہے تھے۔

بعد میں ان پر مقدمات قائم کئے گئے۔ شاہ کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ ملکہ کے سر کے بال کاٹ کر ہاتھ رسیوں سے باندھ کر اسے ایک چھکڑے پر بٹھایا گیا اور یہ چھکڑا پیرس کے بازاروں سے گزرتا ہوا اس بڑے چوک میں پہنچا جہاں گلوٹین نے فرانس کی آخری ملکہ میری انتونیت کا سر کاٹ کر الگ پھینک دیا۔

O

Marfat.com

انقلابِ فرانس

۱۴ جولائی ۱۷۸۹ء کی صبح سورج طلوع ہونے سے قبل پیرس کے شہریوں نے باسیل کے پرانے قلعے پر حملہ کر دیا قلعہ کے سارے محافظ پہلے تو ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے پھر یہ دیکھ کر کہ ان کے مدمقابل ہزاروں لاکھوں عوام ہیں جو بندوقوں، لاٹھیوں اور بھالوں سے مسلح ہیں انہوں نے صدر محافظ کے حکم پر قلعے کے سارے دروازے کھول دیئے۔ حملہ آور شہریوں نے قلعہ میں داخل ہوتے ہی سارے محافظوں اور صدر محافظ کو آن واحد میں موت کے گھاٹ اتار دیا گو اس موقع پر شاہی فوج کے محفوظ دستے نے اپنی شکست قبول کر کے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ لیکن عوام نے شاہی دستے کو شہنشاہیت کا سب سے بڑا آلہ کار سمجھتے ہوئے چن چن کر دستے کے ایک ایک فوجی کو قتل کیا اس کے بعد مشتعل ہجوم قلعہ باسیل کے صدر ہال کے تہہ خانے کی طرف بڑھا اور پوشیدہ طور پر رکھے ہوئے ہیرے جواہرات کا خزانہ لوٹ لیا پھر چند منچلے شجاع شہریوں نے قلعے کے صدر دروازے کی سب سے بلند فصیل پر لہراتے ہوئے شاہی پرچم کو اتار کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

شاہ لوئی ششدر رہ گیا جب پتہ چلا کہ قلعہ باسیل پر عوام نے قبضہ کر لیا ہے تو وہ چیخ اٹھا۔

رعایا باغی ہو گئی ہے اور یہ بغاوت ہے۔ کھلی بغاوت۔

مگر پیرس کے بازاروں، گلی کوچوں اور چپے چپے پر عوام کی آواز گونج رہی تھی۔ یہ باغی رعایا کی بغاوت نہیں ہے۔ یہ انقلاب ہے انقلاب

Marfat.com

انقلابی عوام نے انقلاب برپا کر دیا ہے ۔ انقلاب ۔

اور یہ حقیقت بھی تھی کہ ۱۴ جولائی ۱۷۸۹ء کو علی الصبح پیرس کے شہریوں نے فرانس کے بادشاہ کی ظالمانہ حاکمیت کے خلاف جو سرکشی اختیار کی تھی اسے بغاوت نہیں انقلاب قرار دیا جائیگا ۔ یہ ایک ایسا انقلاب تھا جس نے دنیا میں سب سے پہلی بار ایک ملک میں شاہی اور جاگیرداری کے گلے سڑے بوسیدہ نظام کو عوام کی قوت بازو سے ختم کر دیا تھا ۔

باسیل کا پرانہ شاہی قلعہ بادشاہوں کے اقتدار اور عوام پر جاگیرداروں کے ظلم وستم اور بالا دستی کی علامت تھا ۔ قلعہ پر عوام کے قبضہ کا مطلب فرانس میں جاگیر دارانہ نظام کی علامتی شکست تھی ۔ اس کے بعد فوراً ہی پیرس کے انقلابی شہریوں کی سرکشی ملک گیر انقلاب کی صورت اختیار کر گئی تھی ۔ اس انقلاب کی جسے آج دنیا " انقلاب فرانس " کے نام سے موسوم کرتی ہے جدید عہد کا یہ پہلا انقلاب تھا جس نے اس دعویٰ کو غلط ثابت کر دیا تھا کہ بادشاہ خدا کا سایہ ہوتا ہے ۔ اس انقلاب نے بادشاہت کی جگہ عوام کی جمہوریت ، قوم پرستی اور اشتراکیت کے اصول اپنائے تھے ۔ ۱۴ جولائی ۱۷۸۹ء کے بعد سارے یورپ کی تاریخ نیا موڑ اختیار کر گئی تھی ۔

۴ جولائی ۱۷۷۶ء کا دن یقیناً تاریخ عالم کا ایک اہم دن ہے کیونکہ اس دن امریکی عوام نے برطانوی غلامی کا جوا گردن سے اتار پھینکا تھا اور عہد نامہ آزادی امریکہ کی تاریخی دستاویز کا اعلان ہوا تھا جس کے تحت عوام کو طاقت کا سرچشمہ قرار دیتے ہوئے کہا گیا تھا کہ حکومت کے اقتدار کا منبع عوام ہوتے ہیں لیکن بعد میں یہ ثابت ہوا کہ امریکی عوام برطانیہ سے علیحدگی اختیار کرنے کے باوجود حکومت اور قانون سازی کی برطانوی روایات کو بدستور قائم رکھے ہوئے تھے وہ بیشتر لوگ جنہوں نے "عہد نامہ آزادی امریکہ" پر دستخط کئے تھے دل سے جمہور پسند نہ تھے گو ان لوگوں نے جیفرسن کے ان انقلابی

Marfat.com

اصولوں کی جو آئین کے پہلے باب میں درج تھے ۔ تائید ضرور کی تھی لیکن وہ ان اصولوں کے منطقی اور ہمہ گیر اطلاق کے طریقوں سے قطعی ناواقف تھے ، انقلابی اصولوں کے نفاذ کا سہرا فرانسیسی عوام کے سر ہے۔

گو امریکہ کے باشندے پہلی بار جدید جمہوریت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے تھے لیکن اسے مضبوط اور منظم شکل دینے کا سہرا فرانسیسوں کے سر باندھنا پڑے گا۔

اب ہم انقلاب فرانس کے پس منظر کا جائزہ لیتے ہیں ۔ یہ انقلاب کیوں اور کیسے رونما ہوا اور اس کے اغراض میں کیا شامل تھا ۔

جولائی ۱۷۸۹ء تک فرانس میں جاگیرداری نظام حکومت قائم تھا۔ فرانس کا بادشاہ ملک کا سب سے بڑا جاگیردار تھا اور اس کے اپنے لوگ جن میں اس کے رشتہ دار، عزیز و اقارب ، دوست احباب شامل تھے سب کے سب نوابوں ، امیروں اور رئیسوں پر مشتمل تھے اس لیے بلا خوف و تردید کہا جا سکتا ہے کہ انقلاب فرانس جاگیردارانہ نظام کے خلاف رونما ہوا تھا ۔

دراصل فرانس اور انگلستان دونوں ہی ملک ایسے تھے جہاں قرون وسطیٰ ہی سے جاگیرداری نظام حکومت قائم تھا بعد میں آہستہ آہستہ دونوں ممالک میں جاگیرداری نظام نے جدا جدا راہیں اختیار کر لی تھیں ۔ انگلستان میں اتفاقی قوتوں نے ہوتے ہوتے پارلیمانی طرز حکومت کی راہ اپنائی تھی ۔ جس میں ٹیکس کے نظام پر عوام کی بالا دستی تسلیم کی گئی تھی جب کہ فرانس میں جاگیرداری نے فروغ پا کر مطلق العنانیت کی صورت اختیار کر لی تھی اور حکومت کے اختیارات و انتظامی امور شاہی افسروں کی ذمہ داری قرار پائے تھے ۔

انگلستان کے ساتھ صد سالہ جنگ کے دوران جنگ پوتا (۱۳۵۵-۶ء) کے بعد فرانسیسی عوام نے ملک کے ٹیکس کے نظام پر اپنی بالادستی قائم کرنے کی کوشش کی تھی جو ناکام رہی تھی کیونکہ شاہی اقتدار کے خلاف ان کی مدافعت کو قومی اجتماعی اور عوامی حیثیت حاصل نہ تھی ۔ اس کے برعکس

Marfat.com

شاہی اقتدار کو نہ صرف مضبوط سے مضبوط تر ہونے کا موقع ملا تھا بلکہ شاہ لوئی یازدہم کو قرون وسطیٰ کے ساہوکاروں کی مدد سے عوام کے ساتھ ساتھ خود سے چھوٹے سارے جاگیرداروں اور امراء کو کچل کر فرانس پر اپنی ڈکیٹرشپ قائم کرنے کا موقع مل گیا تھا۔

اطالوی مفکر میکارلی نے اپنی کتاب "شہزادہ" میں لکھا تھا کہ "کوئی مطلق العنان شہزادہ" ہی کسی ملک کو داخلی انتشار سے بچا سکتا ہے۔ لوئی یازدہم نے میکاؤلی کے متذکرہ نظریہ سے خوب کام لیا۔ اور جب فرانس میں شاہی اقتدار اور کلیسا کے درمیان جنگ شروع ہوئی اور پادریوں نے مذہب کو بادشاہ کی مرضی کے تابع کرنے کی مخالفت کی تو بادشاہ نے کلیسا کی مخالفت کے جواب میں پادریوں کو اپنے ظلم کا نشانہ بنایا اور یہ نعرہ دیا کہ وہ بادشاہ بھی ہے اور وہی ریاست بھی ہے۔

کلیسا کو اس پر رضامند کرنے کی کوشش کی گئی کہ وہ رعایا کے یہ ذہن نشین کرائے کہ بادشاہ خدا کا سایہ ہے اور بادشاہ ہی زمین کا حاکم مجازی ہے۔

شاہ لوئی یازدھم سے شاہ لوئی ششم دہم تک مطلق العنانی نے یہی رویہ اختیار کئے رکھا۔

بادشاہ ملک پر اپنا اقتدار مستحکم کرنے اور پڑوسی ملکوں پر طاقت کے ذریعہ قبضہ کرنے کی ہوس میں روپیہ جمع کرتا رہا اور اس مقصد کے لیے عوام پر جابرانہ ٹیکس عائد کرتا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ غریب عوام سے تو زبردستی ٹیکس وصول کئے جاتے ہیں، لیکن ان امراء و رؤساء کو بڑے بڑے ٹیکسوں کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دیا جاتا تھا جو جنگوں میں بہادری دکھاتے ہیں یا ہر جائز و ناجائز معاملہ میں بادشاہ کی حمایت کرتے ہیں۔ شاہ لوئی ششدہم کے عہد تک جائز و ناجائز۔ حکمران کے ظلم و ستم اور ناانصافی اور اپنوں کی ناجائز طور پر طرفداری و حمایت اپنے عروج پر پہنچ گئی تھی۔

بادشاہ جو ملک کا سب سے بڑا جاگیردار تھا خود سے چھوٹے جاگیرداروں

پر دباؤ ڈالنا، جاگیر دار، زمینداروں پر ظلم و ستم ڈھاتے اور زمیندار کسان کو دھونس اور دھاندلی سے دانے دانے کا محتاج بنا کر دم لیتے۔ کسانوں پر قسم قسم کے ٹیکس عائد تھے جن کی ادائیگی ہر کسان کو کرنی پڑتی تھی ٹیکس وصول کرنے والے سرکاری افسران اور ان کے کارندے کسانوں سے ٹیکس کی اصل رقم سے دوگنی اور تگنی رقم وصول کرتے جس کے نتیجے میں غریب کسانوں کا استحصال ہوتا اور استحصالی طبقہ اپنی جیبیں گرم کر کے مزے سے پر لطف زندگی بسر کرتا۔ کسانوں کے بعد جس طبقہ کی حالت سب سے زیادہ خراب تھی وہ تاجروں اور معمولی صنعت کاروں کا طبقہ تھا۔ فرانس میں ایسے قوانین نافذ تھے جو صنعت و حرفت کی ترقی کی راہوں میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ تاجروں اور صنعت کاروں پر قسم قسم کے محصول اور ٹیکس عائد تھے جو انہیں ہر حال میں ادا کرنے پڑتے تھے اگر کسی کسان کا جی چاہتا کہ وہ اپنے حالات کو سدھارنے کے لیے کھیت چھوڑ کر کسی کارخانے میں کام کر کے اپنی زندگی بسر کرے تو اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ سب سے پہلے تو اپنے زمیندار سے اس کی اجازت حاصل کرے پھر جاگیر دار اور آخر میں حکومت سے بھی اجازت حاصل کر کے کھیت چھوڑ کر کارخانہ کی راہ لے۔

۱۷۱۴ء میں فرانس میں صنعت و حرفت کو فروغ حاصل ہوتا ہے اور بورژوا طبقے کو ابھرنے کا موقع ملتا ہے اس دور میں جاگیر دار طبقہ کو بورژوا طبقہ سے خطرہ محسوس ہوتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ بورژوا طبقہ پر اپنی بالادستی قائم رکھے اور اس کو پھلنے پھولنے نہ دے۔ یہی وجہ تھی کہ اس دور کی شاہی قانون ساز مجلس بورژوا طبقہ کے مفاد کو محدود اور پابند رکھنے کے لیئے مختلف قسم کے قوانین بناتی ہے اسی دور میں جاگیرداروں کی بالادستی قائم رکھنے کے لیئے ایسے استبدادی قوانین بھی بنائے گئے جن کے تحت جاگیر داروں کو ناپسندیدہ زمینداروں کی زمینوں کو اپنے قبضہ میں لینے کا حق مل گیا۔ علاوہ ازیں ہزاروں

Marfat.com

ایکیڑ قابلِ کاشت اراضی سے زمینداروں اور کسانوں کو بیدخل کر دیا گیا اور اس اراضی کو باغوں اور شکارگاہوں میں بدل دیا گیا غرض کہ اس قسم کے مختلف اقدامات سے صنعت وحرفت کی ترقی اور فروغ کے لیے کارخانوں میں مزدوروں کی آخری آزادانہ طور پر بھرتی ضروری تھی ۔ مال پر نقل وحمل کی ناروا پابندیوں کا خاتمہ بھی ضروری تھا ۔ منافع پر نوع نوع کے جاگیر شاہی ٹیکسوں کی ادائیگی صنعت وحرفت کی ترقی میں حائل تھی ۔ یہ تھے وہ حالات جن کے تحت بورژوا طبقہ فرد کی مکمل آزادی اور قانون کی نظر میں ہر شخص کی برابری اور مساوات کے نعرے بلند کرنے لگا ۔ روسو اور والیٹر جیسے مفکرین نے بھی اپنے اپنے انداز میں انہیں نعروں کو فلسفانہ رنگ میں پیش کیا تھا ۔ کسانوں چھوٹے زمینداروں اور ابھرتے ہوئے طبقہ نے بھی انہی نظریات کو اپنی بقا کا خاصہ سمجھا اور انکی بھرپور حمایت کی ۔

اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ رولبس پیری کی قیادت میں کسانوں اور بورژوا طبقہ کو شاہ لوئی شش‌دہم اور جاگیرداروں کی بالادستی کے خلاف کامیاب انقلاب برپا کرنے کا موقع مل گیا ۔

انقلابیوں نے شاہی قانون ساز اسمبلی کی طرز پر ہر علاقہ میں اپنی اپنی قانون ساز اسمبلی ترتیب دے لی ۔ حکومت کو ٹیکس کی ادائیگی بند کر دی گئی اور جولائی ۱۷۸۹ء میں پیرس میں لوگوں نے بورژوا طبقہ کی قائم کردہ قومی گارڈ کی مدد سے شاہ لوئی کو بھی گرفتار کر لیا ۔

اس کے بعد انقلابیوں نے ایک دستاویز جاری کی جو "عہد نامہ "حقوق انسانیت" کے عنوان سے معروف ہے ۔ اس تاریخ ساز دستاویز میں جدید دور میں فرد کی آزادی کو بنیادی اور سب سے اہم قرار دیا گیا ہے مگر ٹریجڈی یہ ہوئی کہ اس دستاویز کے عملی جامہ پہننے سے قبل ملک میں ایک طرح کی خانہ جنگی شروع ہو گئی ۔ پیرس پر تو بورژوا طبقہ کا قبضہ تھا ۔ لیکن بعض صوبوں میں جاگیرداروں کا تسلط برقرار تھا ۔ برٹیانی کے علاقہ پر کسان اور متوسط درجے

Marfat.com

کے افراد کا قبضہ تھا۔ ہر علاقہ کو اسمبلی اپنے حسب منشا قوانین بنا رہی تھی اور اپنی مرضی کے ٹیکس عائد کر رہی تھی اس موقع پر فرانس کی اس خانہ جنگی اور داخلی انتشار سے فائدہ اٹھانے کے لیے انگلستان نے فرانس پر حملہ کیا تو فرانس کی صورت حال مزید خراب ہو گئی۔

○

یاسر عرفات

وہ نہ تو کسی ملک کا بادشاہ ہے اور نہ سپہ سالار۔ اس کے پاس نہ تو بحری، بری یا ہوائی فوج ہے اور نہ کوئی ایسا ملک ہے، جس میں اس کا کوئی اپنا مکان ہو، جھونپڑہ ہو یا جھگی ہو۔ اس کے نہ تو بچے ہیں اور نہ کوئی بیوی، کوئی عورت (ماں بہن) کے سوا اس کی زندگی میں آئی ہی نہیں۔ کیونکہ نہ تو اس نے شادی کی ہے اور نہ اسے کسی عورت کو رومانی نظروں سے دیکھنے کی فرصت ہے۔

امریکہ، اسرائیل اور اس بلاک کے پٹھو ممالک اسے ایک خونی، قاتل، ڈاکو، چھاپہ مار، روپوش دہشت پسند اور امن عالم کو تباہ کرنے والے گروہ کا لیڈر کہتے ہیں۔ اس پراسرار شخصیت کا نام سن کر امریکہ اور روس سے طاقتور ملکوں کے حکمران بھی سہم جاتے ہیں۔ اس عظیم شخصیت کا نام نامی یاسر عرفات ہے۔

اکتوبر ۱۹۷۴ء میں اقوام متحدہ کی تاریخ میں پہلی بار یاسر عرفات کو جنرل اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ اسی یاسر عرفات کو جسے سامراجی دہشت پسند قاتل قرار دیتے ہیں۔ جنرل اسمبلی میں یاسر عرفات کی مختصر سی تقریر سننے کے بعد اقوام متحدہ نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ یاسر عرفات فلسطینی عوام کا نمائندہ ہے اور فلسطینی عوام اور فلسطین کی آزادی کے لیے اس کے حق خود ارادیت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

یاسر عرفات فلسطین کا فرزند ہے۔ وہ فلسطین میں پیدا ہوا اور یوروشلم کی گلیوں میں کھیل کود کر جوان ہوا ہے۔ اس کے جوان ہوتے ہی فلسطین اور یوروشلم اس کے نہ رہے تھے۔ برطانیہ، امریکہ اور دوسرے سامراجی ملکوں نے اس کے وطن کو اسرائیلیوں کے سپرد کر دیا تھا اور اسرائیلیوں نے فلسطینی مسلمانوں پر وہ ظلم وستم ڈھائے تھے کہ مسلمان فلسطین سے ہجرت پر مجبور ہو گئے تھے۔ آج بھی یاسر عرفات اپنے لاکھوں فلسطینی پناہ گزینوں کے ساتھ کھلے آسمان تلے فلسطین کی آزادی کی جنگ لڑ رہا ہے۔

یاسر عرفات کو اس صدی کا غازی سلطان صلاح الدین ایوبی کہا جائے تو بجا ہوگا وہ ۱۹۳۰ء یا ۱۹۳۱ء میں پیدا ہوا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں جب عیسائیوں نے فلسطین کو اسرائیل کا نام دے کر یہودیوں کے سپرد کر دیا تو یاسر عرفات ۱۷ یا ۱۸ برس کا ایک نوجوان تھا۔ فلسطینوں کی آزادی کے لیے اس کے والد اور بھائیوں نے "الجہاد المقدس" کے نام سے جو تنظیم بنائی تھی۔ یاسر عرفات بھی اس میں شامل ہو گیا۔ ۱۹۴۸ء میں جب فلسطینوں نے پہلی جنگ آزادی لڑی تو یاسر عرفات نے مصر سے اسلحہ اور ایمونیشن چوری چھپے ان مسلمانوں تک پہنچانا شروع کر دیا جو ان علاقوں میں آباد تھے جن پر برطانیہ کی حکمرانی تھی ۱۹۵۲ء میں یاسر عرفات نے سول انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے قاہرہ یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور ۱۹۵۷ء تک وہاں زیر تعلیم رہا۔ اس عرصہ میں اس نے فلسطینی طلبا کی فیڈریشن کے صدر کی حیثیت سے فلسطینی طلبا کو منظم کیا اور فلسطینی حریت پسندوں کی قائم شدہ ایک تحریک میں بھی دلچسپی لی جو کمانڈو کارروائیاں کر رہی تھی۔ عرفات نے طلبا کی اس کمانڈو تنظیم کے استاد کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں۔

۱۹۵۶ء میں برطانیہ اور فرانس مصر پر حملہ آور ہوئے تو یاسر عرفات نے مصری فوج کے ساتھ شامل ہو کر خود بھی کمانڈو کارروائیاں کیں اور طلبا کو بھی چھاپے اور شب خون مارنے کی ٹریننگ دی۔ وہ الجزائر کی جنگ آزادی

Marfat.com

سے متاثر تھا اس لیے ۱۹۶۴ء میں الجزائر گیا اور بومدین سے ملا اور پھر وہیں سے اس نے آزادیٔ فلسطین کی تحریک کا آغاز کیا اور اپنی تنظیم کا نام "الفتح" رکھا۔ فلسطینی نوجوان بڑے جوش و خروش سے اس تنظیم میں شریک ہوئے انہوں نے اسرائیل کو اپنا ٹارگٹ بنایا۔

۳۱ دسمبر ۱۹۶۴ء کے دن الفتح نے اسرائیل کے اندر پہلا کمانڈو حملہ کیا تو عرب ممالک نے اسے شک و شبہ کی نظروں سے دیکھا۔ یاسر عرفات کو ایک بار شام میں اور دوسری بار لبنان میں گرفتار کیا گیا اور بعد میں رہا کر دیا گیا۔ ۱۹۶۷ کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد "الفتح" ایک طاقتور پُراسرار قوت کی حیثیت سے آگے آئی اور اس تنظیم نے اسرائیل کو گھیرے میں لے کر لبنان، شام اور مصر میں فدائین کی ٹریننگ کے کیمپ کھول دیئے۔ فلسطینی عوام نے جو کاروباری لوگ تھے یا کہیں ملازم تھے۔ اپنی آمدنی کا پانچ فیصد ماہوار "الفتح" کو دینا شروع کر دیا۔

مسئلہ فلسطین دم توڑ چکا تھا۔ اینگلو امریکی بلاک کھلم کھلا اور روس درپردہ اسرائیل کی بھرپور مدد کر رہے تھے۔ خود عرب ممالک بھی فلسطین کو فراموش کر چکے تھے حتیٰ کہ اردن کا شاہ، اسرائیل اور امریکہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی فوج سے فدائین کا قتل عام کراتا ہے گو فدائین نے شاہ اردن کی فوجوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا۔ لیکن بھاری اسلحے، ٹینکوں اور طیاروں نے فلسطینی حریت پسندوں کو بے بس کر دیا۔ تیس ہزار فدائین کو شہادت کی موت نصیب ہوئی اور الفتح کو مجبوراً اردن سے باہر آنا پڑا۔ گو ایک مسلمان بادشاہ کا مسلمان فلسطینی مجاہدوں پر حملہ ناقابل برداشت تھا۔ لیکن یاسر عرفات کے صبر و استقلال، شجاعت فہم و تدبر نے "الفتح" میں کسی قسم کی کمزوری نہ پیدا ہونے دی۔ یاسر عرفات نے لبنان میں کیمپ کھول کر از سر نو ٹریننگ جاری کر دی اور اس تنظیم کے کمانڈو جوانوں نے ساری دنیا میں اپنی کارروائیاں شروع کر دیں۔ "الفتح" میں شامل فلسطینی لڑکیوں نے بھی وہ جرأت مندانہ کارروائیاں کیں کہ ساری دنیا

Marfat.com

کے حرّیت پسندوں نے انہیں سراہا ۔ لیلیٰ خالد ایک ایسی ہی جرأت مند فلسطینی لڑکی تھی جو ساری دُنیا میں مشہور ہے ۔ الفتح کے فدائین نے طیارے بھی اغوا کیئے ۔ کئی ملکوں میں چھاپے مارے ۔ سفارت خانوں پر حملے کیئے اور اسرائیل کے اندر جاکر بھی حملے کیئے ۔ رمضان ۱۹۷۱ء کی عرب اسرائیل جنگ میں مصر اور شام کی فوجوں نے فدائین کو شمولیت کی دعوت دی تو فلسطینی حرّیت پسندوں نے اسرائیلی مورچوں کے عقب میں پہنچ کر تباہ کن کمانڈو کارروائیاں کیں ۔ اس جنگ کے بعد اقوام عالم نے سنجیدگی سے غور و فکر کے بعد یہ بات تسلیم کرلی کہ فلسطین ایک متنازعہ علاقہ ہے ۔ اور اس تنازعہ کو یاسر عرفات کے ساتھ بات چیت کیئے بغیر طے نہیں کیا جاسکتا ۔

اِس طرح یاسر عرفات نے جو آج کا غازی صلاح الدین ایوبی ہے پہلی کامیابی حاصل کی اور اپنی اور فلسطینی عوام کی حیثیت کو تسلیم کرالیا ۔ پھر اُسے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں اس لیے مدعو کیا گیا کہ وہ جنرل اسمبلی میں فلسطین کے سوال پر بحث میں شریک ہو ۔ ایک سوچھ ملک یاسر عرفات کو فلسطین اور فلسطینی عوام کا قائد تسلیم کرچکے ہیں اور یہ طے پاچکا ہے کہ فلسطین کے بارے میں صرف یاسر عرفات ہی کو بات چیت کا حق حاصل ہے ۔

یاسر عرفات سامراجیوں کے لیئے موت کا پیغامبر بنا ہوا ہے ۔ امریکہ ، برطانیہ اور اسرائیل کے سراغرسانوں نے یاسر عرفات کو ہلاک کرنے کی متعدد بار کوشش کی ہے لیکن کبھی کامیاب نہیں ہوسکے ۔ اسرائیلی کمانڈوں نے یاسر عرفات کو قتل کرنے کے لیئے لبنان میں کئی بار شب خون مارے اپنے جاسوسوں کی نشاندہی پر اسرائیلی لڑاکا طیاروں نے فلسطینی پناہ گزینوں کے کیمپوں پر بارہا راکٹ اور بم برسائے اور ہر بار اس خبر کے سُننے کی توقع رکھی کہ یاسر عرفات قتل ہوگیا ہے مگر یاسر عرفات کو اللہ تعالیٰ نے ہر بار زندہ و سلامت رکھا ۔ وہ ہر بار اسرائیل کے ارد گرد موجود محفوظ و سلامت رہا دوبارہ اسرائیلیوں کی یہ نشر شدہ خبر غلط ثابت ہوچکی ہے کہ یاسر عرفات

Marfat.com

کو قتل کر ڈالا گیا ہے۔

آج امریکہ کا حامی شاہ اردن بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ یاسر عرفات کے فدائین کی تنظیم "الفتح" ایک جاندار تنظیم ہے اور یاسر عرفات کے بغیر فلسطین کے بارے میں کسی اور ملک کو مذاکرات کا حق حاصل نہیں ہے۔

یاسر عرفات کے فدائین نے ایسی جاں نثاری سے کمانڈو کارروائیاں کی ہیں کہ ان کی مثال تاریخ میں تلاش کرنے پر بھی نہیں ملتی۔ وہ اپنے کمانڈوز میں خود اعتمادی اور عزم پیدا کرنے کے لیے اپنے ہر کمانڈر کو جلتی آگ میں سے گزارتا ہے اور کھلے میدان میں چھوڑ کر اس پر پکی گولیوں سے فائرنگ کراتا ہے۔ اس فائرنگ اور آگ سے بچ نکلنے والا ہی "الفتح" کا کمانڈو بن سکتا ہے۔ ان دو مرحلوں سے بچ نکلنے والے فلسطینی فدائین کے لیے اپنی جان کی قربانی دینا ایک معمولی سی بات ہوتی ہے۔

یاسر عرفات مختصر بات کرتا ہے۔ لاہور کی اسلامی کانفرنس میں بھی اُس نے تقریباً دس منٹ کی تقریر کی تھی۔ وہ تقریروں کی بہ نسبت عمل کو پسند کرتا ہے۔ وہ دن و رات اپنے کام میں مصروف رہتا ہے۔ بھاگتے دوڑتے ہوئے کھانا کھاتا ہے۔ سگریٹ بالکل نہیں پیتا۔ وہ انتہائی عدیم الفرصت انسان ہے۔ لیکن اپنے کسی فدائی کی شادی کا اہتمام کرنا ہو یا فدائی کے کسی بچے کو سکول میں داخل کرانا ہو تو یاسر عرفات دوسرے پروگراموں کی بہ نسبت ان کاموں کو ترجیح دیتا ہے۔ اللہ کا سپاہی یاسر عرفات آج کی دُنیائے اسلام کا سب سے بڑا ہیرو ہے۔ جو باتوں اور تقریروں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ عمل اور صرف عمل پر یقین رکھتا ہے۔ کسی بھی ملک میں کوئی مسافر بردار طیارہ اغوا ہو جائے تو پوری دُنیا میں ایک ساتھ یہ آواز بلند ہوتی ہے "یاسر عرفات"

Marfat.com

دُنیا کے کسی بھی ہوائی اڈّے پر عرب نوجوان حملہ کر دیں تو دُنیا بھر کے اخبارات ۔ ٹیلی ویژن اور ریڈیو کپکپاتی آوازمیں پکارنے لگتے ہیں " یاسر عرفات "

کسی بھی ملک میں کسی بھی ملک کے سفارت خانے پر دوچار نوجوان قبضہ کرلیں تو ساری دُنیا سے صرف یہی ایک آواز بلند ہوتی ہے ۔ " یاسر عرفات "۔

یاسر عرفات پر فضائی قزاقی کا الزام لگانے والے تاریخ کا منہ چڑا رہے ہیں۔ جھوٹ کو فروغ دے رہے ہیں ۔ جھوٹا چونکہ بزدل ہوتا ہے ۔ اس لیئے وہ سبھی بزدل لوگ ہیں جو حریّت پسندوں کی کارروائیوں کی مذمّت کرتے ہیں ۔

آئیے ہم آپ کو بتائیں کہ فضائی قزّاقی کی ابتدا کس نے کی تھی اور فلسطینی حریّت پسند جو فضائی کارروائیاں کر رہے ہیں ، اس کا انہیں حق حاصل ہے ۔

دس سال قبل فلپائن کے مسلمانوں کے محاذ آزادی کے تین چھاپہ ماروں نے فلپائن ائیر لائنز کا طیارہ اغوا کرلیا تھا ۔ اسی روز اسرائیلی فضائیہ کے طیاروں نے ایک سعودی طیارہ کو زبردستی اتار لیا تھا ۔ علاوہ ازیں فضائی قزاقی کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے ؟ اس سوال کا جواب زیر نظر مضمون میں دیا جا رہا ہے ۔

۱۹۵۶ء کا واقعہ ہے الجزائری حریّت پسندوں نے فرانسیسی فوج کا ناک میں دم کر رکھا تھا ۔ الجزائر میں جنگ آزادی شباب پر تھی اور فرانس ہر محاذ پر شکست کھا رہا تھا ۔ ان ایام میں الجزائری حریّت پسندوں نے قاہرہ میں الجزائر کی آزاد جلاوطن حکومت کا صدر مقام قائم کر رکھا تھا ۔ جہاں جنگ آزادی کے بعض بڑے رہنما مقیم تھے ۔ فرانسیسی حکومت نے کمزور عسکری قوت اور حریّت پسندوں کے جوش وخروش کے پیشِ نظر مراکش کے تاجدار

Marfat.com

مولائے محمدؐ سے درخواست کی کہ وہ الجزائری رہنماؤں سے صلح کی شرائط پر گفت وشنید کریں اور اپنی تجاویز مرتب کر کے فرانس کو بھجوائیں ۔ مولائے محمد نے پانچ الجزائری رہنماؤں سے جو قاہرہ میں مقیم تھے درخواست کی کہ وہ فاس تشریف لائیں تاکہ گفتگو کے بعد معلوم کیا جا سکے کہ آیا وہ جنگ آزادی کے اس مرحلے پر صلح کرنے کو آمادہ ہیں یا نہیں ؟ اگر صلح ہو سکتی ہے تو اس کی شرائط کیا ہوں گی ؟ جنگ آزادی کے پانچ رہنماؤں کے اس وفد کی قیادت بہادر سپاہی محمد بن بیلا کر رہے تھے ۔

فاس میں گفت وشنید کے بعد الجزائری وفد قاہرہ لوٹ رہا تھا ۔ وفد کے ارکان مولائے محمد کے اِس ذاتی طیارے میں سوار تھے ، جس کا کپتان ایک فرانسیسی تھا ۔ طیارے نے فاس سے پرواز کی تو راستے میں فرانسیسی حکومت کے ذمہ دار حکام نے ریڈیو کے ذریعے کپتان سے رابطہ قائم کر کے اسے حکم دیا کہ وہ قاہرہ نہ جائے اور الجزائر ہی کے فلاں اڈے پر اتر جائے جہاں الجزائری وفد کے ارکان کو گرفتار کرنے کے معقول انتظامات مکمل کر لیے گئے ہیں ۔

جہاز کے فرانسیسی ہواباز نے جہاز کی فرانسیسی ایئر ہوسٹس کو اپنے اعتماد میں لے کر کہا کہ وہ کسی طرح یہ ضرور معلوم کرے کہ الجزائری وفد خصوصاً "محمد بن بیلا" مسلح ہیں یا نہیں ؟ محمد بن بیلا کو فرانسیسی ایئر ہوسٹس کے عندیہ سے آگاہی ہوئی تھی تو اس نے مسکرا کر کہا تھا کہ وہ اُسے چھونے کی کوشش نہ کرے کیونکہ وہ چلتا پھرتا اسلحہ خانہ ہے ۔ لیکن وفد کی اس ساری احتیاط کے باوجود ہواباز اتنا ہوشیار ثابت ہوا کہ محمد بن بیلا اور ان کے ہمراہیوں میں سے کسی کو بھی ذرا سا شک وشبہ تک نہ گزرا ۔ ہواباز فاس سے قاہرہ تک کی پرواز میں صرف ہونے والے وقت سے واقف تھا وہ فنکارانہ مہارت سے بحیرہ روم کے اوپر پرواز میں چکر کاٹتا رہا اور آخرکار قاہرہ کی بجائے الجزائر کے مقررہ ہوائی اڈے پر اترا تو ٹینکوں اور مشین گن دستوں نے جہاز کو گھیرے میں لے کر پانچوں سرکردہ رہنماؤں کو گرفتار کر لیا ۔

الجزائر کی جلا وطن حکومت کے ان پانچ سرکردہ رہنماؤں کی گرفتاری نے جہاں

Marfat.com

فرانسیسی سامراج کی بزدلی اور فریب کاری کا پردہ چاک کر دیا وہاں ساری انصاف پسند دنیا میں فرانس کے خلاف نفرت کا اظہار بھی کیا گیا۔

فضائی قزاقی کی یہ پہلی واردات تھی جو حریت پسندوں کے خلاف کی گئی اور جس کا مرتکب فرانس ہوا تھا مقام حیرت تھا کہ اس قزاقی پر نہ تو ہوا بازوں کی عالمی انجمن نے کسی قسم کا احتجاج کیا تھا اور نہ امریکہ اور یورپ کی حکومتوں میں سے کسی نے اس فضائی قزاقی کے خلاف کوئی آواز بلند کی تھی لیکن اس قزاقی کا ایک فائدہ ضرور ہوا تھا کہ الجزائر سمیت دوسرے ملکوں کے تمام حریت پسند عناصر کو اچانک ایک ایسی نئی راہ مل گئی تھی۔ جس پر چل کر وہ اپنی آزادی کی منزل پر پہنچ سکتے تھے۔

فرانس نے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے فضائی قزاقی کا آغاز کیا تو دنیا بھر کے محبان وطن کو ظالموں کے خلاف احتجاج کرنے کا ایک طریقہ سوجھ گیا۔ لیکن حیرت تو اس بات پر ہوتی ہے کہ مغرب کے فضائی قزاق جب من مانی کرتے ہیں تو ان کی قزاقی کے خلاف کہیں سے کوئی آواز بلند نہیں ہوتی اور اگر اس کے خلاف عرب عوام یا دوسری غلام قوموں کی طرف سے انتقامی کارروائی ہوتی ہے تو پوری دنیا میں اس کی مذمت کی جاتی ہے۔

۱۹۵۶ء سے آج تک کم و بیش ڈیڑھ ہزار طیارے فضائی قزاقوں نے اغوا کیئے ہیں ان میں نوے فیصد وارداتیں مغرب کے قزاقوں نے کی ہیں۔ اس دوران چھوٹے بڑے تفریحی نجی طیاروں سے لے کر بوئینگ ۷۲۷ سے بیش قیمت جٹ مسافر بردار طیارے تک اغوا ہوتے ہیں۔ بحیرہ کریبین کی تفریح گاہ فضائی قزاقوں کا سب سے زیادہ شکار ہوئی ہے کیوبا کے محبان وطن نے بھی امریکی فضائی کمپنیوں سے ان گنت طیارے اغوا کئے ہیں وہ جب کبھی امریکہ سے اپنے وطن جانے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ کسی مسافر بردار امریکی طیارے میں سوار ہوتے ہیں اور کیوبا کی سرزمین کے قریب پہنچنے پر ہوا باز کو اپنی پسند کے ہوائی اڈے پر اتار لیتے ہیں ہوا باز پر پستول تان لیا جائے تو وہ حکم کی فوراً تعمیل کرتا ہے۔

Marfat.com

ارجنٹینا کی مشہور وطن دوست ڈرامہ نگار خاتون میریا کرمیٹنا نے بھی ایک بار ایک برطانوی طیارے کے ہوا باز کو فاک لینڈ میں اپنا طیارہ اتارنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ایک بار ایک برٹش ہاکر سڈنی طیارے کو الجزائر میں اتار لیا گیا تھا۔ اس طیارے میں کانگو کے غیر فانی عوامی رہنما لوممبا کا قاتل کانگو کا رسوائے زمانہ سابق وزیر اعظم شومبے سوار تھا۔

امریکی اور مغربی پریس پر چونکہ اسرائیلی قابض ہیں اور دنیا بھر کی طیارہ کمپنیوں میں بھی سرمایہ کا بیشتر حصہ اسرائیلیوں کا ہے اس لئے پریس اور ہوا بازوں کی عالمی انجمن بھی یہودیوں کی حامی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی عرب فلسطینی حریت پسندوں کی طرف سے مغربی قزاقوں کی وارداتوں کے جواب میں کوئی کارروائی ہوتی ہے تو سارے مغربی پریس میں عربوں کی مخالفت کی جاتی ہے اور پوری مغربی دنیا میں کہرام مچ جاتا ہے۔ علاوہ ازیں ہوا بازوں کی وہ عالمی انجمن جو مغربی قزاقوں کی کارروائیوں پر آنکھیں بند رکھتی ہے۔ عربوں کے خلاف حیرت انگیز سرگرمی کا مظاہرہ کرتی ہے اسرائیلی فضائی کمپنی کے ایک طیارے "ایل ایل" نامی کے اغوا کا واقعہ اس کا ثبوت ہے جسے فلسطینی حریت پسندوں نے اغوا کر کے الجزائر میں اتار لیا تھا۔ اسرائیلی فضائی کمپنی کے اس بوئنگ ۷۰۷ کی کہانی فلسطینی حریت پسندوں کی جنگ آزادی کا ایک روشن باب ہے۔ اس لئے اس کے کچھ حصے اس جہاز کے اسرائیلی ہوا باز عایز سلایک کی زبانی سنیئے۔ اس کا کہنا ہے۔

"میں اٹلی کے ہوائی اڈے سے روانہ ہوا تھا اور سوئٹزرلینڈ پر پرواز کر رہا تھا کہ میں نے عقب سے چند اجنبی آوازیں سنیں۔ میں نے گھوم کر دیکھا تو ایک خوفناک خواب کے مناظر میری نظروں کے سامنے آ گئے۔ اچانک دو نوجوان کاک پٹ میں داخل ہوئے۔ ایک گہرے سلیٹی اور دوسرا بھورے سوٹ میں ملبوس تھا۔ دونوں کے ہاتھوں میں پستول تنے ہوئے تھے۔ ایئر ہوسٹس آگے بڑھی اور پوچھنا چاہا کہ ان کا کیا مطلب ہے۔ لیکن انہوں نے اسے نظر انداز کر دیا۔ اور کپتان کے سر

Marfat.com

پر پہنچ گئے۔ پھر یکایک بھورے سوٹ والے عرب نوجوان نے اچھل کر کپتان کے سر پر زور سے مکا مارا۔ کپتان سہم کر بیٹھا رہا اور اگلے لمحہ بے ہوش ہو گیا۔ میں نے سیفٹی بیلٹ کھولنے کی کوشش کی تو دوسرے نوجوان نے میری کنپٹی کو نشانہ بناتے ہوئے کہا کہ "اطمینان سے اپنی جگہ بیٹھے رہو۔ ہمیں الجزائر جانا ہے اس لیے بلا تاخیر طیارے کا رخ الجزائر کی طرف موڑ دو" اور اس نوجوان نے فوراً ہی اپنی نظریں قطب نما پر گاڑ دیں۔ میں نے گھوم کر دیکھا تو اس کی انگلیاں گرینڈ کے سیفٹی پن پر گردش میں تھیں۔ اس نے پر اعتماد لہجہ میں مجھے کہا "تم ذرا سی غلطی کر کے جہاز کے سارے مسافروں کی موت کو دعوت دے سکتے ہو۔ ہم اپنی زندگی کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اس لیے تمہیں اپنی جان کی فکر کرنی چاہیئے اور ہمارا ہر حکم ماننا چاہیئے۔"

کپتان اب بھی ہوش میں نہ آیا تھا۔ سیٹی رنگ کے سوٹ والے نوجوان فلسطینی نے اسے ایک طرف سرکایا اور اس کے قریب جا بیٹھا۔ قطب نما پر نظریں گاڑے ہوئے اس نے پستول کی نالی سے الجزائر کی طرف اشارہ کیا اور اس کے الجزائر پہنچنے تک خاموش رہا۔ ہمارا جہاز الجزائر کے ہوائی اڈے پر اترا تو لوگ ہمارے منتظر تھے۔"

ایل ایل کے اس واقعہ سے ساری مغربی دنیا اور امریکہ میں کہرام مچ گیا۔ مغربی پریس کو عرب دشمنی کا بخار چڑھ گیا۔ یو ایس ایئر لائنز پائلٹ ایسوسی ایشن شدت سے تیزی میں آگئی اور اس کے ایک ترجمان نے کہا کہ عربوں نے فضائی قزاقی کے سارے ریکارڈ توڑ دیئے ہیں۔ عالمی فضائی شاہراہوں کی راہ چونکہ مشرق وسطیٰ سے ہو کر گزرتی ہے اس لیے اب شاید ہی کوئی طیارہ عربوں کی دستبرد سے بچ سکے ہوا بازوں کی عالمی انجمن نے یہ اعلان بھی کیا کہ اگر ایل ایل کے عملے اور اسرائیلی مسافروں کو بوئنگ ۷۰۷ سمیت بلا تاخیر رہا نہ کیا گیا تو الجزائر کے فضائی اڈوں کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے گا۔

گو آج یہ اسرائیلی طیارہ اس کا عملہ اور اس کے گیارہ یہودی مسافر بھی رہا ہو چکے ہیں لیکن اس طیارے کی کہانی فلسطینی جانبازوں کی جرأت و شجاعت سے

Marfat.com

عبارت ہے اور ساری حریت پسند دُنیا اپنے ان جانبازوں کے کارنامے پر نازاں ہے کیونکہ ان دو فلسطینی جانبازوں نے یہ طیارہ اغوا کر کے اپنے سترہ ساتھیوں کو اسرائیل سے مکار اور ننگِ انسانیت دشمن کی قید سے آزاد کرا لیا تھا۔ طیارہ سازوں نے طیاروں کے اغوا کی وارداتیں روکنے کے لیئے مختلف تجاویز پر عمل کیا ہے لیکن کامیابی حاصل نہیں کر سکے۔ امریکی طیارہ سازوں نے ایک ایسا مقناطیسی آلہ بھی تیار کر لیا ہے جو مسافروں کی جیبوں میں رکھے پستول اور بموں وغیرہ کی بھی نشاندہی کر سکتا ہے لیکن اس سراغرسانی میں ہر مسافر کی چھان بین ضروری قرار پاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی شریف آدمی اپنی جامہ تلاشی برداشت نہیں کر سکتا اور کوشش کرے گا کہ کسی ایسی فضائی کمپنی کے طیارے میں سفر پر روانہ ہو، جو مسافروں کی جامہ تلاشی کر کے نہ تو ان کی توہین کرے اور نہ ان کا قیمتی وقت ضائع کرے۔

دراصل سامراج لاکھ حفاظتی تدابیر اختیار کرے۔ اس کا خاطر خواہ نتیجہ بر آمد نہیں ہو سکتا۔ طیاروں کے اغوا کی وارداتیں محض اسی صورت روکی جا سکتی ہیں کہ بعض بڑی طاقتیں اور ان کے حلیف یہودیوں کی ناجائز طرفداری سے ہاتھ اٹھالیں اور عرب حصول انصاف کے لیے جو کوشش کر رہے ہیں ان میں حائل نہ ہوں۔ بصورت دیگر آج نہیں تو کل دُنیا کو یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ فضائی قزاقی کی ذمہ داری عربوں یا دوسری حریت پسند قوموں پر عائد نہیں ہوتی۔ اس کے ذمہ دار وہ لوگ ہیں جو ظلم۔ دھاندلی اور ناانصافی اپنائے ہوئے ہیں۔

الفتح کے سالارِ اعظم کے سیکنڈ ان کمانڈر ابو عیاد نے ایک بیان میں کہا تھا "اسرائیل کے ارد گرد لبنان، اردن اور سینائی ہیں اس لیئے فدائین اسرائیل کے اندر جا کر حملے نہیں کر سکتے۔ سمندر سے گزرنے کے لیے ہمارے پاس ذرائع نہیں ہیں۔ اس لیے ہم ساری دنیا میں اسرائیلیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ختم کر دیں گے۔ فلسطین کے معاملے میں ساری دُنیا مجرم ہے"۔

کیا ابو عیاد کے بقول واقعی فلسطین کے معاملے میں ساری سامراجی دُنیا

Marfat.com

اور اس کے بیٹھو مجرم ہیں ؟ اِس سوال کے جواب میں اسرائیلیوں کی بعض کارروائیوں کا ذکر کرنا پڑے گا۔

اسرائیل کے جیٹ لڑاکا طیاروں کی فضائی سروس نے ایک مسافر طیارہ کو جو راستے سے بھٹک گیا تھا۔ فضا سے مار کر گرا دیا اور اس طیارے کے ایک سو آٹھ بے گناہ مسافر قتل کر دیئے۔ یہ واضح معنوں میں فضائی قزاقی اور قتل عمد تھا۔ مگر اقوام متحدہ نے اس قزاقی کے خلاف کوئی نوٹس نہ لیا اور عالمی برادری نے بھی ایک خاموش تماشائی کا کردار ادا کیا۔ کیونکہ تباہ شدہ طیارہ سامراج کے دشمن ملک لیبیا کا تھا اور اس قزاقی کی واردات میں شہید ہونے والے مسلمان تھے۔

ایک سو آٹھ بے گناہ مسلمان مسافروں کا انتقام لینے کے لیے صرف ۹ روز بعد " الفتح " کے جانباز خرطوم میں سعودی عرب کے سفارت خانے پر حملہ آور ہوئے اور یہاں موجود امریکی سفارت خانے کے دو اور بلجیم کے سفارت خانے کے ایک افسر کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ امریکی افسروں کو محض اس لیئے قتل کیا گیا تھا کہ امریکہ اسرائیل کا پشت پناہ ہے۔

اسرائیل چھاپہ ماروں نے لبنان کے اندر " الفتح " کے ایک تربیتی کیمپ پر حملہ کیا اور یہ دعویٰ کیا کہ انہوں نے چار لیڈروں کو بھی قتل کر ڈالا ہے۔ اس حملے کے دوران اسرائیلی " الفتح " کے ایک ترک گوریلا فائق بلوط کو گرفتار کر کے اسرائیل لے گئے اور اسے عربوں کے غیر قانونی دہشت پسند گروہ کا ممبر ہونے کے جرم میں مقدمہ چلانے کے بعد سات برس قید با مشقت کی سزا دی۔

تیئس سالہ حریت پسند فائق بلوط انقرہ میں آرٹ کا طالب علم تھا۔ نہایت جوشیلا سامراج دشمن تھا۔ اِس لیئے تعلیم کو خیر باد کہہ کر لبنان کے ایک تربیتی کیمپ میں آ گیا تھا، جہاں اسرائیل چھاپہ ماروں کے حملے میں ان کے ہاتھ آ گیا تھا۔ اس کا مقدمہ بین الاقوامی قانون کی صریحاً خلاف ورزی تھا۔ کیونکہ اسے

ایک دوسرے ملک سے اغوا کیا گیا تھا۔ جو خود جرم کے مترادف ہے۔ اس سے قبل ۱۹۶۰ء میں بھی اسرائیل ایک ایسا ہی جرم کر چکا ہے۔ جس کے تحت اس نے جرمن گسٹاپو کے کرنل ایشمین کو ارجنٹائن سے اغوا کر کے اسرائیل لا کر موت کی سزا دے دی تھی۔ ایشمین کو دوسری جنگ عظیم میں ہزاروں یہودیوں کو قتل کرنے کے جرم میں سزا دی گئی تھی اور پندرہ برس بعد اغوا کر کے قتل کیا گیا تھا۔

تین چار اسرائیلیوں نے مراکش کے ایک مسلمان کو ناروے میں روز روشن میں سرعام گولیاں مار کر قتل کر دیا تھا۔ بعد میں انکشاف ہوا کہ یہودیوں نے غلط آدمی کو قتل کیا تھا کیونکہ مقتول کی شکل و صورت الفتح کے ایک لیڈر سے ملتی جلتی تھی۔ جسے یہودی موت کے گھاٹ اتارنا چاہتے تھے۔ اس بے گناہ مراکشی باشندے کے قتل پر بھی عالمی برادری میں سے کسی نے اسرائیل کے خلاف آواز بلند نہیں کی اور اسرائیل نے بھی اس غلطی پر افسوس کا اظہار تک نہیں کیا بلکہ اپنے اس اقدام کو درست قرار دینے پر بضد رہا۔ اس واقعہ کے چند روز بعد اسرائیل کے دو جیٹ لڑاکا طیاروں نے عراقی فضائی سروس کے ایک مسافر بردار طیارہ کو جو بیروت سے اُڑ کر بغداد جا رہا تھا فضا میں گھیر کر حیفہ (اسرائیل کے ایئرپورٹ پر زبردستی اتار لیا۔ اس نہتے مسافر بردار طیارے میں ۷۴ مسافر اور عملے کے آٹھ افراد تھے جبکہ اسرائیل کے جیٹ طیاروں میں مشین گنیں اور راکٹ بھی تھے۔ عراقی مسافر طیارے کے پائلٹ نے بیروت ایئرپورٹ کو اطلاع دی کہ میں نہیں چاہتا کہ لیبیا کے طیارے والا حادثہ میرے مسافروں کے ساتھ پیش آئے اس لیے ان کے ساتھ جا رہا ہوں۔

عراقی طیارہ حیفہ کے ہوائی اڈے پر اترا تو اسرائیل کی خفیہ پولیس نے مسلسل تین گھنٹے تک سارے مسافروں کی جانچ پڑتال کی اور آخر کار طیارے کو جانے کی اجازت دے دی۔ دراصل اسرائیلی جاسوسوں کی اس اطلاع کے تحت

Marfat.com

یہودیوں نے یہ فضائی قزاقی کی تھی کہ اس طیارے میں "الفتح" کے ایک اہم لیڈر حباش بیروت سے سوار ہو کر بغداد جا رہے ہیں۔ اسرائیلی حباش کو گرفتار کرنا چاہتے تھے اور ان کے جاسوسوں کی اطلاع غلط بھی نہیں تھی، حباش کو واقعی اسی فلائٹ سے بغداد جانا تھا لیکن "الفتح" کے اپنے جاسوسوں نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ اس طیارے میں سفر نہ کرے کیونکہ یہودی اس طیارے کو اغوا کرنے کا پروگرام ترتیب دے چکے ہیں۔ حباش نے اس اطلاع کے تحت طیارے کی روانگی سے صرف چند منٹ قبل اپنا پروگرام منسوخ کرنا مناسب سمجھا تھا۔

اس کے بعد یہودیوں نے یورپ میں اپنے چھاپہ ماروں سے جو کارگزاریاں کرائیں اس کے تحت قبرص کے نکوسا اولمپک ہوٹل میں حسین البشیر نامی ایک عرب تاجر کو قتل کیا گیا۔ اس تاجر نے ایک رات سونے سے قبل بتی بجھائی اور ابھی بستر پر گیا ہی تھا کہ ایک خوفناک دھماکہ نے اس کے جسم کے پرخچے اڑا دیئے۔ حسین البشیر شام کے پاسپورٹ پر قبرص میں آیا تھا اور قبرص میں "الفتح" کا نمائندہ یا جاسوس تھا۔ یہودیوں نے اسے پہچان کر قتل کر دیا اور اس کے انتقام میں دوسرے دن فدائین نے دو ہزار میل دور اسپین کے دارالحکومت میڈرڈ میں ایک اسرائیلی جاسوس بروچ کوہن کو جو تاجر کے روپ میں تھا، موت کے گھاٹ اتارا تھا۔

"الفتح" کا ایک اہم نمائندہ محمود ہمشاری پیرس کے ایک فلیٹ میں رہائش پذیر تھا۔ اس کے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو اس نے ریسیور اٹھایا۔ عین اس وقت فون کی میز کے نیچے دھماکہ ہوا اور محمود شدید زخمی ہونے کے ایک ماہ بعد زخموں کی شدت سے شہید ہو گیا۔ دراصل اس کی میز کے نیچے ٹائم بم رکھا ہوا تھا جس کے پھٹنے کا جو وقت مقرر کیا گیا تھا عین اسی وقت کسی اسرائیلی جاسوس نے محمود کو فون کیا اور اس نے جوں ہی ریسیور اٹھایا بم پھٹ گیا۔ اسی طرح یہودی ایجنٹوں نے حسین البشیر کے بستر کے نیچے بجلی سے پھٹنے والا

Marfat.com

بم رکھ کر انہیں شہید کیا تھا۔ طویل عرصہ تک معمولی سے لفافے میں کاغذ کے ایک ورق جتنے وزن کا بارود رکھ کر دستی بم جتنی تباہی پھیلانے کا راز یہودیوں تک محدود رہا۔ یہودی بڑی فنکارانہ چابکدستی سے خاص قسم کا بارود مخصوص طریقے سے لفافے میں رکھتے تھے۔ بعد میں عربوں نے اس راز سے واقف ہونے کے بعد دُنیا بھر میں پھیلے ہوئے مختلف یہودی افسروں کے نام ایسے ہی لفافے بھیجے جو کھلنے پر موت کا پیغام ثابت ہوئے اسی قسم کا ایک لفافہ فدائین نے برطانیہ میں اسرائیلی سفارت خانے کے ایک اسرائیلی کونسلر ایمی شیچوری کے نام بھیج کر اسے ہلاک کیا تھا۔

گو اسرائیل کو اپنے آدمیوں کو دوسرے ملکوں میں بھیجنے کے لیے ہمہ اقسام سہولتیں میسر ہیں لیکن فلسطینی حریت پسندوں کو کسی قسم کی سہولت میسر نہ آنے کے باوجود اپنے حریفوں پر بالا دستی حاصل ہے۔ اسرائیلی جاسوسوں کو پاسپورٹ اور ویزا کے حصول میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ اس کے برعکس فلسطینی جانبازوں کو عموماً جعلی پاسپورٹوں پر دوسرے ممالک میں جانا پڑتا ہے۔ اسرائیلیوں کے پاس اپنی بری، بحری اور فضائی ٹرانسپورٹ ہے علاوہ ازیں اسرائیل نے چونکہ مسلم ملکوں کے خلاف محاذ قائم کر رکھا ہے اس لیے اُسے تقریباً سارے غیر مسلم ممالک کا تعاون بھی حاصل ہے اس کے برعکس فلسطینی مجاہد جس ملک میں یہودیوں اور ان کے سرپرستوں پر حملہ آور ہوتے ہیں اس ملک کے عوام کی اکثریت ان کی جانی دشمن ہوتی ہے۔ نتیجہ میں فلسطینی جس شہر میں حملہ آور ہوتے ہیں اس شہر کے چھوٹے بڑے سبھی انہیں پکڑنے کے لیے حرکت میں آجاتے ہیں۔ اسرائیل کے پشت پناہ امریکہ نے بھی فدائین کے مشن کو ناکام نہیں تو مشکل بنانے کے لیئے اپنے مشہور جریدے ٹائم کی ۱۲ فروری ۱۹۷۳ء کی اشاعت کے مطابق یورپ میں دہشت پسند سرگرمیوں کے خلاف ایک فورس ترتیب دی ہے جس کا کمانڈر ارمن میئر (سابق سفیر امریکہ متعین جاپان) مقرر کیا گیا ہے۔ بظاہر تو یہ فورس عرب اسرائیل دہشت پسندوں کی

Marfat.com

کارروائیوں کو روکنے کے لیئے عمل میں آئی ہے۔ لیکن اصل میں اسے عربوں کے خلاف استعمال کیا جائے گا۔ کیونکہ امریکہ ہر محاذ پر اسرائیل کا مددگار ہے۔

اسرائیل نے یورپ اور مشرق وسطیٰ میں اپنے جاسوسوں اور چھاپہ ماروں کا جال سا پچھا رکھا ہے اور انہیں ہمہ اقسام مدد دے رہا ہے گو ان کے مقابلے میں فلسطینی جانبازوں کو کسی قسم کی سہولت اور امداد حاصل نہیں ہے لیکن وہ اپنے جذبہ اور فلسطین کی محبت کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر یہودیوں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ وہ اسرائیل اس کے سرپرستوں اور حامیوں کے ممالک میں حفاظتی انتظامات کو ناکام بنا کر داخل ہوتے ہیں اور جن بھوتوں کی طرح یکایک اپنے دشمنوں پر گولیاں برسا کر اور گرنیڈ پھینک کر نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد پتہ چلتا ہے کہ فلسطینی جانبازوں نے دو تین دشمنوں کو خاک و خون میں ملا دیا ہے۔ اسرائیل، سامراجی ملک اور سامراجیوں کے پٹھو فلسطینی جانباز گوریلوں کی اس جنگ کو دہشت گردی کا نام دیتے ہیں جب کہ فلسطینی حریت پسندوں کے نزدیک یہ جنگ آزادی ہے جو وہ ساری دنیا میں لڑ رہے ہیں۔ ایسی گوریلا جنگ کے لیے خاص طور پر بے حد دلیر، جرأت مند اور انتہائی نڈر جانبازوں کی ضرورت ہوتی ہے اور فلسطینی فدائین نے ثابت کر دکھایا ہے کہ وہ واقعی بہادر اور نڈر انسان ہیں۔ وہ اسرائیلیوں کی طرح چوری چھپے بم رکھنا مردانگی نہیں سمجھتے۔ وہ سامنے آکر ریوالور، اسٹین گن یا ٹامی گن سے فائر کر کے دشمنوں سے انتقام لیتے ہیں۔ وہ عام طور پر اکیلے اکیلے یا دو دو ہوتے ہیں۔ البتہ کسی ہوائی جہاز یا عمارت پر قبضہ مطلوب ہو تو ان کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ ڈاک کے لفافوں میں بم بھیجنے کا طریق کار انہوں نے یہودیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنایا تھا۔ اس سلسلے میں انہیں قصوروار نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

اسپین کے دارالحکومت میڈریڈ کے بارونق بازار میں ایک یہودی تاجر جا رہا تھا کہ یکایک ایک آدمی نے اس کے قریب آکر جیب سے ریوالور نکالا اور دو گولیاں چلا کر آناً فاناً غائب ہو گیا۔ یہ واقعہ بازار کے دو دکانداروں اور

Marfat.com

سینکڑوں راہگیروں نے دیکھا اور اس سے پیشتر کہ لوگ قاتل کو پکڑتے وہ یوں غائب ہو چکا تھا جیسے کوئی چھلاوہ یا جن بھوت ہو۔ یہودی تاجر نے مرتے مرتے یہ بیان دیا کہ وہ اپنے قاتل سے بخوبی واقف ہے۔ وہ "تحریک سیاہ ستمبر" کا فلسطینی ہے۔ یہودی تاجر اسرائیل کے پاسپورٹ پر موشے حنان کے نام سے کاروبار کے سلسلے میں میڈریڈ آیا تھا۔ اس کی موت کے بعد اسرائیلی حکومت کو یہ اعتراف کرتے ہی بنی کہ موشے حنان کا نام بھی فرضی تھا اور وہ تاجر بھی نہ تھا بلکہ اسرائیل کے محکمۂ جاسوسی کا ایک رکن بروچ کوہین تھا جسے اِس فلسطینی حریت پسند کو گرفتار کر کے اسرائیل لانے کے لیئے بھیجا گیا تھا۔ جس نے بھرے بازار میں گولیاں چلا کر اُسے قتل کر دیا تھا۔

اِس واقعہ سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ فلسطینی فدائین نے اپنا جاسوسی کا نظام ایسا ترتیب دے رکھا ہے جو اسرائیلی جاسوسوں اور سراغ رسانوں کو دُنیا کے کسی بھی حصہ میں شکست دے سکتا ہے۔ فلسطینی تحریک آزادی کی ایک جماعت "سیاہ ستمبر" کے دو نوجوانوں نے ایتھنز کے ہوائی اڈے پر اسٹین گنوں کا فائر کھول کر دو امریکی اور ایک آسٹریلوی باشندے کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور گرنیڈ پھینک کر ۵۵ آدمیوں کو شدید زخمی کر دیا تھا۔ سیاہ ستمبر کے ان دو جانبازوں کی عمر اکیس اور بائیس سال تھی اور وہ دونوں گرفتار کر لیے گئے تھے۔ یونانی قانون کے تحت ان مجاہدوں کو گولی مار دی جائے گی۔ لیکن یہ جانباز ذرا بھی ہراساں نہ تھے کیونکہ ان نوجوانوں کو اپنی زندگی کی کوئی فکر نہ تھی۔ ان کا اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ وہ فلسطین کو اسرائیلیوں کے قبضے سے نکالنا چاہتے ہیں۔ وہ عالمی برادری اور امریکہ پر جو اسرائیل کا سرپرست ہے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے وطن فلسطین کو آزاد کرانے کے لیے دُنیا کے ہر ملک میں اور ہر وقت حملہ کر سکتے ہیں اور آخر کار اپنی طویل جنگ کے اختتام پر اپنے پیارے وطن فلسطین کو آزادی سے ہم کنار

Marfat.com

کر کے دم لیں گے۔

صیہونیوں نے دُنیا بھر کے ظالم اور ناانصاف سامراجی ملکوں خصوصاً برطانیہ اور امریکہ کی مدد سے فلسطین پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے اور اُسے اسرائیل کا نام دے کر اِس ملک کے اصل مسلمان فلسطینی باشندوں کو دوسرے عرب ملکوں میں زبردستی دھکیل دیا ہے اس لیئے فلسطین کے باشندے اپنے ملک کو آزاد کرانے کے لیے اپنے کمانڈر یاسر عرفات کی زیر قیادت زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے ہیں یہودیوں نے ساری دُنیا پر حکومت کرنے کے لیئے جو منصوبے بنائے تھے وہ ان سب پر کامیابی سے عمل پیرا ہیں۔ یہودی سب سے قبل دُنیائے اسلام کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ وہ خود کو کسی بین الاقوامی اخلاق، ضابطے اور قانون سے بالاتر سمجھتے ہیں کیونکہ ان کی چیرہ دستیوں کے خلاف نہ تو اقوام متحدہ عملی اقدامات کرتی ہے اور نہ عالمی برادری کے کانوں پر جوں تک رینگتی ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ فلسطینی فدائین کے خلاف بعض مسلمان ملکوں کا رویہ بھی تسلی بخش نہیں قرار دیا جا سکتا۔ بعض ملکوں نے فلسطینیوں کو اپنی سرحدوں سے فوجی طاقت کے زور پر باہر نکالنے کی کوشش کی ہے اور بعض نے ہزاروں فلسطینیوں کو شہید کر کے باقی ماندہ کو اپنے ملک سے نکال دیا ہے۔ فلسطینی چھاپہ ماروں کے خلاف باقاعدہ جنگی کارروائیوں کے دوران ٹینک اور طیارے بھی استعمال کیئے گئے ہیں۔ ایک عرب ملک لبنان میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان دس ماہی قتل و غارت گری فلسطینی جانبازوں کو لبنان سے باہر کرنے کے سلسلے ہی کی ایک کڑی تھی۔ یہودیوں کو ساری سامراجی دنیا اور سامراج کے پٹھوؤں کی امداد حاصل ہے۔ جبکہ فلسطینی چھاپہ ماروں کے پاس نہ تو اسرائیل جیسے ذرائع ہیں اور نہ ان کا کوئی ملک ہی ہے۔ انہیں لیبیا، شام اور سعودی عرب کی حکومتیں مالی امداد دے رہی ہیں۔ جب کہ بعض عرب ممالک اسرائیل کی جوابی کارروائیوں کے خوف سے اِن فلسطینیوں کو اپنے ملک میں پناہ بھی نہیں دیتے۔

Marfat.com

مجاہدین فلسطین فلسطینی تحریک آزادی کی کئی جماعتوں میں شامل ہیں
ان کی تین بڑی جماعتوں کے نام "سیاہ ستمبر" "العقاب اور" الفتح" ہیں۔
ان تینوں تنظیموں کے اغراض و مقاصد میں "فلسطین کی آزادی" شامل ہے
سیاہ ستمبر کے مجاہدوں کے کارنامے آپ پڑھ چکے ہیں۔ العقاب دوسری
تنظیم ہے، عقاب کے لفظی معنی سزا اور عذاب ہیں (حرف "ع" کے نیچے
زیر ہے) اگر عین پر پیش ڈال دیں تو اس کے معنی عقاب پرندہ ہوتا ہے
"العقاب" کے فدائین کا ایک کارنامہ ملاحظہ ہو۔

ستمبر ۱۹۷۲ء کے دوسرے ہفتے کے ایک دن کا ذکر ہے فرانس
کے دارالحکومت پیرس میں ساڑھے نو بجے صبح سعودی عرب کے سفارت
خانے میں پانچ خوش پوش عرب نوجوان داخل ہوئے اور سفارت خانے
کے پندرہ ملازمین کو جن میں دو تین خواتین بھی شامل تھیں۔ ٹامی گنوں کی
زد میں لے کر حکم دیا کہ وہ جہاں بیٹھے ہیں بیٹھے رہیں۔ اگر کسی نے باہر نکلنے
کے لیئے ذرا سی کوشش بھی کی تو اُسے گولی مار کر ختم کر دیا جائے گا۔
ان حریت پسندوں کے ہاتھوں میں گرنیڈ بھی تھے۔ اُن کا مطالبہ تھا کہ
"الفتح" کے رہنما ابو داؤد کو فوراً رہا کر دیا جائے۔ ابو داؤد "العقاب" کا رہنما
اور یاسر عرفات کے پائے کا لیڈر رہے۔ جسے شاہ حسین والیٔ اردن
کو معزول کرنے کی مسلح کوشش کے دوران گرفتار کر کے عمر قید کی سزا
دی گئی تھی اور جواب اردن کے کسی جیل خانے میں اسیری کے ایام گذار
رہا تھا۔ ابو داؤد اپنی کم نفری اور محدود وسائل کی بنا پر شکست کھا کر
گرفتار ہوا تھا۔ فلسطینی جانبازوں نے ان پندرہ افراد کو لیطور یرغمال اپنی
تحویل میں لے کر یہ اعلان کیا تھا کہ اُن کا مطالبہ منظور نہ کیا گیا تو وہ ان پندرہ
افراد کو قتل کر دیں گے۔

فرانسیسی حکام نے یہ اطلاع پا کر اسپیشل پولیس کی بہت زیادہ نفری
سے سفارت خانہ کو گھیر لیا۔ اسپیشل پولیس کے جوان ہر قسم کے ہتھیاروں

Marfat.com

سے پوری طرح مسلح تھے ۔ جانبازوں نے اپنے اعلان کو ایک بار پھر دہرایا اور اس کے بعد ایک دوسرے مطالبے میں اپنے پہلے مطالبہ کو بدل دیا۔ نئے مطالبہ کے تحت وہ ایک مسافر طیارہ مع عملہ چاہتے تھے تاکہ یرغمالیوں کے ساتھ الجزائر پرواز کر جائیں جہاں غیر جانبدار ملکوں کی کانفرنس منعقد ہو رہی تھی اس موقع پر یورپ کی ساری فضائی کمپنیوں سے طیارہ مانگا تھا۔ ستائیس گھنٹے بعد شام کی فضائی کمپنی "سیرین عرب ایئر لائنز" نے اپنے ایک مسافر بردار جیٹ طیارہ دیا تو فرانسیسی حکام نے فدائین کے طیارہ کو حفاظت سے فرانس سے پرواز کرنے کا اہتمام کیا۔ ان ستائیس گھنٹوں میں کویت کے سفیر فیصل صالح المناوا نے فدائین کی منت سماجت کر کے انہیں یرغمالیوں کو قتل کرنے سے باز رکھا تھا۔ "العقاب" کے پانچ فدائین پندرہ قیدیوں کو بس میں بٹھا رہے تھے تو عراق کے سفیر محمد رخما نے فدائین سے درخواست کی کہ وہ قیدی عورتوں کو چھوڑ دیں اور ان کی جگہ انہیں یرغمال میں رکھ لیں۔ فدائین نے عورتوں کو رہا کر دیا اور عراقی سفیر کو بس میں بٹھالیا۔ بس فرانس کے ایک ایئر پورٹ پر پہنچی تو فدائین نے عراق کے سفیر کو مع تین مزید مرد قیدیوں کے آزاد کر دیا بعد میں دوسرے قیدیوں کو رہا کرنے کے بعد فدائین کے پاس چار سعودی عرب کے باشندے رہ گئے گو بعد میں کویت پہنچ کر فدائین نے شام کے طیارے کو چھوڑ کر کویت ایئرویز کے ایک بوئنگ طیارہ میں سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض پر چکر میں پرواز کرتے ہوئے طیارے کے وائرلیس سسٹم سے سعودی عرب کی حکومت سے کہا کہ وہ ابو داؤد کو فوراً رہا کر دے ورنہ وہ سعودی عرب کے چار قیدیوں کو ہلاک کر دیں گے لیکن سعودی عرب کے اردن کو مطلع کرنے پر بھی اردن نے ابو داؤد کو رہا کرنے سے انکار کر دیا تو فدائین طیارہ کو دوبارہ کویت لے گئے جہاں پہنچ کر انہوں نے غالباً اپنی تنظیم کے مرکز سے وائرلیس پر ایک ہدایت کے تحت چاروں قیدیوں کو رہا کر دیا اور خود کو بھی کویت حکومت کے حوالے کر دیا جس نے ان فدائین

Marfat.com

سے کہا کہ وہ خود کو آزاد سمجھیں اور جہاں جی چاہے چلے جائیں یا پھر کویت میں رہیں۔

اس واقعہ کے صرف چند روز بعد ۱۸ ستمبر ۱۹۷۳ء کو شاہ حسین والئ اردن نے ابو داؤد اور ان کے سارے ہمراہیوں کو رہا کر دیا جنہوں نے مسلح جنگ کے ذریعے ان کی بادشاہت ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔

ابو داؤد کی رہائی متذکرہ پانچ فدائین کے اس کارنامے کی وجہ سے عمل میں آئی تھی۔

"العقاب" کے فدائین سے قبل مارچ ۱۹۷۳ء کو "الفتح" کے مجاہدین نے بھی سوڈان میں سعودی عرب کے سفارت خانہ پر حملہ کر کے سفارت خانہ میں موجود دو امریکی سفارتخانہ کے افسروں اور بلجیئم کے ایک سفارتی نمائندہ کو یرغمال کے طور پر رکھ لیا تھا۔ یہ تینوں اس وقت سعودی عرب کے سفارتخانہ میں موجود تھے۔ بعد میں فدائین نے اپنا مطالبہ تسلیم کرنے کا وقت پورا ہونے پر ان تینوں سفارتی نمائندوں کو ہلاک کر ڈالا تھا۔ اس وقت بھی ان "فدائین الفتح" کا مطالبہ ابو داؤد کی رہائی تھا۔

ستمبر کے دوسرے ہفتہ کے "حملۂ پیرس" کے موقع پر پیرس کے اخباروں نے کہا تھا کہ فدائین نے اپنے اس حملے سے اپنے اُس حملے کی سالگرہ منائی ہے جس کے تحت اُنہوں نے گزشتہ سال ماہ ستمبر میں میونخ میں گیارہ اسرائیلی کھلاڑیوں کو روزِ روشن میں قتل بھی کر دیا تھا اور اس موقع پر مغربی جرمنی کی پولیس کا بھی مقابلہ کیا تھا۔ میونخ کے اس حملہ کے بعد فدائین نے تھائی لینڈ میں کارروائی کی تھی۔

یاسر عرفات کی فوج فلسطین کے فدائین نے اپنے مسلسل کامیاب بھرپور حملوں سے ثابت کر دیا ہے کہ وہ دُنیا کے کسی بھی ملک میں کسی بھی وقت حملہ کر سکتے ہیں وہ ساری دُنیا میں جنگ لڑ رہے ہیں اور بالآخر فلسطین کو یہودیوں کے پنجے سے نکال کر دم لیں گے۔

Marfat.com

ہلاکو خاں

ہلاکو خاں ، ۱۲۵۱ء ـ ۱۲۶۵ء ـ چنگیز خاں کا پوتا تھا ۔ جس نے ایران میں ایل خانی خاندان کی بنیاد رکھی تھی ۔ ہلاکو نے اپنے بڑے بھائی منگو (خاقان) کے حکم کی تعمیل میں ایران پر حملہ کیا تھا اور حسن بن صباح کے فرقے بن صباحیوں کے دو قلعے خف اور تون فتح کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی ۔

صباحیوں کے قائد رکن الدین نے خود میں ہلاکو سے مقابلہ کرنے کی قوت نہ پائی تو الموط کا قلعہ بھی ہلاکو خان کے حوالے کر دیا ۔ ہلاکو چونکہ صباحیوں کی مکمل بربادی کا فیصلہ کر چکا تھا اس لیے اس نے صباحیوں کی ساری آبادیاں ویران کر دیں اور جہاں کہیں کسی صباحی کو پایا بے دریغ موت کے گھاٹ اتار دیا ۔

ایران کو فتح کرنے کے بعد ہلاکو خان نے بغداد کی طرف پیش قدمی کی ۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کا وزیر شیعہ تھا جس نے اس سُنی مملکت کو ختم کرانے کے لیے ہلاکو خان کو حملہ کی دعوت دی تھی ۔ ہلاکو نے ایک لاکھ منگول فوج کے ساتھ بغداد پر حملہ کیا تو شیعہ وزیر سے کیے ہوئے سارے وعدے پس پشت ڈال دیئے اور اپنے لشکر کو خصوصی حکم دیا کہ بغداد شہر میں موجود کسی سُنی یا شیعہ کو معاف نہ کیا جائے سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے جو شیعہ وزیر اپنے بادشاہ کے ساتھ غداری کر سکتا ہے ہمارے ساتھ بھی کرے گا ۔ اس لیئے اس کا سر کچلنا بھی ضروری ہے ۔ ہلاکو نے شیعہ وزیر کو بھی قتل کر ڈالا تھا ۔ عباسی فوج نے شکست کے بعد ہتھیار ڈال دیئے تھے اور خلیفہ مستعصم باللہ ہلاکو کی خدمت میں حاضر ہو گیا تھا ۔ لیکن

Marfat.com

ہلاکو نے اسے بھی معاف نہ کیا ۔ ایک نمدے میں لپیٹ کر لاتیں مروا مروا کر قتل کرا ڈالا ۔ ہلاکو کی فوج نے ایک ہفتے تک بغداد کو جی بھر کر لوٹا اور لاکھوں شیعہ سُنّی مسلمانوں کو بڑی بے رحمی سے موت کی نیند سُلایا ۔ اس کے بعد ہلاکو خان نے شام کو بھی فتح کر لیا اور ایران واپس آکر مراغہ کو اپنا دارالسلطنت بنا لیا ۔

ہلاکو خان کی سفاکی ضرب المثل بن چکی ہے ۔

فتح بغداد کے بعد ہلاکو نے سات برس تک ایران پر حکومت کی تھی ۔ اس کی موت کے بعد اس کے خاندان کے نو بادشاہ ایران کے تخت پر بیٹھے تھے ۔ ان کے نام اباقا ، احمد تگودار ، ارغوان گیخاتو ، بایدو ، نازان ، الجائتو ، محمد خدابندہ اور ابوسعید تھے ان کا دارالحکومت تبریز تھا ۔ آخری بادشاہ ابوسعید ۱۳۳۵ء میں لاولد مر گیا تھا ۔ اس لیے ایران طوائف الملوکی کا شکار ہو گیا ۔ ہلاکو کے خاندان کی حکومت کو تیمور نے ختم کیا تھا ۔ ہلاکو کے خاندان کے حکمرانوں کو ایل خانی بادشاہ کہا جاتا تھا ۔

مشہور شعرا عطار ، رومی ، جامی ، عراقی ، احدی ، حافظ اور سعدی ایلخانیوں کے دورِ حکومت میں ہو گزرے ہیں ۔

باتو خان

باتو خان مشہور غارت گر چنگیز خان کا پوتا تھا ۔ ۱۲۳۵ء میں باتو خان کو اس فوج کا سپہ سالار مقرر کیا گیا جسے یورپ کو فتح کرنے کا کام سونپا گیا تھا ۔

مورخوں نے باتو خان کے مشہور جرنیل سبوتائی کو بھی ایک خونخوار فاتح کا خونخوار جرنیل قرار دیا ہے ۔ باتو خان نے اپنی یورپ فتح کرنے

Marfat.com

کی حکمت عملی اس طرح مُرتب کی کہ اپنی تمام فوج کے ساتھ دریائے والگا کو عبور کیا اور یہاں سے فوج کے ایک حصّہ کو تو بلغاریہ کی طرف حملے کرنے کے لیے بھیجا اور باقی حصّے کو اپنے ساتھ لے کر روس پر حملہ آور ہوا۔ ۱۲۴۰ میں وہ ماسکو اور خیف پر قابض ہو چکا تھا صرف دو برس میں وہ ہنگری اور پولینڈ فتح کرنے کے بعد جرمنی پر بھی حملہ آور ہوا۔

باتو خان کو ۱۲۴۲ء میں خان اعظم کے انتخاب میں حصّہ لینے کے لیے واپس آنا پڑا تھا۔ اس سے فارغ ہو کر وہ اپنی دوسری مہم کی تیاریوں کو پایہ تکمیل تک پہنچا رہا تھا کہ مر گیا۔

مُورّخوں نے لکھا ہے کہ اگر اس کا انتقال نہ ہو جاتا تو وہ اپنی دوسری مہم کے دوران سارے یورپ پر قبضہ کر لیتا۔ باتو خاں (باطو خان) ایک مہم جو منگول فاتح تھا۔ اس کے لشکری زرق برق اور مُرصّع خیموں میں قیام کیا کرتے تھے اس لیئے وہ سنہری گروہ" کے نام سے موسوم تھے۔

ایپامینونداس

ایپامینونداس (EPAMINON DAS) (۴۱۸ - ۳۶۲ قبل از مسیح) کا شمار تاریخ کے ایک بڑے فاتح اور یونان کی ریاست تھبیز (THEBES) کے ایک ہیرو کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ اس نے اسپارٹا کو شکست دے کر شہرت پائی تھی۔

ایپامینونداس نے فن حرب میں ترچھی صف کی طرح ڈال کر عسکری علوم و فنون میں اضافہ کیا تھا۔ اس پر بعد میں فریڈرک اعظم نے عمل کر کے فتوحات حاصل کیں اور نام پیدا کیا۔

Marfat.com

ایپامینونداس اپنی نجی زندگی میں ایک اچھے اوصاف کا مالک انسان تھا۔ اس کا انجام بھی کئی دوسرے عظیم فاتحین کے انجام کی مانند ہوا۔ وہ میٹنیا کے میدان کارزار میں سابق کی طرح ایک بار پھر فتح و نصرت حاصل کرنے کے قریب تھا کہ میدان جنگ ہی میں قتل ہو گیا۔

اسفندیار

اسفندیار بھی قدیم زمانے کا ایک فاتح ہے۔ ایران کے افسانوی بادشاہ گشتاسپ کے اس بہادر بیٹے نے چین اور توران سے ہونے والی جنگوں میں بڑی شہرت حاصل کی تھی۔ اس کے والد نے ایک بار ناراضی کی بنا پر اسے قید کر دیا مگر جب جنگ میں ایرانی افواج شکست سے دوچار ہونے کے قریب تھی تو اسفندیار کو رہا کر کے اُس کے والد نے تخت و تاج دینے کا وعدہ کیا اور اپنے دشمنوں کے مقابلہ پر بھیج دیا۔

اسفندیار نے تورانیوں کو شکست دے کر نہ صرف ایران کے کھوئے ہوئے صوبوں ہی کو چھین لیا بلکہ تورانیوں کے قبضے سے ایران کا قومی پرچم بھی واپس لے لیا۔ اس شاندار فتح کے بعد اسفندیار نے بادشاہ گشتاسپ کو اُس کا وعدہ یاد کرایا تو گشتاسپ نے یہ شرط رکھی کہ اگر وہ باغی رستم کو گرفتار کر کے پیش کر دے تو اُسے تخت و تاج سونپ دیئے جائیں گے۔ اسفندیار نے رستم کو گرفتار کرنے کے لیئے اس سے جنگ کی لیکن جنگ میں رستم نے اُسے ہلاک کر دیا۔ اسفندیار بھی رستم کی مانند ہفت خواں فتح کر چکا تھا۔

Marfat.com

چندر گپت موریہ

چندر گپت موریہ کی سلطنت بنگال سے کوہ ہندوکش اور ہمالیہ سے نربدا تک پھیلی ہوئی تھی۔ موریہ خاندان کے اس بانی کا باپ مگدھ دیش کے نندا خاندان کا ایک شہزادہ تھا۔ لیکن اس کی ماں نیچ ذات سے تعلق رکھتی تھی۔ مگدھ کے آخری راجہ مہا پرمانند نے کسی بات پر ناراض ہو کر اُسے جلا وطن کر دیا۔ وہ پنجاب آگیا اور جب سکندر اعظم کی موت کے بعد پنجاب میں یونانیوں کے خلاف بغاوت ہوئی تو اس نے اپنے مشیر چانکیہ کی مدد سے فوج اکٹھی کر کے یونانیوں کو شکست دے کر پنجاب کے بیشتر حصے پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد چندر گپت نے مگدھ کی ریاست پر حملہ کیا اور نندا خاندان کے آخری راجہ دھن نند کو تخت سے اتار کر خود راجہ بن گیا۔ اور اپنی ماں مورا کے نام پر موریہ خاندان کی بنیاد رکھ دی۔ پھر شمالی ہند کی کئی ریاستوں کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد سکندر اعظم کے جرنیل سلیوکس نے دریائے سندھ کو عبور کر کے اس پر حملہ کیا تو چندر گپت موریہ نے اُسے بھی شکست دے دی۔ سلیوکس نے اپنی لڑکی اس سے بیاہ دی اور جہیز میں اُسے کابل، قندھار اور ہرات کے علاقے دیئے۔ اب چندر گپت ایک بڑا فاتح بادشاہ تھا۔ جس نے بدھ مت کو پھیلایا۔

بہرام گور

بہرام گور (۴۳۰ء - ۴۴۰ء) یزدگرد اوّل کا بیٹا تھا۔ مورخوں نے اس کی بہادری کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ اُس کے باپ کا انتقال ہوا تو

Marfat.com

بہرام گور اور اس کے دو بھائیوں میں تخت و تاج کے لیے رسہ کشی شروع ہوگئی۔ دربار کے امراء و وزراء نے بھائیوں کی اس کشمکش کو ختم کرنے کے لیے فیصلہ کیا کہ تاج شاہی کو دو بھوکے شیروں کے درمیان رکھ کر تینوں شاہ زادوں کی جرأت و بہادری کا اس طرح امتحان لیا جائے کہ جو شاہ زادہ تاج شاہی کو اٹھا لائے اُسے اس کی بہادری کے صلہ میں بادشاہ بنا دیا جائے۔ بہرام گور کے دونوں بھائی اس امتحان سے بھاگ گئے لیکن بہرام گور تاج کو بھوکے شیروں کے درمیان سے اٹھا لایا تو اُسے بادشاہ بنا دیا گیا۔

بہرام گور کی فتوحات کے سلسلے میں سفید ہُن قوم کے حملہ آوروں کی شکست فاش بھی قابل ذکر ہے۔ بہرام گور نے دریائے آکسس کے اُس پار تک ہنوں کا تعاقب کیا تھا حتیٰ کہ ہنوں کو عہد کرنا پڑا کہ وہ آئندہ کبھی ایران پر حملہ آور نہیں ہوں گے۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ بہرام گور نے ہندوستان پر بھی حملہ کیا کیا تھا اور سندھ و مکران کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔

بہرام گور کے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ بہرام تو اُس کا نام تھا گور اس لیے بہرام کے ساتھ چسپاں ہو گیا کہ وہ شکار کا بیحد شوقین تھا خصوصاً گور یعنی جنگلی گدھے کا شکار بڑے ذوق و شوق سے کیا کرتا تھا۔ یہی شکار ہی اس کی موت کا باعث بنا تھا وہ ایک بار شکار کھیلتے ہوئے دلدل میں پھنس کر ہلاک ہو گیا تھا۔

○

تانتیا توپی

تانتیا توپی مرہٹہ نژاد پیشوا حکومت کا فوجی جرنیل تھا۔ جب

Marfat.com

نے انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں بھرپور حصّہ لیا اور کئی کارنامے سرانجام دیئے۔ وہ اپنے فوجی دستوں کے ساتھ کانپور اور کالپی وغیرہ تک فتوحات حاصل کرتا ہوا پہنچ گیا تھا اور اُس نے ہر جگہ انگریزی لشکر کا بڑی بہادری اور دلجمعی کے ساتھ مقابلہ کیا تھا۔

آخر کار وُہ محصور ہوکر قیدی بن گیا اور انگریزوں نے اسے گولی کا نشانہ بنا کر اس حرّیت پسندی کی سزا دی۔

رنجیت سنگھ

مہاراجہ رنجیت سنگھ ۱۷۸۰ء میں سکھ چکیہ مثل کے سردار مہاں سنگھ کے گھر بمقام گوجرانوالہ پیدا ہوا۔ بچپن میں اُس کی بائیں آنکھ چیچک نے ضائع کر دی تھی۔ ابھی بارہ برس کا ہوا تھا کہ اُس کا باپ بھی مرگیا اور اُسے مثل کا سردار بنا دیا گیا۔ بعمر سولہ سال اس کی شادی گھنیا مثل میں ہوگئی اور ان دو مثلوں کے اتحاد سے اس کی طاقت میں اضافہ ہوگیا۔ اس کی ساس سدا کور نے اس کی فتوحات میں بڑی مدد کی۔ ۱۷۹۹ء میں اس کی عمر اُنیس برس تھی تو مہر محکم الدین نے ایک سازش کے تحت رنجیت سنگ[illegible] لیے لاہور میں داخل ہونے کے لیے شہر کا ایک دروازہ کھول [illegible] سنگھ نے لاہور میں داخل ہوکر شہر پر قبضہ کرلیا اور اسے [illegible]

۱۸۰۲ء میں رنجیت سنگھ نے امرتسر فتح کرلیا۔

[illegible] میں اُس نے سارے وسطی پنجاب کو ستلج تک فتح [illegible] شامل کرلیا اور اس کے بعد دریائے ستلج کو عبور کر[illegible] ۔ لارڈ منٹو نے رنجیت سنگھ کی اس پیش قدمی [illegible] اس لیے ۱۸۰۹ء میں عہد نامہ امرتسر کی

رو سے دریائے ستلج کو رنجیت سنگھ کی سلطنت کی جنوبی حد قرار دیا گیا۔ اس کے بعد رنجیت سنگھ نے شمال مغرب کی طرف رُخ کیا اور مسلسل جنگوں کے بعد اٹک ملتان، کشمیر، ہزارہ، بنوں، ڈیرہ جات اور پشاور فتح کر کے اپنی سلطنت کو وسعت دی اس طرح پنجاب اور کشمیر اس کی سلطنت میں شامل ہو گئے۔ ۱۸۳۹ء میں رنجیت سنگھ کا انتقال ہوا۔

الفریڈ اعظم

الفریڈ اعظم (ALFRED THE GREAT) (۸۴۹ء - ۹۰۱ء) کا شمار مشہور انگریز فاتحین میں ہوتا ہے۔ اس انگریز بادشاہ کو ۸۷۱ء میں علاقہ ولسکیس کے تخت پر بیٹھنے کا موقع مل گیا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنی شجاعت بہادری اور فہم و فراست سے سارے انگلستان کا بادشاہ بن گیا۔ اس نے متعدد بار ڈنمارک کی حملہ آور فوجوں کا مقابلہ کیا اور بالآخر ۸۷۸ء میں اڈنگٹن کے مقام پر شاندار کامیابی حاصل کی۔ ۸۸۵ء میں اس نے لندن پر بھی قبضہ کر لیا اور ایگلز اور سکیسن قبائل کو بھی شکست دے کر اپنی اطاعت پر مجبور کر دیا۔

بادشاہ آرتھر

(KING ARTHUR) چھٹی صدی عیسوی کے انگریز ہیرو کنگ آرتھر کی ہمت و شجاعت کے واقعات کو شہرت حاصل ہے... انگلستان کے بادشاہ یوتھر (UTHER) نے اپنے بیٹے آرتھر کو اپنے دشمنوں سے محفوظ رکھنے کی خاطر اپنے ایک ہمدرد نواب سر ہیکٹر

Marfat.com

کی تحویل میں دے دیا تھا۔ یہ کارروائی خفیہ طور پر ہوئی تھی اس لیے آرتھر سر ہیکٹر کی زیرِ سرپرستی پرورش پاتا رہا، جب وہ جوان ہوا تو اُسے باپ کی جگہ بادشاہ مقرر کیا گیا۔

بادشاہ آرتھر کی ساری عمر غیر عیسائی مخالفوں سے جنگ ہوتی رہی اُسے بارہ ہولناک جنگوں میں عظیم الشان فتح حاصل ہوئی۔ لیکن اپنی آخری جنگ میں وہ اپنے ہی باغی بھتیجے کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔

مؤرخوں نے اس کی بہادری و شجاعت کے ان گنت واقعات لکھے ہیں۔

شارلیمان

فرانس کا مشہور بادشاہ شارلیمان ۷۴۲ء میں پیدا ہوا اور ۸۱۴ء میں وفات پا گیا تھا۔ ۷۷۱ء میں اپنے باپ کے انتقال پر اُسے تاج و تخت سونپے گئے تھے۔

مؤرخوں نے شارلیمان کو ایک بہادر سپاہی اور جرنیل قرار دیا ہے اُسے اچھا منتظم اور اپنے دور کے دیگر غیر تعلیمافتہ بادشاہوں کے مقابلہ میں تعلیمیافتہ بھی کہا گیا ہے۔

شارلیمان نے ۷۸۵ء تا ۸۰۴ء جرمنی پر کئی بار حملے کئے اور اس ملک کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا ساتھ ہی جرمنی کے باشندوں کو عیسائیت قبول کرنے پر بھی مجبور کر دیا۔ اُس نے اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع کرنے کے لئے اٹلی اور ہنگری کو بھی فتح کر لیا اور سپین میں عربوں پر بھی حملے کئے، لیکن عربوں نے اس کے دانت کھٹے کر دیئے اور اُسے شکست دے کر بھگا دیا۔

اس کے جرمنی، اٹلی اور ہنگری پر کامیاب حملوں کے باعث مؤرخ اُسے ایک بہادر جرنیل قرار دیتے ہیں۔

Marfat.com

جارج واشنگٹن

امریکہ ایک دور میں برطانیہ کی نوآبادی تھا۔ ۱۷۷۳ء میں برطانیہ نے امریکی عوام پر بہت زیادہ ٹیکس عائد کر دیئے تھے۔ علاوہ ازیں امریکی باشندوں کی دوسرے ممالک کے ساتھ تجارت کرنے پر بھی پابندیاں لگا دی تھیں۔ اس پر امریکی عوام نے ایسی حکومت کے جاری شدہ ٹیکسوں کی ادائیگی سے صاف انکار کر دیا۔ جس کی پارلیمان میں ان کی نمائندگی نہ تھی۔ خاص طور پر امریکی عوام نے چائے پر عائد شدہ ٹیکس کو سخت ناپسند کیا۔

یہ ۱۷۷۳ء عیسوی کا واقعہ ہے بوسٹن کی بندرگاہ پر پچاس ریڈ انڈین (امریکہ کے قدیم باشندے) بدلے ہوئے بھیس میں چائے کے لدے ہوئے ایک کھیت میں داخل ہوئے اور چائے کی ساری پیٹیاں توڑ کر چائے کو سمندر میں بہانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس واقعہ کو بوسٹن ٹی پارٹی کے نام سے شہرت ملی۔

اس واقعہ کے بعد امریکہ کے باشندوں اور برطانوی فوج میں جو تصادم ہوئے اُن کی قیادت جارج واشنگٹن نے کی اور اپنی فہم و فراست اور جرات و ہمت سے شاندار کامیابیاں حاصل کیں جن کے صلہ میں ۱۷۸۹ء میں جارج واشنگٹن کو آزاد جمہوریہ امریکہ کا پہلا صدر منتخب کیا گیا۔

مارشل جافرے جوزف

جافرے جوزف JOFFRE JOSEPH ۱۸۵۲ء میں پیدا ہوا تھا۔ فرانس کا ایک مشہور جرنیل تھا جسے ۱۹۱۱ء میں فرانسیسی افواج کا چیف آف جنرل سٹاف مقرر کیا گیا۔ ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم اوّل شروع ہوئی اور جب جرمن افواج بلجیم پر حملہ آور ہوئیں تو جافرے جوزف

Marfat.com

کی زیرِ قیادت فرانسیسی افواج نے ان کا زبردست مقابلہ کیا۔ اس کے بعد جافرے جوزف کو ایک قومی ہیرو کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ اس کی عسکری صلاحیتوں کے تحت اُسے اسی جنگ میں فرانسیسی افواج کا سپریم کمانڈر مقرر کرنے کے لیے مارشل کا اعزازی درجہ بھی دیا گیا تھا۔ ۱۹۳۱ء میں جافرے جوزف کا انتقال ہوگیا۔

جنگ عظیم اوّل میں پیرس کی مدافعت اور مارن کی جنگ میں فتح یاب ہونے کا باعث جافرے جوزف کو ایک فاتح تسلیم کیا جاتا ہے۔

سوکولومنسکی

سوکولومنسکی (Soko Lovskys) روس کا نامور جرنیل اور کمانڈر انچیف ۱۸۹۷ء میں اس دور کے سینٹ پیٹرزبرگ اور آج کے لینن گراڈ میں پیدا ہوا تھا۔ وہ ۱۹۲۰ء میں سُرخ فوج میں بھرتی ہوا تھا اور ترقی کے مراحل طے کرتا ہوا صوبہ سمیان کی فوج کا چیف آف سٹاف بن گیا تھا۔

سوکولومنسکی نے دوسری جنگ عظیم میں اپنی بہترین عسکری صلاحیتوں کا ثبوت دیتے ہوئے اوڈریل کے مقام پر ہٹلری جرمن افواج کو شکستِ فاش دی تھی۔ جرمنی کی شکست کے بعد ۱۹۴۵ء میں اُسے برلن کا نائب فوجی گورنر مقرر کیا گیا۔ اُس نے برلن کے انتظام و انصرام کے لیئے کنٹرول کمیٹی کے روسی نمائندہ کی حیثیت سے بھی شاندار خدمات سرانجام دیں۔

۱۹۴۶ء میں جب جرمنی میں رُوسی کمانڈر انچیف ژوکوف مستعفی ہوگیا تو اُس کی جگہ سوکولومنسکی نے پُر کی۔ پھر اُسے جلد ہی برلن کے روسی مقبوضہ علاقے کا گورنر جنرل بنا دیا گیا۔ اس کے بعد بھی اس نے متعدد بڑے عہدوں پر خدمات سرانجام دیں۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ اوڈریل کے مقام پر جرمن افواج کو شکستِ فاش دینا تھا۔

Marfat.com

مالٹکے

مالٹکے VON MATKE ، ۱۸۰۰ء میں پیدا ہوا تھا اور ۱۸۹۱ء میں انتقال کر گیا تھا۔ فیلڈ مارشل کاونٹ فان مالٹکے کو "کم گو" کے لقب سے بڑی شہرت حاصل ہوئی تھی۔

جرمنی کے اس مشہور فاتح جرنیل نے ۱۸۶۶ء میں آسٹریا کو ۱۸۷۰ء ۱۸۷۲ء میں فرانس کو شکست دے کر شہرت حاصل کی تھی۔

فان مالٹکے کو جدید اسلوب جنگ کا بانی بھی قرار دیا جاتا ہے۔ اس کا ایک بھتیجا لڈوگ مالٹکے بھی جرمنی کے ایک نامور جرنیل کی حیثیت سے مشہور تھا۔

روکوسوفسکی کانسٹنٹائن

روکوسوفسکی کانسٹنٹائن ROKOSSOVSKY، پولینڈ کا مشہور جرنیل ہے جو ۱۸۹۶ء میں وارسا (پولینڈ) میں پیدا ہوا تھا۔ پہلی جنگ عظیم کا آغاز ہوا تو وہ روسی فوج کا ایک اعلیٰ عہدہ دار تھا۔ جنگ عظیم اوّل ختم ہوئی اور انقلاب روس کا دور آیا تو وہ انقلاب کے مخالفوں اور پولینڈ کے خلاف جنگ کرتا رہا اور سرخ فوج کے ایک اعلیٰ عہدہ دار کی حیثیت سے نمایاں ہوا۔

دوسری جنگ عظیم — (۱۹۴۱) میں جب جرمنی نے روس پر حملہ کیا اور ماسکو کی طرف پیش قدمی کی تو روکوسوفسکی کی رہنمائی میں ٹینکوں کے زبردست حملے نے جرمنوں کی پیش قدمی روک دی۔ جرمن جب سے روس پر حملہ آور ہوئے تھے۔ روکوسوفسکی نے ان کی راہ میں یہ

Marfat.com

پہلی رکاوٹ ڈالی تھی۔ ۱۹۴۲ء کے آخر میں روکوسوفسکی نے سٹالن گراڈ سے جرمنوں کو مار کر بھگا دیا اور دالگا کے کنارے نازی فوج پر ٹینکوں اور بھاری توپوں سے اس قدر شدید گولہ باری کی کہ جرمنوں کے آگے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ ۱۹۴۴ء میں وارسا تک جرمنوں کو دھکیلتا ہوا لے گیا۔ ۱۹۴۵ء میں اس نے مشرقی جرمنی پر قبضہ کرلیا تو اُسے جرمنی میں مقیم روسی فوج کا کمانڈر بنا دیا گیا۔ وہ ۱۹۴۶ء میں روس کی اعلیٰ انتظامی کونسل کا رکن اور ۱۹۴۹ء میں پولینڈ کا وزیر دفاع کمانڈر انچیف اور ۱۹۵۲ء میں نائب وزیر اعظم بنا اور ۱۹۵۶ء میں روس واپس چلا گیا۔

سٹالن

سٹالن جوزف ۱۸۷۹ء میں روس کے ایک غریب موچی کے گھر پیدا ہوا تھا۔ اُس نے ابتدائی تعلیم طفلس کے دینی مدرسے میں پائی۔ وہ ابھی زیر تعلیم ہی تھا کہ اشتراکیت (کمیونزم) کا پروپگنڈا کرنے کے جرم میں سکول سے خارج کر دیا گیا۔ یہ زار شاہی کا دور تھا اس لیئے روس میں کمیونزم کا نام تک لینا جرم تھا۔ سٹالن نے ۱۸۹۶ء میں سوشل ڈیموکریٹک پارٹی میں شرکت اختیار کرلی۔ ۱۹۰۳ء میں اِس پارٹی کے دو گروہ ہوتے تو سٹالن نے بالشویک پارٹی میں شمولیت کو مناسب سمجھا۔ اُسے سیاسی سرگرمیوں میں بھرپور حصّہ لینے کی پاداش میں متعدد بار سائبیریا میں جلاوطنی کی زندگی گزارنی پڑی۔ اُسے ۱۹۱۳ء تا ۱۹۱۷ء مختلف جیل خانوں میں اسیر رکھا گیا۔ فروری ۱۹۱۷ء میں روس میں اشتراکی انقلاب برپا ہوا تو اُسے رہائی نصیب ہوئی اور اُس نے لینن کے قریبی رفیق کی حیثیت سے کام شروع کیا۔ اُس نے اکتوبر ۱۹۱۷ء کے انقلاب میں قابل قدر کارنامے سرانجام دیئے اور وہ وزیر اقلیت مقرر کیا گیا۔ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۳ء تک انقلابی فوجی کونسل

Marfat.com

کے رکن کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں۔ ۱۹۲۲ء میں اُسے کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے جنرل سیکرٹری کی حیثیت سے منتخب کیا گیا اور پھر ۱۹۲۴ء میں جب لینن کا انتقال ہوا تو اُسے ملک کا سربراہ بنا دیا گیا۔ اُس کے عہد حکمرانی میں متعدد بار پانچ سالہ منصوبے مرتب ہوئے اور یہ منصوبے ہمیشہ کامیاب رہے۔ جن کے نتیجہ میں روس کی زراعت اور صنعت و حرفت کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ ۱۹۳۶ء میں روس کے نئے آئین کی رُو سے سٹالن کو روس کا وزیراعظم منتخب کیا گیا۔

۱۹۴۱ء میں جب ہٹلر نے روس پر حملہ کیا تو سٹالن کی رہنمائی میں روسیوں نے ہٹلر کی زبردست افواج کو ناکوں چنے چبوا دیئے۔ سٹالن کی کامیاب جنگی چالوں نے ہٹلر کی مشہور زمانہ نازی افواج کو نہ صرف شکست فاش ہی دی۔ بلکہ سٹالن نے اپنی جنگی کارروائیوں سے زبردست نازی افواج کو روس سے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ روس سے بھاگتی ہوئی نازی افواج میں سے بہت کم لوگوں کو اپنی جانیں بچانے کا موقع مل سکا۔

سٹالن کی بہادر اشتراکی افواج ہٹلر کی نازی افواج کے تعاقب میں ہٹلر کے دارالسلطنت برلن تک پہنچ گئیں۔ برلن کے ایک حصّہ میں روسی فوج داخل ہوئی تو دوسرے حصّے میں امریکی سپاہیوں کو گھس جانے کا موقع مل گیا۔ دوسری جنگ عظیم میں ہٹلر کی ناکامی کا ایک بڑا سبب یہ قرار دیا جاتا ہے کہ اُس نے روس کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کرنے کے باوجود روس پر حملہ کر دیا تھا۔ جو سٹالن کی مساعی جنگ کی کامیاب رہنمائی کے باعث بُری طرح ناکام ہوا تھا اور ہٹلر کو شکست فاش کھانی پڑی تھی ۱۹۵۳ء میں دماغ کی شریانیں پھٹ جانے سے اس کی وفات ہو گئی تھی۔

○

Marfat.com

سلیم اوّل

ترکی کا سلطان سلیم اوّل ۱۴۶۷ء میں پیدا ہوا تھا۔ اس نے ۱۵۱۲ء میں اپنے والد بایزید کو تخت و تاج سے محروم کر کے حکومت خود سنبھال لی اور اپنے بھائی کورکود اور پانچ یتیم بھتیجوں کو قتل کر ڈالا۔

حکومت پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے بعد سلیم اوّل نے یورپ کی طرف بڑھنے کی بجائے جنوب مشرق کا رُخ کیا اور ۱۵۱۴ء میں عثمانی ترکوں کی فوج لے کر شاہ اسمٰعیل صفوی پر حملہ آور ہوا اور اُسے شکست دے کر تبریز، کردستان اور دیار بکر پر قابض ہو گیا۔ اس کے بعد سلیم اوّل نے ۱۵۱۶ء میں شام و فلسطین اور ۱۵۱۷ء میں مصر پر بھی قبضہ کر لیا اس طرح مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ بھی اس کی سلطنت میں شامل ہو گئے وہ مصر سے واپس قسطنطنیہ لوٹتے ہوئے آخری عباسی خلیفہ المتوکل کو بھی اپنے ہمراہ لے آیا تھا۔ کیونکہ اس زمانہ میں خلیفہ المتوکل مصر میں موجود تھا سلیم اوّل اپنے زمانے کا بہادر ترین فاتح تھا۔ جس نے چند سالوں میں کئی قابلِ ذکر فتوحات حاصل کی تھیں۔ اس عثمانی فاتح کی خواہش تھی کہ اپنی بحری اور بری افواج کی تنظیم نو کر کے مغرب میں واقع عیسائی بادشاہوں کو اپنا باجگزار بنائے۔ اِس مقصد کے لیے اُس نے اپنی بحری و بری افواج کی تنظیم نو کی لیکن اس سے قبل کہ وہ نئی مہمات پر روانہ ہوتا۔ اُس کی وفات ہو گئی۔

Marfat.com

شاہ اسمٰعیل صفوی

شاہ اسمٰعیل صفوی کا تعلق اردبیل کے ایک صوفی مُنش بزرگ سید صفی الدین سے تھا۔ صوفی منش بزرگ کی نسل کا یہ نوجوان مہم پسند تھا۔ اس نے گیلان اور باکو فتح کرنے کے بعد تبریز اور طہران پر حملے کئے اور فتح یاب ہو کر شاہ کا لقب اختیار کر لیا۔

شاہ اسمٰعیل صفوی کی مہم پسندی نے اُسے بادشاہ ایران بننے کے بعد بھی خاموش بیٹھا نہ رہنے دیا۔ اُس نے بغداد اور موصل کو فتح کرنے کے بعد خراساں پر حملہ کر دیا۔ مرو کے مقام پر خراساں کے ازبک حاکم شیبانی خان نے اس کا مقابلہ کیا اور شکست کھائی اس جنگ میں شاہ اسمٰعیل صفوی کے ہاتھ جو قیدی آئے اُن میں مغل بادشاہ بابر کی ایک بہن بھی شامل تھی۔ اسمٰعیل صفوی کو علم ہوا تو اُس نے اس خاتون کو بڑی عزت و احترام کے ساتھ بابر کے پاس بھیج دیا۔

۱۵۲۴ء میں بمقام اردبیل شاہ اسمٰعیل صفوی کا انتقال ہو گیا تھا۔

سکندر لودھی

سکندر لودھی کے ذکر سے پہلے اس کے والد بہلول لودھی کا تذکرہ ضروری ہے۔ بہلول لودھی ایک منچلا بہادر افغان تھا۔ جو قسمت آزمائی کے لیے سادات کی بادشاہی کے زمانہ میں ہندوستان آگیا۔ اس کی صلاحیتوں کو بھانپ کر اُسے سرہند کا حاکم مقرر کیا گیا۔ پھر اُسے حسن خدمت کی بنا پر لاہور اور دیپال پور کی حکومت بھی سونپ دی گئی۔ غرض یہ کہ وہ سادات شاہی کے زمانے میں ایک طاقتور رئیس کی حیثیت سے ابھرا۔

Marfat.com

اسی زمانے میں جب مرکز کمزور سے کمزور تر ہوگیا اور کوئی مرکزی نظام نہ رہا تو اس بہادر شخص نے دہلی پہنچ کر تخت و تاج سنبھال لیئے اور خود بادشاہ بن کر لودھی شاہی خاندان کی بنیاد رکھ دی ۔ اس نے گوالیار اور رسول پور کے کچھ علاقے بھی فتح کر لیے اور مسلسل چھبیس ۲۶ برس تک سلطنت شرقی (جون پور) سے جنگ جاری رکھی ۔گوالیار اور دھول پور فتح کرنے کے بعد وہ واپس دہلی آرہا تھا کہ جلالی (نزد علی گڑھ) میں اس کا انتقال ہوگیا ۔ بہلول ۱۴۵۱ء تا ۱۴۸۸ء تک حکمران رہا تھا ۔ اس کی وفات پر اس کا بیٹا سکندر لودھی جانشین ہوا ۔ اس نے سکندر شاہ کا لقب اختیار کرلیا تھا ۔ اُسے بادشاہ بننے کے بعد سب سے پہلے اپنے بھائی اور اپنے قبیلے انغانوں کی بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا ۔ جلد ہی سکندر لودھی نے بغاوتیں فرد کیں اور اس کے بعد بہار، گوالیار، دھول پور اور بیانہ کے علاقوں پر حملے کرکے ان علاقوں کو فتح کرلیا ۔ا پنے مفتوحہ علاقوں کی نگرانی کے لیے آگرہ میں فوجی چھاؤنی قائم کی ۔ یہی وہ بادشاہ تھا جس نے سب سے پہلے آگرہ کو اپنا دارالحکومت بنایا تھا ۔ اس نے اپنے نام پر ایک نئی آبادی "سکندرا" کی بنیاد رکھی ۔ نواح آگرہ کی اس آبادی میں قصرِشاہی کی تعمیر کرائی اور باغات بھی لگائے ۔ اِس طرح آگرہ کو دارالحکومت بنانے اور ہندوستان میں سب سے پہلے باغات لگانے کا اعزاز اسے حاصل ہوا ۔ بعد میں بادشاہ اکبر یہیں دفن ہوا تھا ۔

سکندر لودھی جہاں ایک بہادر سپہ سالار، ذہین و دانا بادشاہ تھا وہاں اُسے رعایا کے ایک خیرخواہ کی حیثیت بھی حاصل ہے ۔ ۱۵۱۶ء میں مرور اور چندیری کو فتح کرنے کے بعد اس شجاع حکمران نے ملک کے نظم و نسق اور رعایا کی فلاح و بہبود کے کاموں پر توجہ دی ۔ اس نے ملک کا نظم و نسق بہت اچھا کردیا ۔ اُس نے ڈاک کے انتظام کو اس قدر

Marfat.com

عمدہ بنایا کہ اُسے روزانہ عام ملکی خبروں کے علاوہ شاہی افواج کی نقل و حرکت کے بارے میں بھی تفصیلات کا علم ہوتا رہتا تھا۔ وہ اجناس خوردنی کے نرخ ایسے مقرر کرتا تھا کہ رعایا مہنگائی کا ذکر بھی زبان پر نہ لا سکے۔ اُس نے ہر چیز کے نرخ مقرر کر رکھے تھے اور ان نرخوں میں کسی حیلے بہانے معمولی اضافہ کرنے والے کو بھی سخت سزا دیتا تھا۔ اسی کے عہد شاہی میں ہندوؤں نے فارسی زبان پڑھ کر سرکاری ملازمتیں حاصل کی تھیں جو بعد میں نسلاً در نسلاً تعلیمیافتہ ہندوؤں ہی کو ملتی رہیں۔

سکندر لودھی نے ۱۵۱۷ء میں وفات پائی تھی۔

ابراہیم قطب شاہ

ابراہیم قطب شاہ ۱۵۵۰ء سے ۱۵۸۱ء تک حکمران رہا۔ اس کی تحریک پر دکن کی بعض مسلمان حکومتوں میں اتحاد ہوا تھا اور وہ متحدہ لشکر لے کر وجیا نگر کے مہاراجہ رام راج کے خلاف لڑا تھا۔ ۱۵۶۵ء میں تلی کوٹ کے مقام پر وجیا نگر کے رام راج کے لشکر میں دکن کے سبھی ہندو راجاؤں کی فوجیں شامل تھیں، دوسری طرف ابراہیم قطب شاہی اور عادل شاہی فوجوں کا متحدہ لشکر تھا جس کی قیادت ابراہیم قطب شاہ نے کی تھی۔ اپنی شاندار عسکری صلاحیتوں اور شجاعت وجرأت کے تحت ابراہیم قطب شاہ نے عدیم النظیر کامیابی حاصل کی تھی۔

معرکہ تلی کوٹ کو تاریخ میں اس لیئے اہمیت حاصل ہے کہ یہ دکن کے مسلمانوں اور ہندوؤں کی وہ جنگ تھی۔ جس کی فتح و شکست پر دکن میں مسلمانوں کے وجود اور عدم وجود کا انحصار تھا۔ اگر ہندو یہ جنگ جیت جاتے تو دکن سے مسلمانوں کا نام و نشان تک مٹ جاتا۔

Marfat.com

اِس جنگ میں رام راج نے شکستِ فاش کھائی تھی اور مارا گیا تھا۔ قطب شاہ نے بیسوں ہندو حکمرانوں کو شکست دے کر اُن کے قلعوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ اُس نے متعدد مدرسے، مساجد اور لنگر خانے بھی بنوائے اور امن و امان قائم کیا۔ وہ علماء و فضلا کی بڑی قدر کرتا تھا اور اس نے شیعہ مذہب کو ترقی دینے کے لیے بھرپور کوشش کی تھی۔

نواب سراج الدولہ

علی وردی خان نواب بنگال نے ۱۷۵۶ء میں وفات پائی تو اُس کے چوبیس سالہ نواسے سراج الدولہ کو حکومت ملی۔ سراج الدولہ، بہت ذہین لائق و فائق اور انتظامی امور کا ماہر ہونہار نوجوان تھا۔ اُس نے انگریزوں کی کارروائیوں کا نوٹس لیا اور انہیں بنگال میں مزید قلعوں کی تعمیر اور مورچہ بندیاں کرنے سے روک دیا۔ انگریزوں نے مختلف حیلوں بہانوں سے اُس کے احکام کی تعمیل نہ کی تو اُس نے پہلے تو قاسم آباد کے برطانوی کارخانے پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد کلکتے کو بھی اپنے قبضہ میں لے لیا۔ کلکتے پر قبضہ کرنے کے سلسلے میں بعض متعصّب مورخوں نے حادثہ "بلیک ہول" کی ایک فرضی کہانی گھڑ کر سراج الدولہ کو مطعون کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو تحقیقات کے بعد بالکل بے بنیاد ثابت ہو چکی ہے۔ کلکتہ پر سراج الدولہ کے قبضہ کی خبر سُن کر مدراس سے کلائیو فوج لے کر سمندر کے راستہ روانہ ہوا اور اس کی سراج الدولہ کی فوج سے ایک جھڑپ بھی ہوئی جس میں فتح و شکست کا فیصلہ نہ ہو سکا۔

چند روز بعد انگریزوں نے سراج الدولہ سے ایک معاہدہ کر لیا انگریزوں نے بہادر سراج الدولہ کو میدان جنگ میں شکست دینا ناممکن سمجھا تو اس کے ارد گرد سازش کا جال بچھا دیا اور نواب سراج الدولہ کے سپہ سالار میر جعفر کو خرید لیا۔ میر جعفر کو اپنے آقا سراج الدولہ

Marfat.com

سے غداری پر آمادہ کرنے کے بعد کلائیو پلاسی کے میدان میں سراج الدولہ کے سامنے آیا۔ جنگ شروع ہوئی تو میر جعفر غداری کر کے اپنی فوج کے ساتھ انگریزوں سے مل گیا۔ نیتجہ میں سراج الدولہ کو شکست ہوگئی اور وہ مرشد آباد کی طرف فرار ہوا لیکن راہ میں گرفتار کر لیا گیا۔ غدار میر جعفر کے بیٹے نے سراج الدولہ کو بڑی بُری طرح اذیت دے دے کر شہید کر ڈالا۔

اگر سراج الدولہ کے رفیق غداری نہ کرتے تو سراج الدولہ انگریزوں کو بنگال سے نکالنے میں کامیاب ہو جاتا۔

یُدھشٹر

یُدھشٹر پانڈو کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ پانڈو بارہ برس کے پہلے بن باس کے بعد واپس آئے تو انہوں نے اندر پرست نواح دہلی میں دریائے جمنا کے کنارے ایک شہر بسایا اور اپنے بڑے بھائی یدھشٹر کو راجہ بنا دیا۔ جب اس کے چچازاد بھائی دریودھن نے پانڈوں سے جوتے میں ان کی سلطنت اور بیوی دروپدی جیت لی تو پانڈو بھائی تیرہ برس کے۔ لیے دوبارہ بن باس ہوئے یہ مدت گزار کر انہوں نے شرط کے مطابق سلطنت اور اپنی بیوی واپس لینے کی کوشش کی تو دریودھن نے انکار کر دیا۔ جس کے نیتجہ میں جنگ مہابھارت لڑی گئی جسمیں دریودھن اور اُسکے حلیف قتل ہو گئے۔ یدھشٹر فتح کے بعد دوبارہ راجہ بنا تھا

Marfat.com

ٹیپو سلطان

ٹیپو سلطان کا نام فتح علی تھا۔ حیدر علی سلطان میسور کا بیٹا تھا اور اپنے عرفی نام ٹیپو سے مشہور ہے۔ ۱۷۴۹ء میں پیدا ہوا تھا باپ کی وفات پر ۱۷۸۲ء میں سلطنت میسور کا فرمانروا بنا۔ اس وقت انگریز مشرقی ہندوستان پر تقریباً قابض تھے اور سارے ہندوستان پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔

ٹیپو سلطان نے انگریزوں کو کئی بار مختلف جنگوں میں شکست دی تھی۔ انگریزوں نے میدان کارزار میں ناکام ہو کر ایک انگریز کو صوفی منش درویش کے لباس میں میسور بھیجا تو اس نے عوام کو سلطان کے خلاف بھڑکانا شروع کیا۔ عوام پر تو اس کا زیادہ اثر نہ ہوا لیکن اس صوفی منش فریب کار نے سلطان ٹیپو کے بڑے بڑے افسروں کو ڈھیروں روپیہ رشوت دے کر سلطان سے غداری پر آمادہ کر لیا۔ غداروں میں میر صادق۔ میر غلام علی لنگڑا، میر قاسم علی اور دیوان پورنیا کے نام نمایاں ہیں۔ ان لعنتیوں نے میسور کے پایہ تخت سرنگا پٹم کے محاصرہ کے دوران سلطان کا ساتھ چھوڑ کر انگریزوں کی مدد کی اور عین جنگ کے دوران انگریزوں کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ نتیجہ میں سلطان ٹیپو سے مرد مجاہد اور فاتح کو ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو جنگ میں شہادت نصیب ہوئی۔

بایزید یلدرم

ترکی کا سلطان بایزید یلدرم اپنے والد سلطان مراد اوّل کے قتل کے بعد تخت نشین ہوا تھا۔ اس نے فوراً ہی نکو سودو کے میدان کارزار میں اپنے بھائی یعقوب کو جو سارا دن بڑی جواں مردی سے جنگ آزما رہا

Marfat.com

تھا، قتل کر دیا تھا تاکہ تخت کا کوئی بھی دعوی دار زندہ نہ رہے۔

بایزید یلدرم نے عیسائیوں کے مقابلے میں ہمیشہ عظیم الشان فتح حاصل کی تھی۔ اس لیے مورخوں نے اُسے ایک عظیم مجاہد فاتح قرار دیا ہے

جون ۱۳۸۹ء میں بایزید یلدرم نے بلغاریہ اور سربیا کے سارے علاقوں کو فتح کر لیا۔ سربیا کے بادشاہ سٹیفن نے اس کی اطاعت قبول کر کے اپنی بہن دسپنیا کی شادی سلطان یلدرم سے کر دی تھی۔

یلدرم نے دوسری مہم کے دوران فارس اور شام کی سرحدوں تک ساری چھوٹی بڑی ریاستوں سے اپنی بالا دستی تسلیم کرائی اور ان ریاستوں کے حاکم اس کے اطاعت گزار بن گئے۔

۱۳۹۴ء میں سارے عیسائی ملکوں مثلاً فرانس، انگلستان، سکاٹ لینڈ، فلینڈرز، لمبارڈی، بوہیما جرمنی اور آسٹریا کی متحدہ فوجوں نے کونکوپولیس کے مقام پر سلطان بایزید یلدرم کی فوج کا مقابلہ کیا اور شکست فاش کھائی۔ بایزید ۱۳۹۷ء میں یونان پر حملہ کر کے کورنتھ تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد اس نے بازنطینی سلطنت کے صدر مقام قسطنطنیہ پر حملہ کیا اور اس شہر کو محاصرے میں لے لیا۔ یلدرم کی افواج قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے قریب تھی۔ کہ تیمور لنگ نے اناطولیہ پر حملہ کر دیا۔ یلدرم نے اپنے دارالحکومت پہ حملے کی خبر سُنی تو مجبوراً محاصرہ اٹھا کر واپس آگیا۔

۱۴۰۲ء میں بایزید یلدرم اور تیمور لنگ کی فوجیں انگورہ کے مقام پر جنگ آزما ہوئیں۔ گھمسان کی جنگ ہوئی اور یلدرم اپنی ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی کے باعث شکست کھا کر گرفتار ہو گیا۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ تیمور لنگ کی بایزید یلدرم سے خواہ مخواہ کی اس جنگ سے مسلمانوں کو جو نقصان عظیم پہنچا تھا۔ اس کی تلافی قیامت

Marfat.com

تک نہ ہو سکے گی۔ اگر تیمور لنگ (تیمور لنگڑا تھا، یلدرم پر حملہ نہ کرتا تو آج سارا یورپ اسلامی ہوتا۔

تیمور لنگ کی سنگ دلی اور غیر انسانی حرکات کی یہ کیفیت بھی قابلِ ذکر ہے کہ تیمور نے یلدرم کو گرفتار کر کے ایک آہنی پنجرہ میں قید کر رکھا تھا اور اس پنجرے کو ہر جگہ ساتھ ساتھ لیئے پھرتا تھا۔ یلدرم نے تیمور لنگ کی اسیری ہی میں انتقال کیا تھا۔

خیر الدین باربروسہ

خیر الدین باربروسہ ۱۴۵۶ء تا ۱۵۴۶ء ایک نامور بحری فاتح ہے۔ اس کا نام خضر خان تھا اور لقب خیر الدین۔ اپنی سُرخ ڈاڑھی کی بدولت "باربروسہ" کہلاتا تھا۔

اس کا بھائی ارُوج (عروج) بھی اپنے زمانہ کا نامور بحری جنگجو تھا خیر الدین نے اپنے بھائی عروج سے اشتراک کے بعد ۱۵۱۸ء میں ہسپانوی حکومت سے الجیریا چھین لیا اور اُسے ترکی مملکت میں شامل کر دیا۔ اس کے بعد وہ متعدد بربری ریاستوں پر حملہ آور ہوا اور انہیں فتح کرنے کے بعد ترکی سلطنت میں شامل کرتا رہا اور اس طرح ترکی سلطنت کی حدود کو وسیع و عریض کرتا رہا۔

خیر الدین باربروسہ اور اُس کے بھائی عروج نے ۱۵۲۲ء سے ۱۵۴۴ء تک بحیرہ روم کے سارے ممالک اٹلی، یونان اور ہسپانیہ فتح کر لیئے تھے۔ اس کی بحری فتوحات کے پیش نظر اُسے اپنے زمانہ کا سب سے بہادر اور نامور بحری فاتح قرار دیا جاتا ہے۔

Marfat.com

احمد بن طولون

احمد بن طولون ۲۲۰ بمطابق ۸۳۵ء — ۲۷۰ھ بمطابق ۸۸۳ء

کا والد طولون ایک ترکی غلام تھا۔ جسے خلیفہ مامون الرشید نے عباسی فوج میں بھرتی کر لیا تھا۔ احمد بن طولون کی پیدائش سامرہ کی فوجی چھاؤنی میں ہوئی تھی۔ وہ فوجی تربیت اور علم و ادب کے حصول کے بعد بعمر بیس سال مصر کے والی امیر بایکباک کی فوج میں بھرتی ہو گیا تھا۔ پھر ۸۶۸ء میں عباسی خلیفہ مہدی کے عہد میں اُسے مصر کا والی مقرر کر دیا گیا۔ ۸۷۱ء میں ابن طولون نے مصر کے خود مختار بادشاہ کی حیثیت اختیار کر لی۔

۸۷۷ء میں ابن طولون نے طرسوس کے مقام پر رومیوں کو شکست فاش دی تھی اور شام پر بھی قابض ہو گیا تھا۔ برقہ سے فرات تک کی وسیع و عریض مملکت کا خود مختار بادشاہ ابن طولون نہایت بہادر، شجاع، انصاف پسند، علم دوست، فیاض اور مردم شناس انسان تھا۔ مصر پر ۹۰۴ء تک اس کے خاندان نے حکومت کی تھی۔

احمد شاہ گجراتی

احمد شاہ ۱۴۱۱ء - ۱۴۴۱ء نے اپنے دادا مظفر شاہ کو زہر دیکر ہلاک کر ڈالا تھا اور اس طرح گجرات کا بادشاہ بن گیا تھا۔ اسی نے اپنی حکومت کے پہلے سال احمد آباد شہر کی بنیاد رکھی تھی۔ آج اس اسلامی شہر میں بھارت کے ہندو حکمران بے دریغ مسلمانوں کا قتل عام کر رہے ہیں۔

احمد شاہ ایک عظیم الشان مجاہد فاتح تھا۔ جس کی تمام عمر میدان جنگ میں گذری تھی۔ اس نے ۱۴۱۴ء میں رائے فنڈلک کو شکست

Marfat.com

دے کر جونا گڑھ کو اپنی مملکت میں شامل کر لیا تھا۔ وہ ۱۴۱۶ء میں مالوہ پر حملہ آور ہوا تھا اور ہوشنگ کو شکست فاش دینے میں کامیاب ہوا تھا۔ ایدر کا راؤ پونجا چونکہ ہوشنگ سے ساز باز کا مرتکب ہوا تھا اس لیے ۱۴۲۴ء میں احمد شاہ نے اس پر حملہ کر کے اسے تو شکست دینے کے بعد قتل کر ڈالا تھا۔ لیکن مفتوحہ علاقہ پونجا کے بیٹے کو واپس دے دیا تھا جس نے اس کے باج گزار کی حیثیت قبول کر لی تھی۔

احمد شاہ نے ۱۴۲۷ء میں مانڈو لیا میں محمود خلجی کو بھی شکست دی تھی جو مسعود خان کے والد کو قتل کر کے مالوہ پر قابض ہو گیا تھا۔ مسعود خان ہوشنگ کا پوتا تھا۔ اس جنگ میں احمد شاہ کی فوج میں

وبا پھوٹ پڑی تھی اور احمد شاہ کو احمد آباد واپس لوٹنا پڑا تھا۔ جہاں ۱۴۴۱ء میں اس کا انتقال ہو گیا تھا۔

احمد شاہ گجراتی ایک نہایت بہادر اور شجاع فاتح بادشاہ تھا علاوہ ازیں اس کی منصف مزاجی کے ان گنت واقعات مشہور ہیں انصاف کے معاملے میں وہ اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہوتا تھا اور کبھی کسی کی رو رعایت نہ کرتا تھا۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ایک بار احمد شاہ کے داماد نے کسی بے گناہ کو قتل کر ڈالا تھا۔ احمد شاہ نے اس کی پاداش میں اپنے داماد کو سر عام پھانسی پر لٹکوا دیا تھا۔ اس کے عہد حکومت میں گجرات کی توسیع بھی ہوئی اور آزادی کو بھی استحکام میسر آیا اور شہر احمد آباد بھی علوم و فنون کے مرکز کی حیثیت اختیار کر گیا۔

Marfat.com

احمد شاہ ابدالی

احمد شاہ ابدالی ۱۷۴۷ء تا ۱۷۶۹ء) افغانوں کے ابدالی قبیلے کا سردار تھا جسے نادر شاہ دُرانی نے جنرل بنا دیا تھا۔ نادر شاہ قتل ہو گیا تو احمد شاہ ابدالی کو افغانستان کا بادشاہ بننے کا موقع مِل گیا اور اس نے ہرات اور مشہد پر قبضہ کر لیا۔ پھر اس نے ۱۷۴۸ء سے ۱۷۶۷ء کے درمیان ہندوستان پر متعدد حملے کیئے۔ اس کا سب سے مشہور حملہ ۱۷۶۱ء کا تھا۔ اس حملے میں اُسے مرہٹوں سے مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ جو ہندوستان پر ہندو راج کے خواب دیکھ رہے تھے۔ احمد شاہ ابدالی نے پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو شکست فاش دی تھی۔ تاریخ میں یہ جنگ پانی پت کی تیسری جنگ کے نام سے مشہور ہے۔

کابل، قندھار اور پشاور پر قابض ہونے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے پنجاب کا رُخ کر کے سرہند تک کے سارے علاقے کو اپنی مملکت میں شامل کر لیا تھا۔ ۱۷۵۷ء میں اس نے دہلی پر بھی حملہ کیا تھا اور بہت زیادہ مالِ غنیمت لے کر لوٹا تھا۔ اس حملہ کے بعد مغلوں کی کمزوری عیاں ہو گئی تھی اور وہ زوال سے ہمکنار ہو گئے تھے۔

مُورّخوں نے پانی پت کی تیسری جنگ میں مرہٹوں کو شکست فاش دینے پر احمد شاہ ابدالی کو ایک عظیم فاتح قرار دیا ہے۔

شاہ اسماعیل شہید

شاہ اسماعیل شہید کا شمار گذشتہ صدی کے اُن مسلمان فاتحین میں ہوتا ہے۔ جنھوں نے ایک طرف تو سکھ کافروں کے خلاف جہاد کر کے انہیں بارہا شکست دی تھی۔ دوسری طرف مسلمانوں میں ذہنی

Marfat.com

دینی اور سیاسی شعور پیدا کر کے شرک کی باطل قوتوں کے خلاف صف آرا ہوئے تھے۔

شاہ اسماعیل شہید ۲۹ اپریل ۱۷۸۴ء کو پیدا ہوئے تھے۔ آپ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مرحوم کے پوتے اور شاہ عبدالغنی کے فرزند تھے۔ آپ نے اپنے چچا شاہ عبدالعزیز کے سلسلے میں تعلیم و تربیت پائی اور تلوار کے ساتھ ساتھ قلم سے بھی اسلام کی سربلندی و سرفرازی کے لیئے کارنامے سرانجام دیئے۔

سید احمد شہید رحمت اللہ علیہ نے پنجاب اور سرحد کے مسلمانوں کو سکھوں کی غلامی سے آزاد کرانے کے لیئے جو جہاد کیا تھا۔ شاہ اسماعیل شہید نے اس میں ان کے دستِ راست کی حیثیت سے بھرپور حصّہ لیا تھا۔

سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید نے متعدد جنگوں میں سکھوں کو شکست دی تھی۔ اور بہت سا علاقہ آزاد بھی کرا لیا تھا۔ لیکن آخری جنگ میں جو بالاکوٹ ضلع ہزارہ میں سکھوں کے ساتھ ہوئی تھی۔ اپنوں کی غداری کے باعث شاہ اسماعیل شہید بھی سید احمد بریلوی شہید کے ساتھ مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے تھے اور آپ کا مزار بھی بالاکوٹ میں سید احمد شہید کے مزار کے ساتھ موجود ہے۔

شاہ اسماعیل شہید نے سیف و قلم سے اسلام کی سربلندی اور سرفرازی کے لیے جو قابل قدر کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔ وہ تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ جگمگاتے رہیں گے۔

شاہ اسماعیل شہید سیف سے جہاد کرنے سے قبل جب تک دہلی میں مقیم رہے۔ ہر جمعہ کے روز جامع مسجد دہلی کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر وعظ فرماتے رہے۔ جس سے مسلمانوں میں ذہنی، دینی اور سیاسی شعور پیدا ہونے میں مددِ ملی۔ اس دور میں آپ نے مشہور کتاب "تقویۃ الایمان" لکھی۔ علاوہ ازیں رسالہ اصول فقہ، منصب امامت

Marfat.com

صراط المستقیم طبقات، الضاح الحق الصریح فی الاحکام المیت والضریح مثنوی سلک نور اور تنویر العینین فی اثبات رفیع الدین آپ کی کتابیں ہیں۔

الپ ارسلان

الپ ارسلان ۱۰۶۳ء، ۱۰۷۲ء) سلجوق سلطان تھا جسے اپنے چچا طغرل بیگ کے بعد تخت ایران پر بیٹھنے کا موقعہ ملا۔ مورخوں نے اُسے بہت بہادر اور ذہن وفہیم فاتح قرار دیا ہے۔ اس نے سب سے پہلے ہرات اور ماورالنہر پر قبضہ کیا تھا۔ پھر مصر کے فاطمی حکمران کا مقابلہ کر کے اُسے شکست دی تھی اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو اپنی مملکت میں شامل کر لیا تھا۔

بازنطینیوں نے اس کی روز افزوں بڑھتی ہوئی قوت سے خوفزدہ ہو کر اس پر حملہ کیا تو بلاد کرد کے مقام پر الپ ارسلان نے انہیں شکست فاش دی اور قیصر روم دیوجانس رومانس کو گرفتار کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ قیصر روم نے شکست کھانے کے بعد تاوانِ جنگ بھی ادا کر دیا اور ہمیشہ خراج دینا بھی قبول کر لیا۔ علاوہ ازیں قیصر روم نے اپنی بیٹی کی شادی بھی سلطان الپ ارسلان کے بیٹے سے کر دی۔ اس کامیابی نے آرمینیا اور جارجیا کے علاقے بھی الپ ارسلان کی مملکت میں شامل کر دیئے۔

الپ ارسلان خوارزمی ترکوں کے خلاف ایک جنگ میں ایک قیدی کی تلوار سے اتفاقاً ہلاک ہو گیا تھا۔ اسے مرو میں دفن کر دیا گیا تھا۔

Marfat.com

سلطان شہاب الدین محمد غوری

۵۸۷ھ بمطابق ۱۱۹۱ء میں سلطان شہاب الدین محمد غوری بٹھنڈا کا قلعہ فتح کر کے واپس لوٹ رہا تھا کہ پرتھوی راج چوہان لشکر کثیر کے ساتھ اس کے مقابلہ پر آگیا۔ گھمسان کی جنگ جاری تھی کہ سلطان غوری کی فوج کو شکست ہوئی، لیکن سلطان غوری نے پھر بھی بڑی بہادری سے جنگ جاری رکھی۔ حتیٰ کہ ہندو لشکر نے سلطان کو نرغے میں لے کر شدید زخمی کر دیا۔ سلطان اپنے گھوڑے سے نیچے گرنے والا تھا کہ کوئی جاں نثار چھلانگ لگا کر سلطان کے پیچھے گھوڑے پر بیٹھا اور سلطان کو میدانِ جنگ سے بحفاظت نکال لایا۔ مسلمان فوج شکست کھا کر بھاگی اور لاہور پہنچ کر رکی۔

سلطان غوری اپنی اس شکست کے داغ مٹانے کے لیے ایک سال بعد لشکر جرار کے ساتھ لاہور پہنچا اور پرتھوی راج کو دعوت جنگ دی۔ پرتھوی راج نے تقریباً ڈیڑھ سو ہندو راجاؤں کو اپنی مدد کے لیے بلا لیا اور بھاری لشکر کے ساتھ تراوڑی کے میدان میں سلطان غوری کے مقابلہ میں آگیا۔ گھمسان کی جنگ میں ہندو راجپوتوں کو شکست فاش ہوئی اور پرتھوی راج میدان کارزار میں مارا گیا۔ مسلمانوں کی فوج فتح کے پرچم لہراتی ہوئی پہلی بار دہلی میں داخل ہوئی۔ فاتح سلطان شہاب الدین محمد غوری پہلا مسلمان فاتح تھا، جسے دہلی میں داخل ہونے کا موقع ملا تھا۔

سلطان حیدر علی

مؤرخوں نے سلطان حیدر علی کو فاتحین کی صفِ اول میں شمار کیا ہے۔ وہ ۱۷۲۲ء میں بوی کوٹر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد

Marfat.com

فتح محمد بالاپور کے قلعہ دار تھے۔ بعمر ۵ سال حیدر علی کا والد مارا گیا تو وہ اپنی والدہ کے ساتھ سرنگاپٹم آ گئے۔ جہاں ان کے چچا نے انہیں فنون سپہ گری سکھا دیئے۔

۱۷۵۲ء میں حیدر علی راجہ میسور کی ملازمت میں آ گئے اور بڑی بہادری سے مرہٹوں کے حملوں سے ریاست میسور کو بچاتے رہے۔ ۱۷۵۵ء میں راجہ نے انہیں اپنی فوج کا سپہ سالار بنا دیا اور آخر کار ۱۷۶۶ء میں راجہ کی نااہلی اور ریاست کی بدانتظامی کے تحت حیدر علی نے راجہ کا وظیفہ مقرر کر کے حکومت سنبھال لی۔ ان کی تخت نشینی کے وقت ریاست میسور صرف ۳۳ گاؤں پر مشتمل تھی مگر حیدر علی کی حکومت کے دوران ریاست میسور اسی ہزار مربع میل کے علاقہ پر مشتمل تھی۔

سلطان حیدر علی نے انگریزوں کے خلاف دو جنگیں لڑیں۔ پہلی جنگ میسور ۱۷۶۶ء تا ۱۷۶۹ء میں حیدر علی نے مدراس کی دیواروں تلے پہنچ کر انگریزوں کو صلح کرنے پر مجبور کر دیا۔ دوسری جنگ میسور ۱۷۸۰ء تا ۱۷۸۴ء میں بھی حیدر علی نے کرنل بیلی اور میجر منرو کو فاش شکستیں دی تھیں۔ پھر اسی جنگ کے دوران دسمبر ۱۷۸۲ء میں حیدر علی کا انتقال ہو گیا۔ حیدر علی ایک بڑے بہادر فاتح تھے۔ سلطان ٹیپو شہید ان کا فرزند تھا۔

انور پاشا

انور پاشا ترکی کے ایک مجاہد تھے جو ۱۸۸۱ء میں پیدا ہوئے تھے انہوں نے ۱۹۰۸ء میں انجمن اتحاد و ترقی کے سرگرم رکن کی حیثیت سے سلطان عبدالحمید کی معزولی میں بھرپور حصہ لیا۔

انور پاشا نے ۱۹۱۷ء میں جنگ طرابلس کے موقع پر عرب قبائل کو منظم کیا تھا اور اطالیہ کے خلاف میدان جنگ میں کارہائے نمایاں سرانجام

Marfat.com

دے کر شاندار فتح حاصل کی تھی۔

انور پاشا کے مجاہدانہ کارناموں کی ابتداء ۱۹۱۲ء سے ہوتی ہے جب اُنہوں نے جنگ بلقان میں بڑی بہادری سے جنگ کی تھی اور اپنی عسکری صلاحیتوں کی بنا پر ترقی کر کے وزیر جنگ بن گئے تھے۔

انور پاشا نے پہلی جنگ عظیم میں گیلی پولی اور درۂ دانیال کی اس طرح حفاظت کی تھی کہ ترکی کے دشمنوں کی ساری امیدیں خاک میں مل گئی تھیں۔ ۱۹۱۸ء میں انور پاشا کو وزارت سے الگ کر دیا گیا۔

اِس کے بعد انور پاشا نے نورانی تحریک کے سربراہ کی حیثیت سے روس کی مسلمان ریاستوں کو کمیونسٹ انقلاب سے بچانے کے لیے مجاہدانہ کارنامے سرانجام دیئے اور ۱۹۲۱ء میں ایک مرحلہ پر بخارا اور سمرقند کی انقلابی فوجوں سے مقابلہ میں مارے گئے۔

قطب الدین ایبک

برصغیر پاک و ہند کے پہلا مسلمان بادشاہ قطب الدین ایبک کا شمار نامور فاتحین میں ہوتا ہے۔ اس بادشاہ نے دہلی میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی تھی۔

قطب الدین نسلاً ترک تھا۔ جسے ایک سوداگر خرید کر نیشاپور لے آیا تھا۔ اور یہاں قاضی فخر الدین عبدالعزیز کوفی نے اسے خرید کر اس کی پرورش اپنے بچوں کی طرح کی تھی اور اُسے علوم و فنون سکھائے تھے۔ قاضی کے انتقال پر اس کے بیٹوں نے قطب الدین کو ایک تاجر کے ہاتھ بیچ دیا تھا جو اُسے بڑی معقول قیمت پر سُلطان شہاب الدین غوری کے ہاتھ فروخت کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس غلام کی شکل اور صورت بھی معمولی سی تھی اور چھنگلیا بھی ٹوٹی ہوئی تھی اس لیے اُسے

Marfat.com

لوگوں نے ایبک شل (خستہ انگشت) کہنا شروع کر دیا تھا جو کثرت استعمال سے ہوتے ہوتے ایبک شل کی بجائے صرف ایبک ہی رہ گیا تھا۔

قطب الدین اپنی توانا صلاحیتوں اور اوصاف و محاسن کی بدولت جلد ہی سلطان شہاب الدین غوری کا قرب حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ ۱۱۹۲ء میں سلطان شہاب الدین محمد غوری نے دہلی اور اجمیر فتح کرنے کے بعد قطب الدین ایبک کو ان مقبوضات کا حاکم مقرر کر دیا تھا۔ اگلے سال سلطان غوری قنوج پر حملہ آور ہوا تو اس موقع پر قطب الدین ایبک نے اپنی وفاداری اور شجاعت و دلیری کے کچھ ایسے ثبوت دیئے کہ سلطان نے اُسے سارے ہندوستان میں اپنا قائم مقام مقرر کر دیا علاوہ ازیں فرمان فرزندی اور سفید ہاتھی سے بھی نوازا۔

اس کے بعد سلطان شہاب الدین غوری تو واپس چلا گیا اور قطب الدین ایبک اپنی فوج کے ساتھ مختلف موقعوں پر گجرات، راجپوتانہ گنگ وجمن کے دوابہ، بہار اور بنگال میں فتح کے ڈنکے بجاتے اور نصرت کے پرچم لہراتے ہوئے داخل ہوتا اور اپنے سارے حریفوں کو شکستیں دیتا ہوا اپنے دارالحکومت لوٹ آتا۔

اس قدر فتوحات پانے کے باوجود قطب الدین ایبک ذرا سا بھی مغرور نہیں ہوا۔ وہ ہمیشہ خود کو سلطان شہاب الدین غوری کا غلام ہی قرار دیتا۔ پھر ۱۵ مارچ ۱۲۰۶ء کو سلطان شہاب الدین غوری جہلم کے قریب گکھڑوں کے ہاتھوں شہید ہوگیا تو قطب الدین ایبک ۱۸ ذیقعد ۶۰۲ھ بمطابق جون ۱۲۰۶ء کو لاہور شہر میں تخت نشین ہوا۔ اسے لاہور کے شہریوں نے دعوت دی تھی کہ وہ لاہور آکر تخت نشین ہو۔

قطب الدین ایبک ایک عظیم فاتح ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نہایت

Marfat.com

انصاف پسند، رعایا پرور، علماء و فضلا کا قدردان اور فیاض بادشاہ تھا جسے تاریخ اس کی فیاضی کے باعث "لک بخش" کے نام سے بھی یاد کرتی ہے۔ وہ نومبر ۱۲۱۰ء میں لاہور میں چوگان (پولو) کھیلتے وقت گھوڑے سے گر کر وفات پا گیا تھا اور اُسے لاہور ہی میں دفن کیا گیا تھا۔ لاہور کے مشہور بازار انارکلی کے ایک بغلی بازار ایبک روڈ پر اس کا مزار واقع ہے۔ اس کے داماد شمس الدین التمش نے اس کا عظیم الشان مزار تعمیر کرایا تھا۔ جو سنگ مرمر اور دوسرے قیمتی پتھروں سے بنایا گیا تھا۔ سکھ گردی میں سکھوں نے مزار کے قیمتی پتھر دربار امرتسر کی تعمیر کے لئے اتار لیئے اور مقبرے کو منہدم کر دیا۔ بعد میں رفتہ رفتہ مزار کی عمارت منہدم ہوتے ہوتے ایک ڈھیر کی صورت میں رہ گئی۔ انگریز کے عہد میں مزار ایبک کے ڈھیر کو صاف کر کے رہائشی مکانات تعمیر ہوئے تو قطب الدین ایبک کی قبر ایک ہندو کے رہائشی مکان کے نیچے آ گئی۔ قیام پاکستان سے قبل بارہا احتجاج ہوا کہ ہندوستان کے پہلے مسلمان بادشاہ کا مقبرہ اُس کی شایان شان تعمیر کیا جائے لیکن شنوائی نہ ہوئی۔

قیام پاکستان کے بعد حکومت نے متعلقہ عمارتوں کو مسمار کرا کے مزار تعمیر کر دیا ہے۔ راقم الحروف نے "غلام بادشاہ" کے نام سے ایک اسلامی تاریخی ناول میں اس کے سوانح حیات بیان کیے ہیں۔

عبدالکریم، غازی رلیف

مراکش کی جنگ آزادی کے مشہور راہنما عبدالکریم غازی ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ قبیلہ ریف کے سردار تھے، پہلی جنگ عظیم کا آغاز ہوا تو عبدالکریم غازی ہسپانیہ کی طرف سے جنگ آزما رہے۔ لیکن اس

Marfat.com

جنگ کے فوراً بعد آپ نے مراکش کی آزادی کا مطالبہ کر دیا۔ غیر ملکی تسلط کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ ان ایام میں ہسپانیہ نے مراکش پر قبضہ کر رکھا تھا۔

غازی ریف عبدالکریم نے ۱۹۲۱ء میں ملیلہ کے قریب بیس ہزار ہسپانوی فوج کو شکست فاش دی۔ پھر فرانسیسی تسلط کے خلاف صف آرا ہوئے اور فرانس سے بیشتر لڑائیوں میں کامیابی حاصل کی لیکن ۱۹۲۶ء میں بمقام فیز غازی عبدالکریم اس طرح گھر گئے کہ انہیں مجبوراً خود کو فرانس کے حوالے کرنا پڑا۔ فرانسیسی حکومت نے اس فاتح کو جزیرۂ مسکرین میں اسیر کر دیا۔ ۱۹۴۷ء میں فرانس نے انہیں واپس لانے کا فیصلہ کیا۔ غازی عبدالکریم ایک جہاز میں سوار سویز پہنچے تو جہاز سے اتر کر مصر میں سیاسی پناہ لے لی اور سولہ برس بعد وہیں وفات پائی۔

ماؤزے تنگ

ماؤزے تنگ کا شمار موجودہ دور کے بڑے فاتحین میں ہوتا ہے انہوں نے اسّی کروڑ چینیوں کو اغیار کی ہمہ اقسام غلامی سے چھڑا کر عزت سے زندگی بسر کرنے کے مواقع فراہم کیے ہیں۔

یکم اگست ۱۹۲۷ء کو چین کی عوامی فوج پہلی بار منظم ہوئی تو چینی وطن وطن دوست شمالی علاقوں کے جنگی سرداروں کے خلاف مسلح جد و جہد کر رہے تھے اور جنرل چیانگ کائی شیک انقلاب سے منہ موڑ کر ملکی جاگیرداروں اور استعمار کا مددگار بن گیا تھا اور سارے ملک میں انقلابیوں کا قتل عام کرا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر چین کے جنوبی صوبہ نان چنگ میں لگ

Marfat.com

بھگ تین ہزار سپاہیوں نے مسٹر چو این لائی ۔ چو دے ، ہو لنگ اور دوسرے انقلابیوں کی زیر قیادت بغاوت برپا کر دی ۔ اسی سال ستمبر میں ماؤزے تنگ نے کیانگسی اور ہونان کی سرحد پر فوج کو منظم کیا اور انقلاب کا نعرہ بلند کر دیا ۔ ۱۹۲۸ء میں نان چنگ کے تین ہزار باغی بھی شیانگ کائی شیک کے خلاف ماؤزے تنگ کی عوامی فوج میں شامل ہو گئے ۔ ماؤزے تنگ نے سب سے پہلے فوج کی تربیت کی اور سپاہیوں کی عسکری اور سیاسی تربیت کے ساتھ ساتھ بعض اصول و قواعد بھی وضع کئے ۔ جو حسب ذیل تھے ۔

۱۔ ہر صورت اور ہر معاملہ میں حکم کی تعمیل کرو ۔
۲۔ کسی آدمی سے ایک سوئی تک مفت نہ لو ۔
۳۔ جو چیز تمہارے ہاتھوں ضائع ہو جائے اس کا فوراً معاوضہ ادا کرو ۔
۴۔ کسی سے بھی بدکلامی نہ کرو اور نہ اُن سے مار پیٹ کرو ۔
۵۔ فصلوں کو کسی صورت نقصان نہ پہنچاؤ ۔
۶۔ خواتین کا ہمیشہ احترام کرو ۔
۷۔ قیدیوں سے عمدہ برتاؤ کرو ۔

ان اصولوں پر عمل پیدا ہونے سے عوامی فوج کو عوام کی زبردست تائید و حمایت حاصل ہو گئی ۔

ماؤزے تنگ کی زیر قیادت "طویل مارچ" شروع ہوا تو اس میں عوامی فوج نے زبردست بہادری و جرأت اور صبر و تحمل کے ایسے مظاہرے کئے کہ سارے چینی عوام اس فوج کے حامی بن گئے ۔ چیانگ کائی شیک کی دس لاکھ فوج نے جگہ جگہ عوامی فوج سے مقابلہ کیا اور شکست کھائی لونگ مارچ ، ایک سال جاری رہا ۔ عوامی فوج نے بارہ ہزار ۵ سو کلومیٹر کا طویل ، دشوار گزار اور انتہائی خطرناک راستہ طے کیا اور شمال مغربی چین کے صوبہ سی نان پہنچ گئی ۔

Marfat.com

ماؤزے تنگ کی زیر قیادت "لونگ مارچ" نے چین کو نہ صرف سامراجیوں کے پھندے ہی سے آزاد کرایا بلکہ سامراج کے آلہ کار چیانگ کائی شیک کو بھی چین سے بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔

سامراجیوں کے چنگل سے نکلنے کے بعد عوامی چین نے حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ وہاں کے ایک ارب عوام کو ساری بنیادی ضروریات حاصل ہیں اور آج چین کا شمار دُنیا کی تین بڑی طاقتوں میں ہوتا ہے۔

ماؤزے تنگ ایک ایسے فاتح ہیں جن کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔

ماؤزے تنگ صوبہ ہونان کے شہر شاؤ شان کے ایک غریب کسان کے گھر پیدا ہوئے تھے۔ بچپن میں مفلسی و ناداری نے انہیں زندگی کو قریب سے دیکھنے کے مواقع فراہم کئے۔ وہ بعمر اٹھارہ برس انقلابی نظریات سے متاثر ہوئے اور ڈاکٹر سن یات سن کی تحریک میں شامل ہوئے جو مانچو خاندان کی شہنشاہی کے خلاف تھی۔

ماؤزے تنگ ۱۹۲۱ء میں کمیونسٹ پارٹی میں شریک ہوئے تھے اور ۱۹۲۳ء میں کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے رکن منتخب ہو گئے تھے سامراجیوں کے پٹھو چیانگ کائی شیک کی جماعت کومن تانگ اور کمیونسٹوں میں اختلافات کے باعث ملک میں خانہ جنگی کی ابتدا ہوئی تو ایک لاکھ انقلابیوں نے ماؤزے تنگ کی زیر قیادت شمالی چین پر قبضہ کر لیا اور چین میں ایک کمیونسٹ ریاست کا قیام عمل میں آگیا۔ جب جاپان نے چین پر حملہ کیا تو کمیونسٹوں نے چیانگ کائی شک سے مل کر جاپان کے خلاف جنگ کی اور ۱۹۳۷ء میں جب جاپانیوں نے شمالی چین پر دوبارہ حملہ کیا تو عوامی فوج آٹھ برس تک جاپانی حملہ آور کے خلاف لڑتی رہی اور تقریباً سترہ لاکھ جاپانیوں اور ان کے اجیروں کو ہلاک زخمی یا گرفتار کرنے میں کامیاب ہوئی۔ اس جنگ کے اختتام پر عوامی فوج تیرہ لاکھ تھی اور ۲۲ لاکھ کی ملیشیا الگ تھی اس فوج

Marfat.com

نے اُنیس صوبوں میں بسنے والے دس کروڑ چینیوں کو جاپان کے تسلط سے آزاد کرایا تھا۔

ماؤزے تنگ ۱۹۴۳ء میں کمیونسٹ پارٹی کے پولیٹیکل بیورو کے صدر منتخب ہو گئے تھے۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد جب چیانگ کائی شیک نے کمیونسٹوں پر حملہ کیا تو ماؤزے تنگ کی زیر قیادت کمیونسٹ افواج نے ہر محاذ پر چیانگ کائی شیک کی افواج کو شکست دی۔ حالانکہ امریکہ اور دوسرے سامراجی ملکوں نے چیانگ کائی شیک کی ہر طرح امداد و معاونت کی تھی لیکن ماؤزے تنگ کی زیر قیادت کمیونسٹوں نے انہیں عبرتناک شکست دے کر چین سے بھگا دیا تھا۔

۱۹۴۹ء میں چین میں کمیونسٹ حکومت برسر اقتدار آئی تو ماؤزے تنگ کو اس حکومت کا صدر منتخب کیا گیا۔ ۱۹۵۹ء میں ماؤزے تنگ نے صدارت سے استعفیٰ دے دیا اور صرف کمیونسٹ پارٹی کے چیرمین کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آپ ان گنت کتابوں کے مصنف اور صفِ اوّل کے مصنف، شاعر اور فلسفی بھی تھے۔ اب ان کا انتقال ہو چکا ہے۔

۱۹۶۵ء میں پاک بھارت جنگ کے موقعہ پر ماؤزے تنگ کے چین نے پاکستان کی بھرپور مدد کی تھی۔ چین آج بھی پاکستان کا ایک قابل اعتماد مخلص دوست ہے۔

○

تیرانداز ولیم ٹیل

۱۳۰۷ء کا ذکر ہے سوئٹرزلینڈ کے ضلع اری کے صدر مقام الٹ ڈراف کی سرسبز وادی میں ایک لمبے چوبی ستون پر ایک سرخ ٹوپی ٹنگی ہوئی تھی جس پر مور کا ایک پر بھی لگا ہوا تھا۔ سوئٹرزلینڈ کے گورنر ہرمن گیسلر

Marfat.com

کے حکم کی رو سے ہر راہگیر کا فرض تھا کہ وہ اس ٹوپی کی تعظیم کے لیے جھکے اپنی ٹوپی اتار کر گھٹنوں کے بل بیٹھ جائے اور گورنر کی ٹوپی کے سامنے سر خم کر دے اس حکم کی خلاف ورزی کے مرتکب شہنشاہ کے باغی قرار پاتے تھے اور ان کی جائیداد بحق شہنشاہ ضبط کر کے سرکاری خزانہ میں داخل کرنے کا حکم تھا اور باغی پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلا کر اُسے پھانسی کی سزا دی جاتی تھی۔

عوام نے گورنر کے اس انوکھے حکم کو اپنی توہین قرار دیا تھا۔ اور سوئٹزر لینڈ کے تینوں اضلاع کے باشندے گورنر کے مخالف ہو گئے تھے۔ جن

لوٹا دیا اور خود برق رفتاری سے ایک قریبی پہاڑی پر چڑھ کر چھپ گیا......

یہ واقعہ نومبر کے تیسرے ہفتہ میں رونما ہوا اور اس کے صرف ۲۴ گھنٹہ بعد ولیم ٹیل نے گورنر ہرمن گیسلر کو اس وقت قتل کر دیا جب وہ قلعہ کنیچاٹ کی طرف جا رہا تھا۔ گورنر کے قتل کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ حریت پسندوں پر پہلے سے بھی زیادہ ظلم و ستم روا رکھے جانے لگے۔ بہت سے حریت پسندوں نے ولیم ٹیل کی اس حرکت کو نا پسند کیا۔ کیونکہ ٹیل نے گورنر کو قبل از وقت قتل کر دیا تھا جبکہ فیصلہ یہ ہوا تھا کہ کرسمس کے دن آسٹریا کی حکومت کا جوا اپنی گردنوں سے اتار پھینکنے کے لیے کارروائی کی جائے گی۔

۹ نومبر ۱۳۰۷ء کی رات سوئٹزر لینڈ کے تینوں اضلاع سے ۱۱-۱۱ حریت پسند رتلی کی وادی میں جمع ہوئے تھے۔ یہ جگہ تینوں اضلاع کے عین وسط میں واقع تھی۔ حریت پسندوں کو تینوں اضلاع کے عوام نے باہمی صلاح و مشورے سے اپنی نمائندگی کے لیے بھیجا تھا...... ایک حریت پسند کو صدر منتخب کر کے اجلاس کارروائی شروع ہوئی تو دستور کے مطابق دو تلواریں اس کے سامنے زمین میں گاڑ دی گئیں کہ یہ اتحاد کی نشانی تھی۔ اجلاس میں فیصلہ ہوا تھا کہ کرسمس کے دن تینوں اضلاع کے عوام غیر ملکی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور راسبرگ اور سارنین کے آسٹروی قلعوں پر قبضہ کر کے سوئٹزر لینڈ کی آزادی کا اعلان کر دیا جائے گا۔ اگرچہ

Marfat.com

پہاڑ جھیل اور وادیاں انہیں ایک دوسرے سے الگ کرتی تھی لیکن وہ ایک ہی مادر وطن کے فرزند تھے اور اپنی مادر وطن کو آزاد کرانے کے لیے متحد ہو گئے تھے۔ سارے حریت پسندوں نے اپنی تین تین انگلیاں کھڑی کی تھیں اور حریت پسندوں نے گورنر کے اس بے ہودہ حکم کی تعمیل سے صاف انکار کر دیا تھا ان میں مشہور تیر انداز ولیم ٹیل بھی شامل تھا جسے گورنر کے حکم سے باغی قرار دے کر حراست میں لے لیا گیا اور بیڑیاں اور ہتھکڑیاں پہنا کر گورنر ہی کی کشتی میں ضلع شوائز کے کسی قید خانہ میں ڈالنے کے لیئے لے چلے۔ کشتی میں خود گورنر بھی سوار تھا۔ کشتی جھیل لوسرن کے ساحل سے چلی تو ہوا ساکن تھی۔ مگر کچھ ہی دیر بعد ہوا کے تیز جھونکے آنے لگے۔ جو ہوتے ہوتے طوفان کی صورت اختیار کر گئے گورنر کو اس کے محافظوں نے مشورہ دیا کہ ولیم ٹیل چونکہ جہاندیدہ ملاح بھی ہے اس لیے اس کی خدمات حاصل کی جائیں تو کشتی کی سلامتی کی امید کی جا سکتی ہے گورنر نے مشورہ مان لیا اور ولیم ٹیل کی بیڑیاں اور ہتھکڑیاں اتار دی گئیں تو وہ بھی دوسرے ملاحوں کے ساتھ کشتی کھینے لگا۔ گو گورنر نے وعدہ کیا تھا کہ وہ سب زندہ سلامت ساحل پر پہنچ گئے تو ٹیل کو آزاد کر دیا جائے گا لیکن ٹیل کو گورنر پر اعتماد نہ تھا۔ وہ گورنر کو بدخصلت اور جھوٹا سمجھتا تھا۔ وہ ملاحوں کے ساتھ کشتی کھینے میں شامل ضرور تھا لیکن گورنر اور اس کے عملہ کی سلامتی کے لیے نہیں بلکہ اپنی جان بچانے کے لیے۔ اس نے منصوبہ کے تحت ملاحوں کو کشتی نسبتاً ساکن پانی کی طرف لے جانے کا مشورہ دیا جہاں اس کی رائے کے مطابق کنارا قریب تھا جس پر پہنچ کر وہ سب لقمہ اجل ہونے سے بچ سکتے تھے۔ ملاحوں نے پوری قوت سے چپو چلائے تو کشتی کنارے کے قریب پہنچ گئی۔ ولیم ٹیل نے گورنر اور اس کے کسی ساتھی کے ساحل پر قدم رکھنے سے پہلے ہی چھلانگ لگا دی اور زمین پر پاؤں جما کر کشتی کو پوری قوت سے جھیل کی طرف ایک زبان ہو کر ہر موقعہ پر ایک دوسرے کی مدد کا عہد کیا تھا۔

آج سوئٹزرلینڈ کو جنت ارضی کہا جاتا ہے۔ ہر سال مختلف سامراجی اور

Marfat.com

ان کے حاشیہ بردار ملکوں کے سرمایہ دار باشندوں کی بڑی تعداد سوئٹزرلینڈ کی سیر کرتی ہے ۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ انسان کو اپنے فرصت کے ایام میں جس قدر آرام اور چین سوئٹزرلینڈ میں میسر آتا ہے دُنیا کے کسی دوسرے ملک میں نہیں ملتا ۔ بعض لوگوں کی رائے میں انسان جس قدر آزادی اور اطمینان قلب سوئٹزرلینڈ کی خوبصورت اور دلفریب سرزمین پر محسوس کرتا ہے وہ اُسے دنیا کے کسی دوسرے حصے میں حاصل نہیں ہو سکتا ۔ لیکن آج سے تقریباً پونے سات صد برس قبل یہی جنت دوزخ کا بدترین نمونہ بنی ہوئی تھی ۔ شہنشاہ آسٹریا البریچٹ سوئٹزرلینڈ کے باشندوں کی آزادی سلب کرنے پر تلا ہوا تھا ۔ وہ چاہتا تھا کہ اہل سوئٹزرلینڈ اس کی اطاعت ڈیوک آف آسٹریا کی حیثیت سے کریں اور اس کا ہر حکم خدائی حکم سمجھ کر مانیں ۔ لیکن سوئٹزرلینڈ کے عوام شہنشاہ آسٹریا کی رعایا تو بننے کے لیئے تیار تھے لیکن ایک ڈیوک کا نوکر بننا کسی طرح گوارا نہ کرتے تھے کیونکہ وہ اس نکتہ سے بخوبی واقف تھے کہ انہوں نے شہنشاہ کی اطاعت ڈیوک کی حیثیت سے کی تو ان کی آزادی سلب کر لی جائے گی اور ان کا صوبہ ہیپسبرگ خاندان کی نجی ملکیت بن جائے گا ۔ وہ آزادی کی آغوش میں پلے بڑھے تھے آزادی کو انمول موتی سمجھتے تھے اور ان کی رائے میں آزادی سے بہتر دُنیا میں کوئی شے نہ تھی ۔ سوئٹزرلینڈ کے بہادر باشندوں کے آباؤ اجداد ایک قوم فارلیسی انز سے تعلق رکھتے تھے جو آٹھویں صدی عیسوی کی ابتدا میں آسٹریا جرمنی وغیرہ ملکوں میں آباد تھی قحط اور وباؤں نے اس قوم پر عرصہ حیات تنگ کر دیا اور سینکڑوں باشندے موت کی آغوش میں چلے گئے تو اس قوم کے بڑے بوڑھوں نے مجلس مشاورت منعقد کی جس میں گہرے غور و فکر کے بعد فیصلہ ہوا کہ نصف باشندے نقل وطن کر جائیں کیونکہ سارے باشندوں کیلئے خوراک کا انتظام نہیں ہو سکتا ۔ نصف باشندوں کے نقل وطن سے بقایا باشندوں کو خوراک مہیا ہو سکتی تھی ۔ اس لیئے نصف باشندے مع اہل و عیال جنوب کی سمت روانہ ہو گئے ۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی قربانی قبول کر لی اور یہ لوگ ایسی سرزمین تک جا پہنچے جو اس وقت تک غیر آباد تھی ۔ اُنہوں نے جنگل صاف کئے ۔ میدان اور سبزہ زار بنائے ۔ سڑکیں تیار کیں دریاؤں اور پہاڑوں پر پل بنائے ۔

Marfat.com

مکانات تعمیر کئے۔ گاؤں اور شہر آباد کئے۔ وحشی جانوروں سے لڑائیاں لڑیں اور اپنا خون بہایا۔ ان پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ہمسایہ ممالک کے باشندوں نے بارہا حملے کئے۔ لیکن وہ نہ تو انہیں زیر کر سکے اور نہ ہی اس علاقے سے بھگا سکے۔ بہادر فرلیسی انز فرزندوں نے اپنے تیر کمان سے کام لیا اور اپنے دشمنوں کو شکست فاش دے کر راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ پھر تیز و تند ہواؤں اور خوفناک طوفانوں نے ان کے قدم اکھاڑنے کی از حد کوشش کی۔ ان کے پرانے مکانات مسمار کر دیئے اور ان کے اہل و عیال کو بہا کر دور پھینک دیا۔ مگر انہوں نے ہمت نہ ہاری۔ سارے نقصانات برداشت کئے اور مردانہ وار مشکلات پر قابو پا لیا۔ پھر ہوتے ہوتے ان کی جابجا پھیلی ہوئی آبادیاں گاؤں اور شہروں میں بدل کر ضلع شوائز کی بنیادیں گئیں۔ پھر کچھ زمانہ گذرنے کے بعد آبادی میں اضافہ ہوا تو روز بروز بڑھتی ہوئی آبادی کے مسئلہ کا حل یہ تلاش کیا گیا کہ لوگ مزید آگے کی طرف روانہ ہو گئے اور اس طرح جب آبادی پھیلی تو مزید دو اضلاع اری اور انٹر مالڈین کا قیام بھی عمل میں آگیا۔ لوگوں نے ان علاقوں کے قدیم باشندوں کو انتہائی جنوب کی طرف دھکیل دیا تھا۔ اب ان تینوں اضلاع کو عام طور پر کانٹن کہا جانے لگا۔ ان کا مشترکہ نام جنگلات کانٹنز مشہور ہوا۔ تینوں کانٹنز شوائز، اری اور انٹر مالڈین جھیل لوسرن کے اردگرد واقع تھے۔

جنگلات کانٹنز کے باشندوں نے جرمنی اور اٹلی کے شہنشاہوں کو اپنا والی بنا کر عہد کیا تھا کہ وہ آزاد قوموں کی طرح ان کی اطاعت کریں گے اور انہیں جب بھی اہل سوئٹزرلینڈ کی امداد درکار ہو گی وہ ان کی مالی امداد بھی کریں گے اور ان کی مدد کے لیے آدمی بھی بھیجیں گے۔ انہوں نے شہنشاہ کی اطاعت اپنی خوشی سے کی تھی۔ کسی نے مجبور نہ کیا تھا۔ انہوں نے آزاد قوموں کی طرح اطاعت کا عہد کیا تھا۔ شہنشاہوں کی خدمت کی تھی مگر یہ خدمت غلامی کی نہیں اپنی مرضی اور خوشی کی تھی۔ اس خدمت کی بدولت ان کے حقوق ہر طرح

Marfat.com

محفوظ تھے۔ شہنشاہ سوئٹزرلینڈ میں اپنا نائب مقرر کرتا تھا۔ جو ملک کو چوروں ڈاکوؤں اور بدکاروں سے پاک رکھنے کا ذمہ دار تھا۔ وہ ان پر حکومت تو ضرور کرتا تھا لیکن اُسے یہ جرأت کبھی نہ ہوتی تھی کہ ان کے ملک کی آزادی سلب کرنے کی کوشش کرے۔ وہ شہنشاہ تو ضرور ہوتا تھا مگر ایسا شہنشاہ جو سوئٹزرلینڈ کی آزادی کی قوت کے ماتحت ہو۔ اہل سوئٹزرلینڈ صرف شہنشاہ کو اپنا حاکم مانتے تھے اور اس کے کسی نائب کی رعایا بننا کسی طرح گوارا نہ کرتے تھے وہ محکوموں کے محکوم بن کر زندہ رہنے پر موت کو ترجیح دیتے تھے۔ ناانصافی اور کسی قسم کی زیادتی کو برداشت کرنے کے عادی نہ تھے اور نہ آنکھیں بند کر کے شہنشاہ کی فرمانبرداری اور اُس سے خوف زدہ ہونے کو پسند کرتے تھے۔ گیارہویں صدی عیسوی کی ابتداء میں سوائز کے ایک پادری نے پہاڑوں کی چراگاہوں کی ملکیت کا دعویٰ کیا۔ اس کے پاس سابق شہنشاہ کا ایک معافی نامہ تھا جس میں درج تھا کہ "چونکہ یہ پہاڑ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں بلکہ محکمہ نزدل کے مطابق سرکاری ملکیت ہے اس لیے ہم اس معافی نامہ کے تحت اُسے فلاں پادری کو عطا کر رہے ہیں" شہنشاہ ہنری پنجم نے سابق شہنشاہ کا معافی نامہ دیکھ کر پادری کے حق میں فیصلہ کیا اور اسے چراگاہوں کا مالک قرار دے دیا مگر کانٹنز کے باشندوں نے پادری کو چراگاہوں پر قبضہ نہ کرنے دیا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ شہنشاہ اپنی ذاتی ملکیت تو دوسروں کو دے سکتا ہے لیکن وہ چیز جو اس کی ملکیت نہیں کسی کو کیسے عطا کر سکتا ہے۔ عوام کو ان کے حق سے محروم کرنا آسان نہ تھا۔ وہ اپنی جائیداد اس قدر آسانی سے چھوڑ دینے پر آمادہ نہ ہو سکتے تھے۔ انہوں نے اس معاملہ پر غور کرنے کے لیے اجلاس منعقد کیا اور حلف اٹھایا کہ اپنی جائیدادوں کے تحفظ اور اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے متحد رہیں گے اور ہر موقع پر ایک دوسرے کی مدد کے لیے سینہ سپر ہو جائیں گے۔ انہوں نے یہ بھی حلف اٹھایا کہ وہ شہنشاہ کی اس وقت تک اطاعت نہیں کریں گے جب تک وہ انصاف کرنے پر آمادہ نہیں ہو جاتا۔ وہ ہر دس برس بعد اپنے معاہدہ کی تجدید کرتے رہے تنیس برس بعد

Marfat.com

۱۲۴۴ء میں جرمن کے شہنشاہ کونراڈ سوئم نے جنگلات کانٹنز کو باشندوں کو اپنی اطاعت پر مجبور کرنے کے لیے فوج کشی کی دھمکی دی تو اہل سوئٹزرلینڈ نے شہنشاہ پر واضح کر دیا کہ وہ حق و باطل میں تمیز نہ کرنے والی حکومت کو جان کے حقوق کی حفاظت نہ کر سکے اپنے کندھوں پر ناجائز بار سمجھتے ہیں اور اس کا جوا اپنی گردنوں سے اتار پھینکنے کا اعلان کرتے ہیں۔ تیرھویں صدی کی ابتداء میں آسٹریلیا کے ڈیوک ابریچٹ سے اس کا حریف شکست کھا گیا تو اہل سوئٹزر لینڈ نے شکست خوردہ اڈلف کی مدد کی۔ یہی وجہ تھی کہ ابریچٹ نے مسند اقتدار سنبھالنے کے فوراً بعد اہل سوئٹزرلینڈ کو تنگ کرنا شروع کر دیا اور آج کی جنت ارضی سوئٹزرلینڈ پونے سات سو برس قبل دوزخ کا بدترین نمونہ بن گئی۔

شہنشاہ ابریچٹ نے اہل سوئٹزرلینڈ کو اپنا غلام بنانے کے لیے دو انتہائی ظالم و جابر اور خود پسند شخص منتخب کئے۔ ہرمان گیسلر کو شوائز اور اری میں اور بیرنگر وان لینڈنبرک کو انٹروالڈین میں اپنے نائب بنا کر بھیج دیا۔ دونوں نائبوں نے عوام پر زندگی کے دروازے بند کرنے کے لئے ہر قسم کے ظلم و ستم کرنے شروع کر دیئے۔ تینوں اضلاع میں باشندوں کو اطاعت گذار بنانے کے لیے فوج بھرتی کی گئی جس کے اخراجات پورے کرنے کے لیے عوام پر مختلف نوع کے ٹیکس اور محصول لگائے گئے۔ عوام کو ہراساں کرنے کے لیے قلعے اور چھاؤنیاں بنائی گئیں اور ان کی تعمیر کے لیے باشندوں کو بیگار میں پکڑا جانے لگا۔ معمولی سی غلطی کی سزا میں لوگوں کے مکانات زمین اور تمام منقولہ و غیر منقولہ جائیداد بھی بحق گورنر ضبط کر لی جاتی۔ لوگوں کے مکانات کو آگ لگا دینا۔ غریبوں کو مارنا پیٹنا ان کے مویشی ہانک کر لے جانا اور قید و جرمانہ کی سزائیں روزمرہ کا معمول بن کر رہ گیا گورنر گیسلر کی مدت ملازمت چھ سال سے تجاوز کر چکی تھی اور لوگ اس کے ظلم کے باعث زلیست سے بیزار تھے کہ گورنر کی ٹوپی کی تعظیم کے لیے جھکنے کا حکم جاری ہوا جسے لوگوں نے اپنی توہین سمجھا۔ اس توہین آمیز حکم سے لوگوں کے جذبات بھڑک اٹھے اور

Marfat.com

سارے ملک میں غیظ و غضب کی لہر دوڑ گئی ۔ ۹ر نومبر ۱۳۰۷ء کی رات حریّت پسندوں نے ایک اجلاس میں کرسمس کے دن غیر ملکی حکمرانوں کے خلاف کارروائی کا فیصلہ کیا تھا کہ نومبر کے تیسرے ہفتے ولیم ٹیل نے گورنر کو قتل کر دیا۔ گو گورنر کے قتل نے حریّت پسندوں کو خاصی مشکلات میں مبتلا کر دیا تھا لیکن انہوں نے ہمّت نہ ہاری۔ حریت پسندوں نے مقررہ دن ضلع انٹرولڈین میں واقع قلعہ رابرگ پر قبضہ کر لیا۔ رابرگ کے جنوب مغرب میں واقع سارنین کے قلعہ پر بھی حریت پسندوں کا قبضہ ہو گیا۔ ضلع شوائز میں واقع لوَریز کا قلعہ بھی حریّت پسندوں کے قبضہ میں آگیا تو عوام نے اس کے تو تعمیر قلعہ کو مسمار کر دیا۔ حریت پسندوں نے سارے قلعے فتح کر لینے کے بعد قلعوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر آگ روشن کر دی جو اس بات کا اعلان تھا کہ سوئٹزرلینڈ آزاد ہو گیا ہے ۔ انہی دنوں شہنشاہ ایربچٹ کو اس کے بھتیجے جان سوابیہ نے قتل کر دیا اور نیا شہنشاہ ہنری سوکسمبرگ منتخب ہوا جس نے اہل سوئٹزرلینڈ کو دوبارہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے کے لیے کوئی کارروائی نہ کی بلکہ ان کی آزادی تسلیم کی۔ حریّت پسندوں نے اپنی تحریک آزادی کی تکمیل پر اظہار مسرت کے لیئے ایک جلسہ منعقد کیا تو چند لڑکیاں گورنر گیسلر کی ٹوپی چوبی ستون سمیت اکھاڑ لائیں۔ لوگوں نے ٹوپی کو دیکھا تو آوازے کسنے شروع کر دیے اور آوازیں بلند ہوئیں کہ اسے جلا دو ۔ ہماری نظروں سے دور کر دو ، آگ لگا دو ۔ پھر ایک حریت پسند نے مشورہ دیا کہ " اس ٹوپی کو جلانا نہیں چاہیئے ۔ گو یہ ٹوپی ہمارے لیے باعث نفرت ہے لیکن یہی وہ ٹوپی ہے جو ہماری آزادی کی پیامبر بھی بنی ہے ۔ یہ ٹوپی ہماری جدوجہد آزادی کی راہ کا سنگ میل ہے ۔ یہ ہمیں ہمیشہ یاد دلاتی رہے گی کہ ہم نے حصول آزادی کے لیے جدوجہد کی تھی " فیصلہ ہوا کہ ٹوپی کو عجائب گھر کی زینت بنا دیا جائے ۔

اس واقعہ کے اکتیس برس بعد ۱۳۳۸ء میں جب ولیم ٹیل انتقال کر چکا تھا ۔ اہل سوئٹزرلینڈ نے اپنے اس ہیرو کی یادگار کے طور پر اس پہاڑی پر ایک گرجا تعمیر کیا جس پر ولیم ٹیل نے کشتی سے چھلانگ لگا کر پناہ لی تھی ۔ اس گرجا کو "ٹیلس پلیٹ" کے نام سے موسوم کیا گیا ۔ مختلف مصوّروں نے ٹیل کی بہادری

Marfat.com

کے مختلف واقعات کو گرجے کی دیواروں پر تصاویر کی صورت میں ثبت کر دیا پھر صدیاں گزرنے کے بعد نامور مصوروں کے یہ قدیمی شاہکار مٹتے چلے گئے اور پانی کے تیز ریلوں نے گرجے کو بہا کر نظروں سے اوجھل کر دیا۔ انیسویں صدی عیسوی کی ابتدا میں پرانے گرجے کے کھنڈرات پر ایک نیا گرجا تعمیر کیا گیا اور ایک بار پھر مصوروں نے گرجے کی دیواروں پر تحریک آزادی کے مختلف واقعات کو تصاویر میں نمایاں کیا۔ ہر سال اہل سوئٹزرلینڈ "ٹیل کی آزادی کا دن مناتے ہیں تو اس گرجے میں ایک شاندار تقریب منعقد ہوتی ہے جس میں ولیم ٹیل کو خراجِ تحسین پیش کیا جاتا ہے۔ آج یہ پہاڑی تاریخی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ سوئٹزرلینڈ کی سیاحت کے لیئے آنے والے لاکھوں سیاح جہاں برّاعظم یورپ کے اس سب سے زیادہ دلکش ملک کے قدرتی اور دلفریب مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہیں وہاں ٹیلس پلیٹ "کو دیکھنا بھی ضروری خیال کرتے ہیں۔

●

جنگ آزادی آئرلینڈ کی ہیروئن

آئرلینڈ کی مشہور اداکارہ ماڈگون ایک سرد رات کلب سے واپس آ رہی تھی کہ ایک تباہ حال دیہاتی عورت نے اس کا راستہ روک کر دست سوال دراز کیا۔ ماڈگون نے عورت کی طرف دیکھا وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ تھی اور اس کے تین چھوٹے چھوٹے بچے بھی بھوک سے نڈھال سردی سے کپکپا رہے تھے۔

"تمہاری اس حالت کا سبب کیا ہے اور تمہارا گھر کہاں ہے"؟ ماڈگون نے پریشان حال عورت سے استفسار کیا۔

"میرے شوہر کو آزادی کی خواہش کے جرم میں جیل میں ڈال دیا گیا

Marfat.com

رہے" حزن و ملال کی منہ بولتی تصویر نے کہا۔

ماڈگون نے اپنا پرس کھولا اور ساری رقم نکال کر عورت کو دے دی اور اس عورت کے دکھ درد کو اپنے دل میں رکھ لیا۔ وہ رات بھر جاگتی رہی۔ پریشان حال عورت اور اس کے سردی سے ٹھٹھرے ہوئے بچوں نے اس کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ اسی رات اس نے فیصلہ کیا کہ وہ آئرلینڈ کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرائے بغیر چین سے نہیں سوئے گی۔

اس زمانہ میں آئرلینڈ پر حکمرانی ملکہ وکٹوریہ اور جبر و تشدد کی تھی۔ دس لاکھ باشندے قحط کا لقمہ بن چکے تھے۔ چالیس لاکھ کو ترک وطن کر کے امریکہ جانا پڑا تھا اور تقریباً ۲۵ لاکھ کو آزادی کی طلب کے جرم میں ان کے گھروں سے بے دخل کر دیا گیا تھا۔

صبح ماڈگون نے ایک سیاسی جماعت کی رکن بننا چاہا مگر وہ جماعت آزادی کی جنگ کو عورتوں کے بس کی بات نہیں سمجھتی تھی۔ وہ مایوس نہ ہوئی اور سرمایہ اکٹھا کر کے بے گھر لوگوں کی آبادکاری کا کام شروع کر دیا اور جلد ہی اس کی وطن دوستی کے چرچے ہو گئے۔

ماڈگون نے لندن میں جنم لیا تھا اور پیرس میں تعلیم پائی تھی وہ پانچ برس کی تھی کہ ماں مر گئی۔ آٹھ سال کی تھی کہ باپ بھی انتقال کر گیا۔ باپ کافی جائیداد چھوڑ کر مرا تھا۔ ایک آیا نے اس جائیداد کی آمدنی سے اس کی پرورش کی اور پھر اسے اسٹیج کی اداکارہ بننے میں مدد دی۔ اس نے زندگی میں پہلی بار ایک روسی سٹیج پر اپنے فن کا مظاہرہ کیا اور سولہ برس کی عمر میں شہرت کی بلندیوں کو چھو لیا۔ اس دوران سارے یورپ کی سیاحت بھی کر لی۔ ایک روز وہ روم کے ایک کیفے میں خوش گپیوں میں مصروف تھی کہ ایک نوجوان نے استدعا کی کہ وہ اس کے ساتھ شادی کر لے۔ ماڈگون نے نظریں اٹھائیں اور نوجوان کو دیکھ کر کچھ سوچے سمجھے بغیر شادی کی حامی

Marfat.com

بھرلی ۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ ان کی شادی صرف آئرلینڈ میں ہوگی ۔ اس واقعہ کے فوراً بعد ماڈگون آئرلینڈ آگئی جہاں اس نے ایک غیر ملکی سے اپنی متوقع شادی کا اعلان کر دیا ۔ اس کی زبردست مخالفت ہوئی ۔ ماڈگون نے اہل وطن کی رائے کا احترام کیا اور اپنے منگیتر کو اطلاع دے دی کہ وہ کسی غیر ملکی سے شادی کرنے سے انکاری ہے ۔

ماڈگون ۲۱ برس کی عمر میں ایک اچھی اداکارہ اور محبّ الوطن خاتون کی حیثیت سے سارے آئرلینڈ میں مشہور ہو چکی تھی سٹیج اداکاری کیساتھ ساتھ اُسے شعر و شاعری سے بھی دلچسپی تھی ایک روز وہ ڈبلن میں شاعر ولیم ٹیلر ٹیبس سے ملاقات کے لیے گئی اور کہا کہ وہ اُسے موجودہ دور کا بڑا شاعر سمجھتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اُسے ملنے اُس کے گھر آئی ہے ۔ ولیم ٹیلر ٹیبس کا ایک مجموعہ کلام چھپ چکا تھا لیکن اس کی غربت نے اس کی شہرت کا راستہ روک رکھا تھا ۔ چنانچہ ایک حسین و جمیل جوان دوشیزہ کے منہ سے اپنی تعریف سننا اس کی زندگی کا پہلا تجربہ تھا جس نے اُسے بے حد متاثر کیا ۔ وہ دن بھر اکٹھے رہے ۔ رات کا کھانا بھی اکٹھے ہی کھایا ۔ پھر جب اس نے رخصت طلب کی تو شاعر اداس ہوگیا ۔ وہ اپنے دل کی گہرائیوں سے اس لڑکی سے محبت کرنے لگا تھا ۔

ماڈگون کی حب الوطنی کی شہرت ہوئی تو اسے جلسوں میں بھی بلایا جانے لگا ۔ بیشتر اوقات وہ اپنی مصروفیات کے تحت جلسوں میں حاضر ہونے سے قاصر رہتی تھی ۔ لیکن ایک روز اسے ایک جلسے میں جانا پڑ گیا منتظمین نے اسے سٹیج پر بٹھا دیا اور صدر جلسہ نے اس سے استدعا کی کہ وہ بھی اپنے خیالات کا اظہار کرے ۔ ماڈگون نے سرگوشی میں صدر جلسہ کو بتایا کہ اس نے کبھی تقریر نہیں کی اس لیے اُسے معذور سمجھا جائے لیکن صدر جلسہ بہرے تھے انہوں نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ اب وہ اپنے خیالات کا اظہار کرے گی ۔ یہ سن کر ماڈگون مائیک کے سامنے کھڑی تو ہوگئی لیکن

Marfat.com

اس کی حالت غیر تھی۔ بولی خواتین و حضرات! اس کے بعد اس کی بدحواسی کا یہ عالم تھا کہ ایک لفظ تک ادا نہ ہوا۔ ہزاروں لوگوں کی نظریں اس پر گڑی ہوئی تھیں۔ جلسہ آزادی پسندوں کا تھا اور انگریزوں کی زیادتیوں اور ظلم وستم کو بے نقاب کرنے کے لیے بلایا گیا تھا۔ قریب تھا کہ ماڈگون سٹیج پر غش کھا کر جائے یا پھر جلسہ گاہ سے بھاگ جائے کہ اچانک سٹیج پر بیٹھا ہوا ایک آدمی بولا۔ بے گھر لوگوں کے مسئلہ پر اپنے خیالات کا اظہار کرو۔ اس فقرے نے ماڈگون کو سنبھلنے میں مدد دی۔ اس نے بے گھر لوگوں کا بیان اس سرد رات سے شروع کیا۔ جب اُسے ایک پریشان حال عورت ملی تھی۔ وہ بولی۔ ظالم انگریز ہم پر ظلم وستم کر رہے ہیں ہمیں فاقوں مار رہے ہیں۔ ہمارے گھر بار چھین رہے ہیں اور ہمیں ترک وطن پر مجبور کر رہے ہیں۔ وہ ایک سرد رات تھی مجھے راہ میں ایک ایسی عورت ملی جو فاقوں سے نڈھال تھی۔ اس کے بچے بھی بھوکے تھے اور سردی سے کانپ رہے تھے ان سب کا قصور یہ تھا کہ وہ آئرلینڈ کے فرزند تھے۔ ان کی ماں آئرلینڈ کی بیٹی تھی۔ اس کا ملکہ وکٹوریہ کی نسل سے کوئی تعلق نہ تھا یہ کہتے کہتے ماڈگون کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ جذبات کی رو میں بہہ گئی شدت جذبات نے اُس کے گلے میں پھندا لگا دیا۔ پھر بالکل اچانک ہی غیر متوقع طور پر وہ بے ساختہ ہزاروں لوگوں کے مجمع میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ہزاروں انسانوں پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا تھا وہ پتھر بنے اس کے بہتے آنسو دیکھ رہے تھے اور یہ وہ آنسو تھے جنہوں نے ان کے دلوں میں بغاوت اور انقلاب کی آگ لگا دی تھی۔ ماڈگون کے آنسو آئرلینڈ کی جنگ آزادی کا شعلہ بن گئے تھے۔

ماڈگون کی اس پہلی تقریر نے اُسے ملک کے بہترین مقرروں کی صف میں لا کھڑا کیا۔ اس کے آنسوؤں نے اسے آئرلینڈ کے سا [illegible]ندوں سے متعارف کرا دیا اور اس کا نام ہی کسی جلسے کی کامیاب[illegible]ن سمجھا

Marfat.com

جانے لگا وہ لندن اور پیرس میں بھی آئرلینڈ کی آزادی کے لیے تقریریں کرنے لگی اور آئرلینڈ کے سیاسی قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ اس جوش وخروش سے کیا کہ حکومت انگلستان مجبور ہوگئی ۔ انہی ایام میں وہ تپ دق میں مبتلا ہوگئی ۔ ڈاکٹر بضد تھے کہ وہ مکمل آرام کرے ورنہ چند ہی ماہ میں مرجائے گی لیکن وہ جنگ آزادی کی ایک ایسی سپاہی تھی جو اپنے عزم اور استقلال اور قوت ارادی کے بل بوتے پر بیماری کو بھی شکست دیتے ہوئے آگے ہی آگے بڑھتی جارہی تھی ۔ اب وہ عوام کی ہیرو تھی ۔ لوگ دل وجان سے اس کا احترام کرتے تھے اور اس کی ایک آواز پر ہزاروں کی تعداد میں اکٹھے ہو جاتے تھے ۔ ادھر ولیم ٹیلر ٹیبس اس کی ذات کو پیش نظر رکھ کر خوبصورت نظمیں لکھنے میں محو رہا ۔ اس کی نظموں نے ماڈگون کو غیر فانی بنا دیا اور پھر ایک روز وہ ماڈگون کے پاس آیا اور شادی کی درخواست کی ۔ ماڈگون نے جواب دیا

"مجھے افسوس ہے کہ میں تم سے شادی نہیں کرسکتی کیونکہ تم نے وطن کی جنگ آزادی میں کوئی حصہ نہیں لیا تم ایک شاعر ہو جس نے آزادی کی جنگ کو تیز کرنے کی بجائے صرف مجھے غیر فانی بنانے کے لیے شاعری کی ہے ، کاش تم نے وطن کی جنگ آزادی میں حصہ لیا ہوتا ۔"

ولیم ٹیلر ٹیبس کا دل ٹوٹ گیا اور وہ مایوسی و ناکامی کی تصویر بن کر رہ گیا ۔ اس واقعہ کے چند ماہ بعد جب ماڈگون کی عمر ۳۶ برس تھی اس کی ملاقات ایک ایسے فوجی میجر سے ہوئی جو آئرلینڈ کی جنگ آزادی میں سرگرم حصہ لے رہا تھا ۔ ماڈگون نے اس فوجی میک برانڈ سے شادی کی وہ اس سے ایک سال چھوٹا تھا ۔ شادی کے دو برس بعد ۱۹۱۶ء میں پہلی جنگ عظیم کے دوران آئرلینڈ میں انقلاب کی آگ بھڑک اٹھی ۔ انقلابیوں نے جو ایک بڑے ہجوم کی شکل میں تھے ڈبلن کے برطانوی پوسٹ آفس کی عمارت سے برطانوی جھنڈا اتار لیا اور اس کی جگہ آئرلینڈ کا قومی پرچم لہرا

Marfat.com

کرنا چننے لگے۔ ساتھ ہی آئرلینڈ میں جمہوریت کے نفاذ کا اعلان کر دیا گیا برطانوی فوجیں فوراً حرکت میں آگئیں اور ایک ہفتہ کی مدت میں اس انقلاب کو ناکام بنا دیا گیا۔ انقلابی لیڈروں کو گرفتار کر لیا گیا اور جن ۱۵۰ انقلابیوں کو پھانسی پر لٹکایا گیا ان میں میک برائڈ بھی شامل تھا۔

ماڈگون کو جونہی اپنے شوہر کی موت کی خبر ملی وہ فوراً ڈبلن پہنچی اور بلاخوف وخطر آزادی کی مشعل ہاتھ میں لیئے میدان میں آگئی اب وہ پہلے کی طرح حسین وجمیل عورت نہ تھی اس کے چہرے پر بھی تھکان کی لکریں ابھر آئی تھیں لیکن جوش وخروش میں زبردست اضافہ ہوگیا تھا اس کی تقریروں نے سارے آئرلینڈ میں آگ لگا دی اور لاکھوں آئرلینڈی جنگ آزادی کے میدان میں مردانہ وار کود پڑے۔ نتیجہ میں انگریزوں نے ہار مان لی اور ۱۹۲۱ء میں آئرلینڈ کو آزادی دے دی گئی۔ آزادی کے بعد ماڈگون کو پیرس میں آئرلینڈ کا پہلا سفیر مقرر کیا گیا۔ اس نے آئرلینڈ کی آزادی کا جو خواب دیکھا تھا وہ پورا ہو گیا تھا۔

اب ماڈگون کی عمر ۵۴ سال تھی۔ اس کے بال سفید تھے اور چہرے پر جھریاں پڑ گئی تھیں۔ ایک روز اس کے نوکر نے اطلاع دی کہ ایک شخص ملاقات کے لیے آیا ہے۔ یہ ولیم بٹلر ییٹس تھا۔ وہ اسے دیکھ رہی تھی اور شاعر کہہ رہا تھا "میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھ سے شادی کر لو"

ماڈگون نے کہا "میں شادی کی عمر کو پیچھے چھوڑ آئی ہوں لیکن اگر تم یہ درخواست پہلے بھی کرتے تو میں تم سے شادی پر کبھی رضامند نہ ہوتی کیونکہ تم نے آج تک اپنے وطن دوست ہونے کے ثبوت میں وطن کے نام پر ایک بھی شعر نہیں لکھا۔"

۱۹۴۸ء میں ماڈگون کے بیٹے میک برائڈ جونیئر کو آئرلینڈ کا وزیر خارجہ مقرر کیا گیا اور ۱۹۵۳ء میں اسے ایک ایسے جلسے میں تقریر کرنے کی

Marfat.com

دعوت دی گئی جو اس کے شوہر میک برائڈ کی برسی منانے کے لیے ہو رہا تھا وہ تقریر کے لیے کھڑی ہوئی تو ۸۰ برس کی بڑھیا نظر آ رہی تھی۔ اس نے اپنے کپکپاتے ہاتھوں سے مائک پکڑی اور بولی "آزادی کی جنگ میں مرنے والے کبھی نہیں مرتے۔ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ میرا شوہر میک برائڈ بھی زندہ ہے۔ یقین جانو میرا میک برائڈ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا لیکن میں مر جاؤں گی۔" یہ کہتے ہی ماڈ گون کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہ بے ساختہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ یہ اس کی زندگی کا دوسرا جلسہ تھا جس میں وہ بھرے مجمع میں پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

اِس جلسہ کے چند روز بعد ماڈ گون کا انتقال ہو گیا اور اس کے تین ماہ بعد آئرلینڈ کے ایک بہت بڑے کنوارے شاعر ولیم ٹیلر ٹیس کا بھی انتقال ہو گیا۔ موت کے وقت شاعر کی عمر ۸۸ سال تھی اور اس نے وصیت کی تھی کہ اسے ماڈ گون کے قریب دفن کیا جائے اور اس کا تمام اثاثہ ماڈ گون کی ایک یادگار قائم کرنے کے سلسلہ میں صرف کیا جائے۔

O

جھوٹ، جہالت اور غلامی کے فاتح

کیا آپ یقین کریں گے کہ آج جن افکار و مسائل اور خیالات کے اظہار پر ناپسندیدگی ظاہر کی جاتی ہے کل انہی افکار و مسائل اور خیالات کو درسگاہوں میں بڑی بے باکی سے کھل کر بیان کیا جائے گا۔ میں یہ بات اس بنا پر کہہ رہا ہوں کہ تاریخ ہمیشہ سے اپنے آپ کو دہراتی رہی ہے کیونکہ آج جس جذبہ وطن پرستی کو قابل تعزیر نہیں سمجھا جاتا اور جن سائنسی اور فلسفے کی گتھیاں سلجھانے پر قدغن نہیں ہے چند صدیاں قبل تک ان کا تذکرہ [illegible] جرم تھا اور ایسے وطن دوستوں اور دانشوروں کو زندہ جلا دیا جاتا تھا جو وطنیت کے جذبات ابھارتے تھے اور انسانی مسائل، فلسفے اور سائنس

Marfat.com

پر غور و فکر کرتے تھے ۔ ماضی میں حریت پسندوں، انقلابیوں، وطن پرستوں اور دانشوروں کو بے دین، بدعتی، ملحد، انسانیت اور شرافت کے دشمن، تہذیب و تمدن سے عاری گمراہی پھیلانے والے اور خدا اور کتاب مقدس کے باغی قرار دے کر زندہ جلا دیا جاتا تھا یا قتل کر کے ان کی ہڈیاں آگ کے شعلوں کی نذر کر دی جاتی تھیں اس زمانے میں پرانے عقائد پر نکتہ چینی نئی دعوتِ فکر اور زمین و آسمان کے اسرار کی تلاش جرم قرار پائی تھی اور مجرموں کو فوراً گرفتار کر لیا جاتا تھا تاکہ ان پر مقدمے چلا کر سزا دی جائے ۔ مقدمات کی سماعت کے دوران ملزموں کو فیصلے سے پہلے ہی مجرم سمجھ لیا جاتا تھا اور ایسے ملزموں کو آئینی رعاتیں نہ دی جاتی تھیں وہ نہ وکیل پیش کر سکتے تھے اور نہ صفائی کے گواہ ۔ ان پر جو الزامات عائد کئے جاتے تھے عدالتیں ان الزامات کو ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل یا مواد کی فراہمی ضروری نہ سمجھتی تھیں ۔ ملزموں پر الزامات عائد کرنے والوں اور ان کے خلاف شہادت دینے والوں کے نام نہیں بتائے جاتے تھے انہیں اپنی سزا کے خلاف اپیل کرنے کے حق سے محروم رکھا جاتا تھا ۔ بیشتر اوقات ملزموں کے خاندانوں کا مال اسباب ضبط کر لیا جاتا تھا اور مال غنیمت کے نصف حصہ کی ملکیت کے حقوق پاپا کے نام منتقل ہو جاتے تھے اور بقایا نصف حصہ عدالتوں کے ججوں کو مل جاتا تھا ۔ ملزموں کو عدالت میں اپنے بیان میں رد و بدل کرنے کی کوشش پر بھی زندہ جلا دیا جاتا تھا ۔ ملزم کی طرف سے صفائی پیش کرنے والوں کو بھی بے دینی کے الزام میں عدالت کے سامنے پیش ہونا پڑتا تھا اور مقدمات کی سماعت کے ایام میں جیل خانوں میں قید ملزموں کو سخت جسمانی اذیت پہنچائی جاتی تھی اس ظلم و تشدد اور ناانصافی کے باوجود ان وطن ہمدردوں اور دانشوروں نے موت کو پرکاہ کے برابر اہمیت نہ [illegible] ان لوگوں کو شدید جسمانی تکالیف پہنچائی جاتیں اور ان پر ایسی [illegible] کی جاتیں کہ کسی رستم زماں

Marfat.com

پر بھی کی جاتیں تو وہ خوفزدہ ہو کر معافی کی درخواست کرنے پر مجبور ہو جاتا لیکن ان لوگوں نے کسی مرحلہ پر بزدلی نہ دکھائی ۔ ہر سختی خندہ پیشانی سے قبول کی اور ہنستے مسکراتے ہوئے موت کو گلے لگا لیا ۔ یہ لوگ دور ابتلا میں بالکل نہ گھبرائے اور اپنی موت سے علم و دانش اور وطنیت کی قندیلوں کی روشن رکھا جو آج تک جگمگا رہی ہیں ۔ اگر جذبہ وطن دوستی اور علم اور حکمت کے یہ علم بردار خوفزدہ ہو جاتے تو آج انسان کس حالت میں ہوتا اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے ان لوگوں کی موت نے عقل و منطق کو زندگی بخشی ۔ ذہنی انقلاب برپا ہوا ۔ تغیّر اور انقلاب کے نعرے بلند ہوئے ، انسان کو اپنی عظمت کا احساس ہوا ، ہر زبان سے انسانی برتری کی کہانیاں سنی جانے لگی ہیں اور انسان کے قدم غور و فکر و ترقی کی طرف اُٹھے ۔ زیرِ نظر مضمون ایسے چار بہادر افراد کے ذکر پر مشتمل ہے جو تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ زندہ رہیں گے اور ناموز فاتح کہلائیں گے ۔

○

رابرٹ ایک فرشتہ

رابرٹ فرانکولسٹس ڈیمنیز نے فرانس کے ایک غریب خاندان میں جنم لیا تھا وہ ابتدا میں فرانسیسی فوج میں بھرتی ہوا اور بعد میں فرانس کے کئی امراء و شرفا کے خادم کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتا رہا اسے امراء و شرفا کے برسر اقتدار طاقتور متمول طبقہ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ۔ تو وہ اس بدکردار عوام دشمن طبقہ سے دلی نفرت کرنے لگا ۔ یہ لوگ محض اپنے عیش و آرام کی خاطر فرانس اور فرانسیسی عوام سے غداری کر رہے تھے ۔ اس طبقہ کی انسانیت سوز حرکات نے ڈیمنیز کو ان کی سرکوبی پر آمادہ کر دیا اور اس نے عوام دوست وطن پرستوں کی ایک جماعت بنا کر امراء

Marfat.com

کو لوٹنا شروع کر دیا وہ مالداروں کو لوٹ کر غریبوں کی جھولیاں بھر دیتا تھا۔ اس لیے فرانسیسی عوام اسے فرانسیسی رابن ہڈ کے نام سے پکارنے لگے تھے۔ ڈیمینئر کی سربراہی میں اس جماعت نے برسرِ اقتدار طبقہ میں کھلبلی مچادی تو فرانسیسی پولیس جو جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی محافظ تھی اس کی تلاش میں ملک کے چپے چپے کو کھنگالنے لگی۔ وہ فرانس سے فرار ہو کر بلجیم چلا گیا اور وہاں اپنی تلاش کا معاملہ سرد پڑنے تک مقیم رہا وہ کچھ مدت تک بلجیم میں قیام کے بعد فرانس لوٹا تو فرانس کے بادشاہ لوئی پانز دہم کی غلط خارجی اور داخلی پالیسیوں کے باعث فرانس کو سات سالہ جنگ میں عبرت ناک شکست ہو چکی تھی۔ فریڈرک اعظم فرانس کی بیشتر نوآبادیات پر قبضہ کر چکا تھا۔ ڈیمینئر کو بادشاہ کی عیش کوشی، بے حسی جہالت اور فضول خرچی پر سخت غصہ آیا۔ شاہی دربار ریشہ دوانیوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ برسرِ اقتدار طبقہ عیش وعشرت میں مصروف عوام کی روز افزوں بد سے بدتر ہوتی ہوئی حالت سے لاپرواہ تھا۔ عوام پر دوگنے ٹیکس لگا دیئے گئے تھے تاکہ شاہ کی فضول خرچیوں اور عیاشی میں کمی واقع نہ ہو۔ بادشاہ نے اپنے صلاح کاروں کے غلط مشوروں پر سات سالہ جنگ شروع کر کے عبرتناک شکست کھائی تھی اور اس طرح فرانس کی بدنامی کا باعث بن گیا تھا۔ ڈیمینئر بجا طور پر اپنے وطن کی اس حالت زار کا ذمہ دار شاہ لوئی پانز دہم کو سمجھتا تھا۔ اس نے شاہ کو خوف زدہ کر کے فرانس کی سربلندی و سرفرازی اور فرانسیسی عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرنے پر مجبور کر دینے کا فیصلہ کر لیا اور مناسب موقع کی تلاش میں رہا۔

تنبیہہ یا ارادہ قتل

جنوری ۱۷۵۷ء کے ابتدائی تین ایام میں سے کسی ایک دن ڈیمینئر کو جوں ہی یہ پتہ چلا کہ شاہ لوئی ورسیلز کے عظیم الشان محل میں قیام کے لیے

Marfat.com

پہنچ گیا ہے تو وہ بھی ۴ جنوری ۱۹۵۷ء کو وہاں پہنچ گیا۔ ۵ جنوری کو وہ اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے صبح ہی محل کے دروازے پر جا پہنچا اور ایک مظلوم فریادی بن کر محل کے چاروں طرف چکر کاٹنے لگا وہ اپنے منصوبہ کے تحت شاہ پر ناکام قاتلانہ حملہ کر کے اسے ملکی صورتِ حال سے آگاہ کرنا اور خوفزدہ کر کے عوام کی بھلائی کے کاموں پر ابھارنا چاہتا تھا۔ بادشاہ کی گاڑی محل کے صدر دروازے سے برآمد ہوئی تو گھوڑوں کی رفتار بہت کم تھی۔ ڈیمینز باآسانی چھلانگ لگا کر گاڑی پر چڑھ گیا اور شاہ کو پکڑنے کے بعد ابھی خنجر کو اس کے پہلو میں اتارنے کے لیے بلند ہی کر رہا تھا کہ شاہ کے محافظ دستے کے سپاہیوں نے اسے پکڑ کر گاڑی سے اتارنے کے بعد گرفتار کر لیا۔ تحقیق و جستجو اور شہادتوں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ڈیمینز کا ارادہ ہوتا تو وہ نہایت آسانی سے لوئی پانز کو قتل کر سکتا تھا لیکن اس کے منصوبے میں شاہ کو صرف خوفزدہ کرنا تھا یہی وجہ تھی کہ اس سارے قصہ میں بادشاہ کو صرف چند نہایت معمولی خراشیں آئی تھیں۔ گرفتاری کے بعد ڈیمینز نے اس واقعہ کی تحقیقات کے دوران ہر بار یہی کہا تھا کہ وہ اس حملہ سے شاہ کو صرف خوفزدہ کرنا چاہتا تھا اس کے پروگرام میں شاہ کا قتل نہ تھا۔

ایام اسیری [illegible] ڈیمینز پر بے پناہ مظالم کئے گئے اور اسے نہایت بھیانک [illegible]ئیں دی گئیں تاکہ وہ اعتراف کرے کہ وہ شاہ کو قتل کرنا [illegible] اس سازش میں اس کے کئی ساتھی شریک تھے لیکن اس نے [illegible] کہا کہ وہ شاہ کو قتل کرنا نہیں چاہتا تھا اور اس کے ساتھ سازش میں کوئی بھی شریک نہیں [illegible] ہے۔

ڈیمینز کو قید و بند میں ایسے ایسے مظالم کا شکار بنایا گیا کہ کوئی دوسرا ہوتا تو ظلم و تشدد سے بچنے کے لیے اپنے ناکردہ گناہ کا اعتراف کر لیتا اور کئی بے گناہوں کو اپنا ساتھی کہہ کر قتل کروا دیتا لیکن آفرین ہے ڈیمینز کی

ہمت و شجاعت اور قوتِ برداشت پر کہ اس نے سارے ظلم و ستم خندہ پیشانی سے برداشت کیے کسی قسم کی کمزوری کا اظہار نہ کیا کسی ایک موقعہ پر بھی آہ و زاری نہ کی اور نہ رحم و کرم کی استدعا کی اس کے اس استقلال اور ہمت کی بنا پر عوام نے اسے رابرٹ فرشتہ کا نام دے دیا تھا۔

ڈیمینز کی گرفتاری کے بعد فرانس کا برسراقتدار طبقہ اسے ایک باشعور وطن اور عوام دوست فرد ہونے کے جرم کی ایسی بھیانک سزا دینا چاہتا تھا کہ آئندہ سارے فرانس میں کوئی باشعور انسان ملک و عوام کی ہمدردی کی جرأت نہ کر سکے

دراصل برسراقتدار طبقہ اپنی بداعمالیوں کے باعث خود کو نہایت غیر محفوظ سمجھنے لگا تھا اور اپنے بچاؤ کے لیے چاہتا تھا کہ باشعور وطن دوستوں کو اس ابتدائی مرحلہ پر ہی اس قدر خوفزدہ کر دے کہ آئندہ کوئی بھی ان کی غلط کاریوں اور عوام دشمنی پر انگلی اٹھانے کی جرأت نہ کر سکے اس مقصد کے لیے ڈیمینز کو نہایت بھیانک سزا دینے کے لیے ساری فرانسیسی پارلیمنٹوں سے یہ مشورہ مانگا گیا تھا کہ ڈیمینز کو کس طریقے سے قتل کیا جائے۔ پارلیمنٹوں کے بیشتر وطن اور عوام دشمن اور عیش پسند مجرموں نے ڈیمینز کے زندہ جسم کو چار طاقتور گھوڑوں کے پیروں سے باندھ کر کھنچوانے اور ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی تجاویز بھیجی تھیں جن پر بحث و مباحثہ میں تین ماہ گذر گئے اور ۱۸ رمئی ۱۷۵۷ء کا دن ڈیمینز کو قتل کرنے کے لیے مقرر ہوا۔ اس دن ڈیمینز کو تاریخ کی سب سے ظالمانہ، بدترین اور بھیانک سزائیں دینے کے بعد موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ڈیمینز کے جسم کو گھوڑوں کے ذریعے ٹکڑے ٹکڑے کرنے سے قبل اس کے شانوں، کولھوں اور پیروں کے عضلات کو کاٹا گیا! اور اس کے بعد چاروں گھوڑوں نے اس کے جسم کو جھٹکوں سے الگ الگ کر دیا۔ پھر ڈیمینز کے جسم کے ٹکڑے اکٹھے کرنے کے بعد آگ کے شعلوں کی نذر کر دیئے گئے آگ اس کی ہڈیوں تک کو چاٹ گئی۔

گو ۱۸ رمئی ۱۷۵۷ء کے دن ڈیمینز کے قتل کی واردات کے بیس ہزار

Marfat.com

تماشائیوں میں سے برسر اقتدار طبقہ کے خوف سے کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ ڈیمنز کے ساتھ ہمدردی کرتا اور اس کی سزا کو ناجائز قرار دیتا۔ لیکن کیا فرانس کا بداعمال برسر اقتدار طبقہ اپنے انجام سے بچ سکا ہوگا۔ کیا انقلاب فرانس کو روکا جا سکا؟ کیا عوام نے ڈیمنز کے بھیانک انجام سے عبرت پکڑی اور عوامی انقلاب برپا کرنے سے باز رہے؟ تاریخ کے صفحات ان سوالوں کے جواب نفی میں دیتے ہیں۔ عوامی بیداری پر بند نہ باندھے جا سکے۔ لوئی پانز دہم اور اس کے بدکار امرا کی بداعمالیوں کا انتقام لوئی شانز دہم سے لیا گیا رابرٹ فرشتہ کی جدوجہد اور قربانی رائیگاں نہیں گئی اس کے قتل کا تماشا دیکھنے والے بیس ہزار کے مجمع میں ذہنی انقلاب پیدا ہو گیا۔ فرانس کے فلسفی، ادیب اور ڈیمنز اپنا کام کر چکے تھے اب فرانس کے برسر اقتدار طبقہ کے لیے انقلاب کو روک دینا ناممکن تھا۔ انقلابیوں نے ۱۴ جولائی ۱۷۸۹ء کو فرانس کے تاریخی جیل خانہ لبتاجیل پر حملہ کر کے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ پھر انھوں نے ورسائی کے شاہی محلوں کو گھیرے میں لے لیا۔ شاہ لوئی پانز دہم کے بیٹے شاہ لوئی شانز دہم نے عوام کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور مجلسِ ملی کے اعلان حقوق پر دستخط کر دیئے۔ شاید عوام شاہ کو معاف کر دیتے لیکن شاہ نے عوام کے حقوق تسلیم کرنے کے باوجود ان سے منحرف ہونے کا ارادہ کر لیا اور ۱۰ دسمبر ۱۷۹۲ء کو پیرس سے بھاگنے کی کوشش میں گرفتار کر لیا گیا۔ اگلے دن بادشاہ لوئی شانز دہم کو ایک قیدی کی حیثیت میں عوامی عدالت کے سامنے پیش کیا گیا۔ ایم بریری جج نے ملزم لوئی کے خلاف ۵۷ الزامات کے تحت مقدمہ کی سماعت شروع کر کے اُسے انسانیت، فرانس اور ساری دنیا کا مجرم قرار دیا۔ ملزم کو فرانس کے عوام سے غداری کرنے کے جرم میں موت کی سزا دی۔ اس طرح عوام نے ڈیمنز کے سنگدلانہ قتل کا انتقام لوئی پانز دہم کے بیٹے لوئی شانز دہم سے لے لیا۔

○

Marfat.com

ژان وارک

ژان وارک نے ۱۴۱۱ء میں فرانس کے ایک گاؤں میں جنم لیا تھا جہاں وہ اپنی ماں سے دینی تعلیم حاصل کر کے اپنے باپ کے گلہ کو چراتی تھی اسے گھر کے کام کاج اور عبادت کے سوا کسی کام میں دلچسپی نہ تھی وہ بالغ ہونے پر بھی عشق و رومان کے معاملات سے الگ رہی۔ یہ زمانہ فرانس کے زوال کا تھا انگریز فرانس کے خاصے حصے پر قابض تھے اور پیرس پر بھی ان کا قبضہ ہو چکا تھا۔ چارلس ہفتم بہت گھبرایا ہوا تھا اس زمانہ میں ایک پیش گوئی سارے فرانس میں پھیلی ہوئی تھی کہ ایک دوشیزہ فرانس کو انگریزوں کی غلامی سے نجات دلانے کے لیے میدان جنگ میں کود ے گی۔ خدا جانے کیوں اور کیسے ژان وارک نے یہ یقین کر لیا تھا کہ وہ محض اس لیے پیدا ہوئی ہے کہ فرانس کو انگریزوں کی گرفت سے نکال کر آزاد ملکوں کی صف میں لا کھڑا کرے اس یقین کی بنا پر ژان وارک نے ۱۴۲۸ء میں فرانس کی غلامی کے بندھن توڑنے کے لیے چارلس کو ملنا چاہا لیکن اس کی حوصلہ افزائی نہ کی گئی اور وہ چارلس سے ملاقات نہ کر سکی۔ آئندہ برس ۱۴۲۹ء میں عالموں کی اس یقین دہانی پر کہ ژان وارک پر کسی بھوت کا سایہ نہیں ہے چارلس نے اس سے ملاقات کی اور اس کی ماتحتی میں چار ہزار سپاہیوں کی ایک مختصر فوج دے دی اسے اورلینٹز کو انگریزوں کے قبضہ سے نکالنے کی خدمت سونپی گئی وہ ۲۹ اپریل ۱۴۲۹ء کو زرہ بکتر پہنے فوج کے آگے اپنا جھنڈا اڑاتی ہوئی انگریزوں کو دریائے لوائر کے پار بھگا کر اورلینٹز میں داخل ہو گئی اس کے بعد فرانسیسی کئی دوسرے شہروں پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے پھر ژان وارک چارلس ہفتم کی رسم تاجپوشی میں شریک ہوئی اور اس کے فوراً بعد اس نے اپنے گاؤں جانے کی اجازت مانگی کیونکہ وہ چارلس کی بے حسی اور ناسمجھی اور امرا و شرفا کی سازشوں سے تنگ آ گئی تھی اسے گاؤں جانے کی

Marfat.com

اجازت نہ ملی اور پیرس پر قبضہ کرنے کا حکم ملا۔ وہ جون آف برگنڈی اور دوسرے امراء کی انگریزوں سے ملی بھگت کے باعث پیرس پر قبضہ کرنے میں کامیاب نہ ہوسکی اور غدار جون آف برگنڈی نے اُسے انگریزوں کے سپرد کرکے روپیہ لے لیا۔ انگریزوں نے اسے رون کے قلعہ میں زنجیروں میں جکڑ کر قید کردیا۔ ژان دارک کی اسیری کو کئی ماہ گذر گئے تو انگریزوں کی حاشیہ بردار پیرس یونیورسٹی نے بشپ آف بیورے کو تحریک کی کہ ژان دارک ایک ساحرہ ہے جو مردوں کا لباس پہننے کے گناہ کی مرتکب ہوئی ہے۔ جادو گری کے خاتمہ کے لیے ضروری ہے کہ اس پر مقدمہ چلا کر اُسے ایسی سزا دی جائے کہ آئندہ کوئی جادوگر بننے کا حوصلہ نہ کرسکے۔ انگریزوں نے اس پر مقدمہ چلانے کے لیئے ۳۰ جنوری ۱۴۳۱ء کو اسے اپنے ایجنٹ بشپ آف بیورے کے سپرد کردیا۔ بشپ کی عدالت میں مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی تو بشپ کی مدد ایک محتسب بھی کررہا تھا۔ پیرس یونیورسٹی نے ژان کو سزا دلوانے کی بھرپور کوشش کی۔ استغاثہ نے ژان پر ستر سوال کیئے اور ملزمہ کو تنگ کرنے کے لیے ایک ایک سوال میں کئی کئی سوال پیدا کئے گئے۔ ملزمہ کو کسی قسم کی قانونی امداد حاصل کرنے کی اجازت نہ ملی بلکہ اس پر بڑی سختی کی گئی اور اسے ہر طرح پریشان کرنے اور جی ہارنے پر مجبور کیا گیا، تاریخی مقدمات کے مؤلف سر جان میکڈونل نے لکھا ہے کہ سخت ظلم و تشدد کے باوجود ژان دارک کو خوفزدہ نہ کیا جاسکا۔

انگریز فوجی ژان سے بری طرح خوفزدہ تھے اور اپنے خوف سے نجات پانے کے لیے ژان کا قصّہ پاک کرنا چاہتے تھے۔ بشپ آف بیورے نے ۲۴ مئی ۱۴۳۱ء کو انگریزوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ژان دارک کو عمر قید کی سزا دی اور اس کا جواز یہ پیدا کیا کہ ژان ملہم ہونے کا دعویٰ کر کے لوگوں کو گمراہ کرنے کے گناہ کی مرتکب ہوتی ہے۔ اس نے کلیسائی مذہب چھوڑ کر خدا اور کتاب مقدس کی توہین کی ہے۔

Marfat.com

ہوش مند ژان وارک نے الزامات کی صحت سے انکار کیا تھا۔ اور معقول دلائل پیش کر کے الزامات کو رد کر دیا تھا۔ اس لیئے اسے موت کے گھاٹ تو نہ اتارا جا سکا لیکن زندگی بھر کیلئے دُنیا کی سرگرمیوں سے الگ تھلگ کر دیا گیا۔ ژان نے وعدہ کیا تھا کہ وہ پھر کبھی مردوں کا لباس نہیں پہنے گی اور عورتوں کے لباس میں ملبوس رہے گی۔ بشپ کا یہ فیصلہ انگریزوں کو پسند نہ آیا اور انہوں نے بشپ پر بھی یہ الزام لگانے سے دریغ نہ کیا کہ وہ ژان کا حمایتی ہے اور اس کی سرگرمیوں میں حصّہ لیتا رہا ہے۔

مردانہ لباس پہننے کی سزا موت

۲۸ رمئی ۱۴۳۱ء کے دن بشپ آف بیورے اپنے اسیروں کے ساتھ جیل کے معائنہ کے لیئے پہنچا تو دیکھا کہ ژان مردانہ لباس پہنے ہوئے ہے اس سے وعدہ خلافی پر جواب طلبی کی گئی تو وہ بولی کہ اسے چونکہ جیل میں مردوں کے ساتھ رکھا گیا ہے اس لیے وہ مردانہ لباس پہننے پر مجبور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ زندگی بھر جیل میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے کی بجائے ایک بہادر انسان کی طرح ایک ہی بار مرنا پسند کرتی تھی۔ ژان کو وعدہ خلافی کی پاداش میں ۳۰ رمئی ۱۴۳۱ء کو زندہ جلائے جانے کا حکم سنایا گیا۔

۳۰ رمئی ۱۴۳۱ء کے دن رون کے بازار میں آگ کے شعلے بلند کیئے گئے ژان وارک کے سر پر جو کاغذ کا تاج پہنایا گیا تھا اس پر "ملحدہ" کے الفاظ لکھے گئے تھے۔ ژان نے ہنستے ہوئے آگ میں چھلانگ لگا دی۔ شعلوں نے اسے راکھ میں بدل دیا۔ اس کے پھول دریائے سین کی لہروں کی نذر کر دیئے گئے۔

ژان وارک کا شمار ان معصوم وطن دوست حریّت پسندوں میں سرفہرست ہوتا ہے جن پر جادوگری کا غلط الزام عائد کیا گیا تھا اور انہیں اس الزام کی بنا پر زندہ جلا دیا گیا۔ ژان کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ اس نے سب

Marfat.com

سے پہلے وطنیت کے جذبات ابھارنے کے لیے فرانسیسی زبان بولنے والوں کو خود کو فرانسیسی سمجھنے اور فرانس کی آزادی کے لیئے میدانِ عمل میں آنے کی تلقین کی۔ رجعت پسندوں نے ثان کو مردانہ لباس پہننے کے جرم میں موت کی سزا دی تھی اگر آج بھی اس جرم میں عورتوں کو سزا دینے کا فیصلہ ہو جائے تو کروڑوں عورتوں کو پھانسی دے دی جانے یا زندہ آگ میں جلا دیا جائے۔

سروتیس

سروتیس نے ۱۵۰۹ء میں جنم لیا۔ وہ طولو میں قانون اور دینیات کی تعلیم حاصل کرتا رہا تھا اس کے ترقی پسندانہ خیالات کی بنا پر زندگی بھر اس کے دشمنوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ جاری رہا تھا اسے رجعت پسند حاسدوں کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے برسوں متعدد ملکوں، اٹلی فرانس، جرمنی اور سوئٹزرلینڈ میں آوارہ گردی پر مجبور ہونا پڑا تھا اور بعض اوقات وہ اپنا نام تک بدلنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

سروتیس نے لائینز کے ایک پرنٹنگ پریس میں پروف ریڈر کی خدمات انجام دیں اور اسی چھاپہ خانہ میں بطلیموس کی کتاب جغرافیہ مرتب کی۔ اس نے پیرس میں فلکیات، جغرافیہ اور ریاضیات کے معلم کی خدمات بھی سرانجام دیں اس کا ایک پسندیدہ مضمون دینیات بھی تھا۔ لیکن اُسے دینی مسائل میں اپنے ہمعصروں سے اختلاف تھا۔ اس کے ہمعصر اسے ایک ایسا دینی انارکسٹ قرار دیتے تھے جس کا مشغلہ اپنے چاروں طرف بمباری کرنا ہو اس نے ۱۵۳۱ء میں بمقام پیرس مروجہ فلکیات کی تردید میں ایک کتاب طبع کرائی جو اس کی مصیبتوں کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ فرانسیسی پارلیمنٹ نے اس کتاب کی اشاعت پر اظہار ناپسندیدگی کیا وہ اپنا نام بدل کر وین میں طبیب بن گیا۔ وہ اس نئے روپ میں اپنی باقی ماندہ زندگی بڑے آرام سے بسر کرسکتا تھا لیکن وہ چونکہ ایک صداقت پسند دانشور تھا اس

Marfat.com

اس لیے سچائی کے اظہار سے باز نہ رہ سکتا تھا۔ اُس نے خفیہ طور پر عیسائیت کے بارے میں ایک ایسی کتاب چھپوا دی جو کیتھولکوں اور پروٹسٹنٹوں دونوں نے سخت ناپسند کی۔ اس زمانہ کے نامور دینی مصلح اور اصلاح پسند کیلون کو بھی یہ کتاب پسند نہ آئی۔ کتاب پر چونکہ سرویتس کا نام نہ تھا۔ اِس لیے قانوناً اُسے گرفتار نہ کیا جا سکتا تھا لیکن دینی مصلح کیلون کی جاسوسی اور شکایت پر دین کے محکمہ احتساب نے چار اپریل ۱۵۵۳ء کو سرویتس کو گرفتار کر لیا تاکہ اس پر مقدمہ چلایا جائے۔

سرویتس کو جیل سے فرار ہونے کا موقع مل گیا اس لیے دین کے محکمہ احتساب کو اس کی غیر حاضری میں اس کے خلاف مقدمہ کی سماعت کے بعد سزا کا حکم سنانا پڑا۔ اس حکم کی تعمیل میں دین کے بازار میں سرویتس کے پتلے اور اس کی کتابوں کو جلا کر رجعت پسندوں نے حسد کی آگ ٹھنڈی کی۔ دوسری طرف سرویتس کو اپنی فراری کے بعد کہیں بھی جائے پناہ نہ مل سکی۔ اُسے ہسپانیہ کی سرحد میں داخل ہونے سے روک دیا گیا۔ اس لیے اُسے مجبوراً جنیوا پہنچ کر ایک سرائے میں قیام کرنا پڑا وہ ابھی نیپلز جانے کی تیاری ہی کر رہا تھا کہ دینی مصلح کیلون نے جو جنیوا میں تھا۔ مخبری کی اور سرویتس کو سینٹ پیٹر کے گرجا میں گرفتار کیا گیا کیلون کے سیکرٹری لافونتیس نے سرویتس پر جو دعویٰ کیا اس میں ۳۸ الزامات عائد کیے گئے۔ دعویٰ کی درخواست کیلون نے خود لکھی تھی۔ بشپ کے محل میں شہری کونسل نے مقدمہ کی سماعت کی۔ دینی مسائل پر بڑی گرما گرم بحث ہوئی مقدمہ کئی مراحل میں سے گذرا۔ ملزم پر مختلف نوع کے نئے الزامات بھی عائد کیے جاتے رہے اور ملزم کی استدعا کے باوجود مقدمہ کی پیروی کے لیے وکیل نہیں دیا گیا۔ سرویتس کو غلط کار اور بدعتی ٹھہرایا گیا اور اسے زندہ جلانے جانے کی سزا کا حکم ہوا اس کے ساتھ اس کی کتابیں جلائے کے احکامات بھی صادر ہوئے۔

زندہ سرویتس اور اس کی کتابوں کو آگ کے شعلوں کی نذر کر دیا گیا لیکن سرویتس کی صداقت پسندی، علم دوستی اور اس کے خیالات آج تک نہیں جلائے جا سکے۔ آج سرویتس کو صداقت پسند علم دوست فاتح کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

برونو

برونو نے ۱۵۴۸ء میں روم میں جنم لیا تھا۔ گو اس کے باپ کا پیشہ سپہ گری تھا۔ لیکن وہ خود راہب بن گیا تھا۔ اس کے زمانہ میں قدیم اور جدید خیالات میں جنگ جاری تھی۔ برونو جدید خیالات کا پرچارک تھا۔ سائنس اور کلیسا کی لڑائی میں سائنس کا طرفدار تھا۔ اس نے زمین، چاند اور سورج، ستاروں کے بارے میں کلیسائی عقائد کی تردید کی تو اسے ملحد قرار دے کر اس کی گرفتاری کے احکام جاری کر دیئے گئے۔ نیپلز کے محکمہ احتساب نے اُسے جواب طلبی کے لیے حاضر ہونے کی تاکید کی تو اس نے نیپلز سے راہ فرار اختیار کی۔ اب اس پر دُنیا تنگ تھی وہ کسی جگہ بھی مستقل طور پر اطمینان سے قیام پذیر نہ رہ سکا۔ اُسے کوئی بھی پناہ دینے پر تیار نہ ہوا اور وہ اپنے زمانہ کے بعض دوسرے دانشوروں کی طرح آوارہ گردی میں مصروف ہو گیا۔ لاطینی زبان میں ماہر ہونے کی وجہ سے اُسے یورپ کی مختلف یونیورسٹیوں میں تقریریں کرنے کے مواقع مل جاتے۔ وہ دیس بدیس گھومتا ہوا تقریریں اور مناظرے کرتا رہا۔ اس کی زندگی کے حالات سروینٹیس کے حالات زندگی سے بڑی مشابہت رکھتے ہیں۔ اس کی سوچی سمجھی رائے تھی کہ زمین گردش میں ہے اور سورج کے گرد چکر کاٹ رہی ہے وہ نظم و نثر میں اپنے جوہر دکھا کر یورپ بھر سے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا چکا تھا۔ ہر ذہین اور لائق فائق دانشور کی طرح اس کے حامیوں اور مخالفوں کی تعداد بھی خاصی تھی۔ اُسے دور جدید کا اولین فلسفی تسلیم کیا جاتا ہے وہ روم (اٹلی) سے محض اس لیے فرار ہوا تھا کہ اسے محکمہ احتساب کے ہاتھوں اپنے قتل ہو جانے کا اندیشہ تھا وہ کئی برس بعد اپنے ایک شاگرد کی دعوت پر اٹلی کی ریاست وینس میں داخل ہونے کی جرات کر سکا۔ اس زمانہ میں ساری دنیا میں وینس کی آزاد خیالی کا ڈنکہ بج رہا تھا اور اس شہر کو جلاوطن دانشوروں کی ایک محفوظ پناہ گاہ کی حیثیت حاصل تھی۔ اس

Marfat.com

کی رائے میں اُسے وینس میں کوئی خطرہ نہ تھا اس کے بعض دوست اسے وینس جانے سے روکتے تھے وہ ۱۵۹۱ء میں وینس میں داخل ہوا تھا اور اسے ۲۳ مئی ۱۵۹۲ء کو اس کے اس شاگرد کی مخبری پر گرفتار کر لیا گیا تھا جس کی دعوت پر وہ وینس آیا تھا اسے احتساب کی تحویل میں دے دیا گیا۔ جمہوریہ وینس نے برونو کو روم کی سپردگی میں دے دیا۔ وہ چھ برس تک مقید رہا اور اس کی اِس چھ سالہ تنہائی کے حالات پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ چھ برس بعد احتساب نے برونو کو دنیوی عدالت کے سپرد کر کے سزا دینے کی سفارش کی۔ ججوں نے اسے سزائے موت کا حکم سنایا تو برونو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ وہ بولا "میرے جج موت کا حکم دیتے ہوئے مجھ سے کہیں زیادہ خوف زدہ نظر آ رہے ہیں"۔ اُسے آٹھ روز تک تائب ہونے کی مہلت دینے کے لیے زنداں میں رکھا گیا۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ وہ تائب ہوتا بھی کس گناہ پر جبکہ اس کا کوئی گناہ ہی نہ تھا۔ اسے آگ میں کود کر جان دینے کے لیے کہا گیا تو اُس نے نہایت خندہ پیشانی سے بے خوف و خطر آگ میں چھلانگ لگا دی۔ ایک تماشائی نے صلیب کو قریب کر دیا تاکہ وہ اپنی موت سے قبل اُسے بوسہ دے لے لیکن شہید برونو نے حقارت سے صلیب کو پرے ہٹا دیا۔

برونو کو اس لیئے زندہ جلایا گیا تھا کہ اس نے کہا تھا زمین سورج کے گرد چکر کاٹ رہی ہے۔ آج یہ بات ساری دُنیا تسلیم کرتی ہے لیکن اس زمانے میں کلیسا اس علمی اور سائنسی حقیقت کو رد کرنے کے لیے کوئی ٹھوس دلیل نہ دے سکا تھا اور اپنی جہالت کو چھپانے کے لیے عالموں، فاضلوں اور سائنس دانوں کو بدعتی اور ملحد کہہ کر موت کے گھاٹ اتار دیتا تھا۔ آج ساری دُنیا برونو کو فاتح جہالت تسلیم کرتی ہے۔

Marfat.com

ہوچی منہ

ڈاکٹر ہوچی منہ کا شمار آج کے عظیم فاتحین کی صف میں ہوتا ہے
ویت نام کے اس جری رہنما نے پہلے تو ایک سامراجی طاقت فرانس کو ویت نام سے مار بھگایا تھا۔ پھر دُنیا کی سب سے بڑی سامراجی طاقت امریکہ کو ویت نام سے شکست فاش دے کر انتہائی شرمندگی کے عالم میں بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ڈاکٹر ہوچی منہ ایک طبیب کے فرزند تھے اور ان کے والد غیر ملکی فرانسیسیوں کے شدید مخالف تھے۔ ہوچی منہ پر اپنے والد کی تربیت کے تحت انقلابی خیالات کا غلبہ تھا۔ بعمر ۲۲ برس ہوچی منہ نے ایک جہاز کے باورچی خانے میں بحیثیت بیرہ خدمات سرانجام دیں اور ملک ملک کی سیر کی اور آخر میں پیرس میں فوٹوگرافی کو ذریعہ معاش بنا کر گزر بسر کرنے لگے۔ اس دوران بھی وہ بائیں بازو کی سیاست سے متاثر رہے اور اپنے ملک ویت نام کی آزادی کے لیے مصروفِ عمل رہے۔ وہ پیرس سے روس چلے گئے اور وہاں سے چین ہوتے ہوئے اپنے وطن ویت نام پہنچ گئے اور تحریک آزادی میں سرگرم حصّہ لینے لگے۔

۴۴ ۱۹ء کے اواخر میں جب ڈاکٹر ہوچی منہ جاپان کے خلاف گوریلوں کو تربیت دینے لگے تو امریکہ نے ان کو اسلحہ فراہم کر دیا۔

اس کے بعد جب فرانسیسیوں نے زبردستی ویت نام پر قبضہ کر لیا تو ہوچی منہ کی زیر قیادت ویت نامی حریت پسندوں نے امریکہ کے اُسی اسلحہ سے فرانسیسیوں کا مقابلہ شروع کر دیا۔

ڈین بن پھو کے محاذ پر فرانسیسیوں اور ویت نامیوں کے درمیان ایک تاریخی جنگ لڑی گئی۔ جس میں ویت نامی حریت پسندوں نے فرانسیسیوں کو تاریخی شکست دی اور فرانسیسی ویت نام سے بھاگ نکلے۔

Marfat.com

فرانسیسوں کی غلامی سے آزاد ہونے کے بعد ڈاکٹر ہوچی منہ نے اقتدار سنبھال کر شمالی ویت نام میں سوشلسٹ نظام کا اجرا کر دیا۔ اس پر دُنیا بھر کے سامراجیوں میں کھلبلی مچ گئی اور امریکہ نے جنوبی ویت نام میں اپنی پٹھو حکومت قائم کر کے شمالی ویت نام کے خلاف جنگ شروع کر دی امریکہ کے چھ لاکھ سے زائد باقاعدہ فوجیوں نے شمالی ویت نام کو فتح کرنے کے لیے جنوبی ویت نام کے لاکھوں فوجیوں کی ہر طرح مدد کی ہے۔ شمالی ویت نام کے چپے چپے پر بمباری کی ہے اور ڈاکٹر ہوچی منہ کو شکست دینے کی ہر طرح کوشش کی ہے۔ لیکن ویت نامی حریت پسندوں نے ڈاکٹر ہوچی منہ کی زیر قیادت امریکہ کو قدم قدم پر شکست دے کر دُنیا کے اس سب سے بڑے سامراجی ملک کے غرور کو خاک میں ملا دیا ہے۔

ویت نام نے ۱۹۴۶ء میں فرانس کی بالادستی کے خلاف اپنی جنگ آزادی کی ابتداء کی تھی۔ یہ آزادی کی جنگ ۱۹۵۴ء تک جاری رہی۔ اس سال فرانس تو ویت نام کے محاذ سے راہِ فرار اختیار کر گیا۔ لیکن اس کی جگہ امریکہ آ گیا۔ ویت نام نے امریکہ کے خلاف ہتھیار اٹھائے تو امریکہ نے ویت نام پر پوری شدت سے تباہی و بربادی نازل کر دی۔ امریکہ کی چار لاکھ فوجیں ویت نام کا نام و نشان مٹانے کے لیے میدان جنگ میں اتریں۔ امریکہ ویت نام پر اوسطاً ہر ماہ ۷۷ ہزار ٹن بم گراتا رہا۔ امریکہ نے ویت نام کی جنگ میں ہر ماہ سات ارب ڈالر خرچ کرنے شروع کر دیئے۔ اس نے ویت نامیوں پر ایسے مظالم کئے کہ ان کے سامنے چنگیز خاں، ہلاکو خاں اور ہٹلر کے مظالم ماند پڑ گئے لیکن ویت نامیوں پر آفرین ہے کہ ان کی ہمت جوان اور حوصلے بلند رہے۔ انہوں نے اپنی آزادی کی یہ جنگ اپنے ملک کے چپے چپے پر لڑی۔ وہ باغوں، سکولوں ہسپتالوں حتیٰ کہ اپنے مکانوں کے برآمدوں تک میں حملہ آوروں سے مقابلہ کرتے اور انہیں مار بھگاتے رہے۔ نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ آخر کار امریکہ اس طویل جنگ

Marfat.com

سے تھک گیا اور غیر مشروط طور پر جنگ بندی پر مجبور ہو گیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ آخر کار امریکہ کو ویت نام کے سامنے سر جھکانا پڑا۔ امریکہ کے بیس کروڑ طاقتور اور متمول انسانوں نے ڈیڑھ کروڑ مفلس و نادار حریت پسند ویت نامیوں کے سامنے اعتراف شکست کر لیا۔ اپنی آزادی کی اس طویل جنگ میں بہادر ویت نامی موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرائے۔ انہوں نے اپنی زندگی اور موت دونوں کو کوئی اہمیت نہ دی۔ انہیں توپوں کے گولے ڈرا سکے اور نہ بموں کے دھماکے ہی خوفزدہ کر سکے۔ ویت نام نے اپنی اس جنگِ آزادی میں اپنے لاکھوں بیٹوں کی قربانی دے دی لیکن اپنی آزادی کے حصول کے مُوقف میں معمولی سا رد و بدل بھی نہیں کیا۔ کیونکہ وہ اپنے اس مُوقف کو اپنی قومی زندگی کا لازمی جزو سمجھتا تھا۔

امریکہ کے آواز سے زیادہ تیز رفتار طیارے روزانہ ویت نام پر بمباری کر کے موت کا بازار گرم کر دیتے تھے اور ویت نام کے پاس ان موت کے پیامی طیاروں کا مقابلہ کرنے کے لیے کوئی کارگر ہتھیار نہیں تھے۔ ان طیاروں نے جمہوریت، امن، انصاف اور آزادی کے بظاہر خوشنما لیکن دراصل کھوکھلے اور بے معنی الفاظ کی آڑ میں سارے ویت نام کو کھنڈرات کی شکل میں بدل دیا تھا بظاہر ویت نام میں زندگی ساکت و جامد ہو گئی تھی۔ سارے پل ٹوٹ پھوٹ گئے تھے ذرائع آمد و رفت بالکل ختم ہو گئے تھے۔ سارے کارخانے مسمار ہو کر رہ گئے تھے۔ ہزاروں گاؤں بے چراغ اور بے آباد ہو گئے تھے لیکن ویت نام نے اپنا حوصلہ برقرار رکھا۔ بمبار امریکی طیاروں کے مقابلے میں اپنی بندوقیں استعمال کیں۔ جب اسکول جاتے ہوئے طالب علم فضا میں امریکی طیاروں کو دیکھتے تو سکول کی کتابیں ایک طرف رکھ کر گلے میں لٹکی ہوئی بندوقیں اٹھا کر نشانے لگاتے گھروں میں بیٹھی ویت نامی عورتیں ان ہوائی جہازوں کو دیکھتے ہی رائفلیں لے کر مکانوں کی چھتوں پر چڑھ جاتیں یہ طالب علم اور عورتیں نہ امریکی جہازوں سے ڈرتے تھے اور نہ موت کو خاطر میں لاتے تھے۔

Marfat.com

ویت نام نے اپنی آزادی کی اِس لمبی جنگ میں اپنے دوست ممالک سے فوجی رضا کار بھیجنے کی اپیل نہیں کی۔ سارے ویت نام کا ہر بالغ مرد اور عورت سپاہی بن گئے تھے۔ کھیتوں میں کاشت کرنے والے کسان ایک لمحہ میں ہل کو ہاتھ سے رکھ کر رائفل اٹھا کر نشانہ باندھ لیتے تھے۔ کارخانوں میں کام کرتے ہوئے مزدوروں کے کانوں میں سائرن کی آواز پڑتی تھی تو وہ سپاہی بن جاتے تھے۔ ویت نام کا ہر باشندہ ہر لمحہ مردانہ وار موت کا کھیل کھیلنے پر آمادہ رہتا تھا، مرنا اور مارنا اس کے روزمرّہ میں شامل تھا۔ اپنی غصب شدہ آزادی کی بحالی کے لیے وہ اپنا سب کچھ قربان کرنے کا فیصلہ کئے ہوئے تھا۔

اِس جنگ میں امریکہ نے ویت نام کو لاوا اگلتے ہوئے ایک آتش فشاں پہاڑ کا دہانہ بنا رکھا تھا۔ ویت نامیوں نے اس صدی کی سب سے لمبی اور خون ریز جنگ لڑی تھی۔ پہلی جنگ عظیم چار سالوں پر محیط تھی۔ چین اور جاپان کی جنگ بارہ برس تک جاری رہی تھی۔ دوسری جنگ عظیم چھ سالوں پر مشتمل تھی کوریا کی مدت جنگ تین برس تھی اور بہادر الجزائریوں نے سات برس تک جنگ لڑی تھی۔ لیکن ویتنامی بائیس برس تک جنگ آزما رہے۔ ویت نامیوں کی ایک پوری نسل کا اس جنگ میں خاتمہ ہو گیا تھا تو ان کی دوسری نسل نے پہلی نسل کی خالی جگہ پُر کر کے جنگ جاری رکھی تھی۔ اس جنگ میں لاکھوں انسان موت کا تر نوالہ بن گئے تھے۔ لاکھوں قیدی بن گئے تھے اور لاکھوں عورتوں کو بیوگی کے صدمہ سے دوچار ہونا پڑا تھا۔

اِس جنگ کا یہ پہلو بھی قابل ذکر ہے کہ امریکہ نے ایک کمزور ایشیائی قوم کو محض اس لیے میدان جنگ میں آنے پر مجبور کر دیا تھا کہ اسے اپنی ساکھ اور اپنا وقار باقی رکھنا تھا۔ محض اپنی ساکھ اور اپنے وقار کی خاطر امریکہ نے یہ جنگ امریکہ سے ہزاروں میل دور واقع ایک ایشیائی ملک میں لڑی تھی۔

اس جنگ کا اختتام ہو چکا ہے۔ امریکہ کے سابق صدر جانسن اس جنگ میں اپنے ملک کی شکست تسلیم کر چکے ہیں اور یہ مثال قائم ہو چکی ہے کہ بے پناہ جنگی قوت بھی جذبہ جاں سپاری کے سامنے ٹھہر نہیں سکتی۔

Marfat.com

ویت نام کی حریت پسند عورتوں نے جنگ کی تاریخ میں جو کارنامے سرانجام دیئے ہیں وہ آج تک کسی بھی قوم کی عورتیں سرانجام نہیں دے سکیں۔ ان کارناموں کو دیکھ کر بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے مردوں کو بھی پس پشت ڈال دیا ہے۔

باوثوق فوجی ذرائع کے مطابق اس وقت شمالی ویت نام میں بارہ لاکھ مسلح عورتیں موجود ہیں جو روزانہ پریڈ کرتی ہیں اور جنگی مشقوں کے دوران چاند ماری کرکے اپنے نشانے کو زیادہ سے زیادہ درست بنانے میں مصروف رہتی ہیں۔

ویت نامی عورتیں اپنے ملک کی روایات کی مالک ہیں۔ ان کی تاریخ کے صفحات عورتوں کے بہادرانہ جنگی کارناموں سے بھرے پڑے ہیں۔ آج تک ویت نام میں ایسی کوئی جنگ نہیں لڑی گئی جس میں عورتوں نے بھرپور حصہ نہ لیا ہو۔ تاریخ کے صفحات پر دو لڑنگ بہنوں کی طویل داستان کا مفصل حال درج ہے جنہوں نے آج سے دو ہزار سال قبل چینی شہنشاہیت کے خلاف بغاوت کا پرچم بلند کیا تھا اور ایک زبردست طویل جنگ کی ابتدا کی تھی۔

ایک امریکی جنگی مبصر نے ویت نامی جنگجو عورتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دُنیا کی کسی جنگ میں عورتوں نے اس طرح بہادری اور بے خوفی سے حصہ نہیں لیا جس طرح وہ ویت نام کی جنگ میں حصہ لے رہی ہیں۔

ایک فرانسیسی نامہ نگار نے ایک ویت نامی گوریلا لڑکی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"وہ لڑکی انتہائی حسین وجمیل تھی۔

ویت نامی عورتیں عموماً حسین وجمیل ہوتی ہیں، پستہ قد۔ نرم ونازک جسم۔ چکنی جلد سیاہ آنکھیں اور ہلکا پیلا رنگ بالکل گڑیاں معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن یہ عورت عام ویت نامی عورتوں کی بہ نسبت زیادہ خوبصورت بھی تھی اور پرکشش بھی۔ اس کے کپڑے جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے تھے۔ گرفتاری کے وقت اس پر ایک بپھری ہوئی شیرنی کا گمان ہوتا تھا اور فرار ہونے کی ناکام کوشش کے دوران ہی اس کے کپڑے جگہ جگہ سے

Marfat.com

چاک ہو گئے تھے۔

دو سپاہیوں نے اس کے دونوں ہاتھ پشت کی طرف باندھے اور اسے اپنے کمانڈر کے سامنے لے آئے۔ کمانڈر ایک نوجوان جنوبی ویت نامی کیپٹن تھا اور اس وقت جنگل کے نشیب میں اپنے مستقل کیمپ میں موجود تھا کیونکہ یہ جنگل ویت کانگ حریت پسندوں کی سب سے بڑی پناہ گاہ تھی۔ لڑکی کو دیکھتے ہی کیپٹن اس کے قریب آیا اور ایک ساتھ کئی سوال پوچھے " تمہارا نام کیا ہے؟ تم کس جگہ کی رہنے والی ہو؟ تمہارے دیگر ساتھی کہاں مقیم ہیں؟۔ تم نے دستی بم کہاں سے حاصل کئے ہے۔

لڑکی ہر سوال کا جواب غصہ سے پیچ و تاب کھاتی ہوئی ناگن کی مانند اپنے سر کو حرکت دے کر نفی میں دیتی رہی۔ ایک مرحلہ پر سوال و جواب سے اکتا کر اس نے کیپٹن کے منہ پر تھوک دیا۔ لڑکی کو کیپٹن سے اظہارِ نفرت کا یہی طریقہ سب سے زیادہ پسند آیا تھا۔

لڑکی کی اس حرکت پر دو سپاہیوں نے جھپٹ کر اس کے ہاتھ پکڑ کر مروڑنے شروع کر دیئے۔ لڑکی درد سے بے تاب ہو کر چیخ اٹھی۔

" میں تمہیں اپنے سوالوں کا جواب دینے پر مجبور کر دوں گا۔" کیپٹن نے گرج کر کہا۔

کیمپ میں موجود فرانسیسی نامہ نگار اس لڑکی کی بہادری اور لافانی جرائت کی داستان بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ کیپٹن نے اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ " بلا شک و شبہ ویت کانگ لڑکیاں مردوں سے زیادہ جری اور مضبوط ہوتی ہیں" پھر کیپٹن نے سپاہیوں کو لڑکی کو چھوڑ دینے کا اشارہ کیا۔ سپاہیوں نے فوراً ہی لڑکی کو چھوڑ دیا۔ لڑکی سخت متعجب ہوئی اسے ایک لمحہ کے لیے اپنی رہائی کا یقین ہی نہ آیا اس نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے چاروں طرف دیکھا۔ اس نے نظر اٹھائی اور اپنے اردگرد دیکھا جیسے وہ آخری فرار کے لیے تیار ہو رہی ہو لیکن اسی اثنا میں اسے نظر آگیا کہ نوجوان کیپٹن نے اپنی وردی سے پستول نکال کر ہاتھ میں لے لیا ہے۔

Marfat.com

اب راہ فرار اختیار کرنے کی بجائے وہ اپنی جگہ پر ڈٹ کر کھڑی ہوگئی اور غور سے کیپٹن کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی اور پھر جونہی کیپٹن نے پستول کی لبلبی پر ہاتھ دھرا، لڑکی کے چہرے پر مسکراہٹ رقصاں تھی۔ اُس کے چہرے پر اس وقت بھی مسکراہٹ رقصاں تھی جب کیپٹن کے پستول سے آگ کے شعلے نکلے اور لڑکی کے سینے سے خون کا فوارہ جاری ہوگیا۔ وہ منہ کے بل گری اور دوسری سانس بھی نہ لے سکی۔ لیکن اس کے ہونٹوں پر اب بھی مسکراہٹ کھیل رہی تھی یہ الگ بات ہے کہ اب اس کے مسکراتے ہونٹ خون کی سرخی سے رنگین ہو چکے تھے۔

ویت نامی چھاپہ مار حریت پسند عورتوں کی زندگی کا ایک مقصد ہے۔ وہ سامراجیوں کو اپنے ملک کے ایک ایک چپے سے نکال دینے کا عزم رکھتی ہیں وہ اپنے ملک میں سوشلسٹ معاشرہ قائم کرنے کی متمنی ہیں جس میں اپنے محبوب کے ساتھ گیت گا رہی ہوں یا اپنے بچے کو کھلا رہی ہوں یا پھر اپنے گھر میں کھانا پکا رہی ہوں وہ سامراجیوں کو اپنے ملک سے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کرنے کی خواہش مند ہیں۔ وہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکراتی ہیں اس لیے کہ ان کی زندگی کا ایک مقصد ہے۔ انہوں نے جنگ کے مختلف شعبوں میں کام سنبھال رکھے ہیں کوئی جاسوس بنی ہوتی ہے اور کوئی جنگلوں میں چھپ کر حملہ آور سامراجی فوجوں کے تنخواہ دار سپاہیوں کو گولی کا نشانہ بنانے میں مصروف ہے اور کوئی اصرار کر کے گوریلا دستوں میں شامل ہوئی ہے اور دشمنوں کے کیمپوں پر شب خون مار کر اپنے فرائض انجام دے رہی ہے۔

ایک امریکی جنگی مبصر نے چھاپہ مار ویت کانگ عورتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ویت کانگ عورتیں دُنیا کی عام عورتوں سے یکسر مختلف ہیں ان کی شخصیت میں ندرت ہے اگر وہ محاذ پر نہ ہوں تو دشمن کے مردوں کو خط لکھ کر شرم دلاتی رہتی ہیں کہ وہ مرد تو ہیں پر ہتھیار اٹھا کر بزدلی کا ثبوت دے

Marfat.com

رہے ہیں ۔ شادی شدہ کمیونسٹ عورتوں کی اوّلین خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے شوہر کے ہمراہ محاذِ جنگ پر موجود ہوں اور ہاتھ میں رائفل سنبھالے اپنے شوہر کے شانہ سے شانہ ملاکر دشمنوں کا صفایا کر رہی ہوں ۔

دیت نامی خواتین کے جنگی کارنامے مظہر ہیں کہ وہ بہترین سپاہی کی خوبیوں سے آراستہ وپیراستہ ہیں ایک ۵۱ سالہ دیت کانگ خاتون جس کا نام "نون بھی ڈینھ" ہے ۔ ۱۹۴۰ء سے گوریلا دستوں میں شریک ہے اور ان دنوں شمالی محاذ آزادی کی ڈپٹی کمانڈر کے فرائض سرانجام دے رہی ہے ۔

"کم لان" نام کی ایک دوسری دیت کانگ خاتون بھی ایک گوریلا دستہ کی کمانڈر ہے اس کی کمر میں ہر وقت دو بھرے ہوئے پستول دیکھے جاتے ہیں اور وہ سائیگان کے قریب منڈلاتی رہتی ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے دشمن کے سینکڑوں سپاہیوں کو اپنے پستول کی گولیوں سے موت کے گھاٹ اتارا ہے ۔ دیت کانگ عورتیں بھیس بدل کر سائیگان کی سڑکوں پر گھومتی رہتی ہیں اور جوں ہی موقع ملے سرکاری عمارتوں کو دستی بموں سے کھنڈر بنا دیتی ہیں ۔ وہ بھیس بدلنے کی اس قدر ماہر ہیں کہ انہیں کوئی بھی شناخت نہیں کر سکتا ۔

ایک شام کا واقعہ ہے دو نہایت حسین عورتیں دلیسی لباس میں ملبوس پولیس ہیڈکوارٹر کے پھاٹک پر پہنچیں اور گارڈ سے اشارے بازی میں مصروف ہو گئیں ۔ گارڈ ابھی ان کی طرف متوجہ ہوا ہی تھا کہ اسی دوران ایک تیز رفتار جیپ عمارت میں داخل ہوئی اور اس میں سے دو سپاہی برآمد ہوئے جنہوں نے ساری عمارت پر دستی بم پھینکے جس کے نتیجہ میں عمارت بھی کھنڈر بن گئی اور ان گنت امریکی اور ان کے حاشیہ بردار جنوبی ویت نامی بھی موت کے شکار ہو گئے بعد میں ان عورتوں کو تلاش کیا گیا تو وہ غائب ہو چکی تھیں ۔

ویت کانگ عورتوں کی بہادری کا یہ عالم ہے کہ وہ ہر لمحہ مسلح رہتی ہیں ان کے گلے میں سونے کے ہار کی جگہ کارتوس کی پیٹی لٹکی دیکھی جاتی ہے ۔ کمر میں چاقو اور پستول بھی دیکھے جاتے ہیں وہ دشمنوں کے مورچوں میں اس

Marfat.com

جرأت اور بہادری سے گھس جاتی ہیں کہ عام حالات میں مرد تک اس کی جرأت نہیں کر سکتے ۔

گذشتہ جولائی کا واقعہ ہے ویت کانگ وطن دوستوں کو اپنے مخبروں کے ذریعے اطلاع ملی تھی کہ سرکاری فوج "کیوہنوں" سے ۳۰ میل دور آگے آگئی ہے اور اس کے ہمراہ اسلحہ اور گولہ بارود کا بڑا ذخیرہ بھی ہے۔ ویت کانگ گوریلا عورتوں کا ایک دستہ وہاں سے ۱۵ میل دور مقیم تھا۔ انہیں جوں ہی یہ خبر ملی وہ حملہ کرنے کے لیئے چل پڑیں۔ راستہ میں گھنے جنگل بھی آئے اور خار دار پہاڑیوں نے بھی ان کا راستہ روکا لیکن وہ صرف پانچ گھنٹے میں یہ فاصلہ طے کر گیئں وہ ایک ایسے چھوٹے سے پہاڑی نالے کے کنارے جا پہنچیں جس کے دوسرے کنارے پر جنوبی ویت نام کا فوجی کیمپ تھا دشمن کو سامنے دیکھ کر وہ خود پر قابو نہ پا سکیں اور انتہائی تھکن ، سخت بھوک اور پیاس کے باوجود بھوکی شیرنیوں کی طرح فوجی کیمپ پر جھپٹیں ۔

مسلسل پیش قدمی سے ان کے لباس چاک ہو چکے تھے پاؤں زخمی تھے لیکن وہ انجام کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے دستی بموں کی بارش کرتی ہوئی اور مشین گنوں سے لگاتار گولیاں برساتی ہوئی کیمپ کے عین درمیان میں پہنچ گیئں اور اس سے قبل کہ جنوبی ویت نامی فوج ہوشیار ہوتی اور ان کے حملہ کا جواب دیتی وہ جنوبی سپاہیوں کی لاشوں کے ڈھیر لگا چکی تھیں۔ ایک جنوبی ویت نامی سپاہی نے بعد میں اس حملہ کی روئیداد بیان کرتے ہوئے کہا۔

میں نے اس سے زیادہ خوفناک جنگ اور اس سے زیادہ حیران کن منظر اپنی ساری زندگی کے دوران نہ دیکھا ہے اور نہ سُنا ہے ۔ ان عورتوں کی بہادری کا یہ عالم تھا کہ ایک ویت کانگ حملہ آور عورت کے ہاتھ سے رائفل زمین پر گر گئی لیکن اس نے راہ فرار اختیار کرنے کی بجائے ایک سپاہی پر خالی ہاتھ حملہ کر دیا اور اپنے تیز نکیلے ناخنوں سے اس کی آنکھیں نکال لیں ۔

" دلات " کی مشہور جنگ میں ایک ویت کانگ گوریلا عورت زندہ

Marfat.com

گرفتار ہوگئی تھی اس عورت کا قد لمبا، بال ریشم سے بھی زیادہ ملائم اور جسم مرمر سے بھی زیادہ چکنا تھا اس نے جنگی قیدی کیمپ میں اپنی زندگی کے حالات یہ بتائے کہ میں نے ۱۹۴۲ء میں ایک دیہات میں جنم لیا تھا۔ آنکھ کھولنے پر مجھے اپنے چاروں طرف جنگ، غربت اور بھوک کے سائے منڈلاتے نظر آئے پہلے ہمارے دشمن فرانسیسی تھے اور اب امریکی ہیں۔ مجھے صرف ایک سبق پڑھایا گیا ہے جو یہ ہے کہ جب تک ہماری سرزمین پر ایک بھی غیر ملکی موجود رہے گا۔ ہمارے ملک میں امن اور خوشحالی نہیں آسکتی۔ میں ۱۴ برس کی عمر سے چاول کے کھیتوں میں بحیثیت مزدور کام کرنے لگی تھی۔ کام اس قدر سخت اور بیزار کن تھا کہ مجھے دو سال کے بعد گھبرا کر ہنوئی آنا پڑا جہاں مجھے ایک ہوٹل میں میٹر کی نوکری مل گئی۔ فرصت کے اوقات میں مردوں سے میٹھی میٹھی باتیں کر کے بھی مجھے کچھ رقم مل جاتی تھی۔ انہی ایام میں میری ملاقات ایک بوڑھے تاجر سے ہوگئی جس نے ایک رات نشے کی ترنگ میں مجھے بتا دیا کہ وہ بارود میں ریت ملا کر فرانسیسی حکام کے ہاتھوں فروخت کر رہا ہے اور اس طرح بڑی دولت جمع کر چکا ہے۔ میں نے یہ اطلاع پولیس تک پہنچائی تو مجھے اس مخبری پر نقد انعام بھی ملا اور عورتوں کے ایک نیم فوجی دستہ میں بھی ملازم رکھ لیا گیا۔ یہ میری فوجی زندگی کی ابتدا ہوگئی۔

بعد میں میرا ضمیر جاگا اور مجھے اچھے برے کی پہچان ہوئی تو میں ویت کانگ وطن دوستوں میں شامل ہوگئی اور اس وقت سے آج تک میری زندگی کا ایک ہی مقصد ہے وہی مقصد جو لاکھوں کروڑوں وطن دوست ویت نامی عورتوں کا ہے ہم اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک مکمل فتح حاصل نہ کرلیں اور سامراجیوں کی فوج کے تنخواہ دار سپاہیوں کو اپنے وطن سے نکال باہر نہ کریں۔

ویت کانگ حریت پسند خواتین کی مساعی کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی سامراجی حکومت نے ڈاکٹر ہوچی منہ کے حریت پسندوں کے

Marfat.com

سامنے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں اور ویت نامی حریت پسندوں کو تاریخی فتح حاصل ہوئی ہے۔

کنشک

برصغیر پاک و ہند پر ہمیشہ بیرونی لوگ حملے کرتے رہے ہیں۔ اشوک اعظم کی وفات کے بعد ۲۳۶ ق م ۱۹۷ء کے زمانہ میں باختری یونانیوں نے پنجاب اور اس کے آس پاس کے علاقے فتح کر لیئے تھے۔ اس کے بعد ساکا یا اسکائی قبیلے نے عروج حاصل کیا اور مدت تک پنجاب پر حکومت کی۔ سیالکوٹ اس کی حکومت کا مرکز تھا۔

اشکانیوں کے بعد یہاں کوشانی آئے۔ کوشانی اس قوم سے تعلق رکھتے تھے جو چین کے مورخوں کے نزدیک "یواہ چی"[1] تھی۔ یہ قوم چین سے نکالی گئی تو افغانستان پہنچ کر اس ملک پر قابض ہو گئی۔ پھر پہلی صدی عیسوی میں یہ قوم ہندوستان آگئی۔ اس قوم کے سب سے بڑے بادشاہ کا نام کنشک تھا۔

کنشک ۱۲۰ء میں تخت نشین ہوا اور انتیس برس تک حکمران رہنے کے بعد ۱۴۹ء میں انتقال کر گیا۔ وہ ایک بہادر جنگجو تھا جو ہر وقت نئے علاقوں کو فتح کرنے میں مصروف رہتا تھا۔ اس کے عہد میں کوشانی سلطنت کی حدیں دور تک پھیل گئی تھیں۔ اس نے کشمیر اور پنجاب فتح کرنے کے بعد جنوب میں متھرا اور مشرق میں بنارس کے قرب وجوار کے علاقوں کو

---

[1] بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ یہی لفظ لب و لہجہ کی تبدیلی سے عبرانی زبان میں یاجوج بن گیا تھا اور موگ، لانگ، منگول (مغل) ماجوج بنا تھا۔

Marfat.com

فتح کر لیا تھا۔ وہ ترکستان پر بھی حملہ آور ہوا تھا اور اس نے یارقند، کاشغر اور ختن بھی فتح کر لیے تھے۔

کنشک کو ہر لمحہ نئے نئے علاقوں کی فتح کی فکر رہتی تھی لیکن اس کے امرا و وزرا اس کی آئے روز کی جنگوں سے تنگ آچکے تھے اس لیئے انہوں نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ آئے دن کی لڑائیوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے کنشک کی موت ضروری ہے۔

ایک روز اس کے سرداروں نے موقع پا کر اسے پکڑ لیا اور اس پر بستروں کا ایک ڈھیر ڈال کر خود اوپر چڑھ بیٹھے، نتیجہ میں کنشک کا دم گھٹ جانے سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ مورخوں نے کنشک کو ایک عظیم الشان بادشاہ اور نامور فاتح تسلیم کیا ہے جس کا انجام بھی دوسرے کئی نامور فاتحین کی مانند المناک ہوا تھا۔

کنشک کا اپنا مذہب (بدھ دھرم) تھا۔ ایک جنگجو ہونے کے باوجود اس نے بدھ دھرم کی توسیع اشاعت کے لیے جدوجہد کی اور اس کی کوششوں سے بدھ دھرم چین اور اس کے آس پاس کے علاقوں تک پہنچ گیا۔

اس بادشاہ کے دو دارالحکومت تھے وہ گرمیوں میں کابل کے شمال میں بگرام مقیم رہتا تھا اور سردیوں میں پوشاپو (پشاور) قیام کرتا تھا۔ اسی کے عہد میں ٹیکسلا اور نالندا کی یونیورسٹیوں کو بڑی شہرت حاصل ہوئی تھی۔ ویدک طریق علاج کا مشہور ماہر "چرک" اس کا طبیب خاص تھا۔

Marfat.com

نپولین اعظم

نپولین بونا پارٹ کا تعلق ایک متوسط گھرانے سے تھا، اس نے اپنی محنت، جدوجہد، ذہانت اور مستقل مزاجی سے فرانس کے دستور حکومت میں آئینی ڈکٹیٹر کی حیثیت حاصل کر لی تھی۔

انقلاب فرانس کے بعد فرانس اور یورپ کی شاہی حکومتوں کے درمیان مسلسل جنگوں کا سلسلہ ۱۸۰۲ء میں ایمصینر کے صلح نامہ سے ختم ہو گیا تھا۔ لیکن انگریزوں کے دل فرانسیسیوں کی طرف سے صاف نہ ہوئے تھے۔ اس لیئے انہوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ۱۸۰۳ء میں فرانس کے جہازوں کی گرفتاری کا حکم دے کر فرانس کے خلاف جنگ چھیڑ دی۔ اس کے جواب میں نپولین نے فرانس کی سرزمین پر موجود سارے انگریزوں کو گرفتار کر لیا۔ اس کے بعد ۱۸۰۴ء میں نپولین نے شہنشاہ کا لقب اختیار کر کے اتحادیوں (برطانیہ، روس، آسٹریا) کے ساتھ جنگ چھیڑ دی۔ نپولین نے آسٹریا پر حملہ کر کے فتح حاصل کر لی۔ روسی فوجیں آسٹریا کی مدد کے لیے آئیں تو دسمبر ۱۸۰۵ء میں آسٹرلٹز کے مقام پر نپولین کے لشکر اور روس آسٹریا کی متحدہ فوجوں کے درمیان جنگ ہوئی جس میں نپولین نے شاندار فتح حاصل کی اور آسٹریا کا شہنشاہ نپولین کی شرائط قبول کر کے صلح پر مجبور ہو گیا۔ اس کے فوراً بعد نپولین نے نیپلز کے بادشاہ کی سرکوبی کے لیے لشکر بھیجا جس نے نپولین کو جنگ میں مصروف دیکھ کر بغاوت کر دی تھی اور اپنی مدد کے لیے روسی اور انگریزی فوجیں منگوالی تھیں۔ نپولین کی فوج پہنچی تو روسی اور انگریز بھاگ نکلے اور نیپلز پر فرانسیسیوں کا قبضہ ہو گیا جنہوں نے نیپلز کے مفرور بادشاہ کو معزول کر دیا تھا۔

نپولین نے اپنے ایک بھائی جوزف کو نیپلز کا بادشاہ بنا دیا۔ اس

Marfat.com

دوران میں نپولین نے اپنے دوسرے بھائی لوئی کو ہالینڈ کا بادشاہ مقرر کر دیا تھا جس کے تحت شمالی جرمنی کے چند صوبے بھی تھے۔

پرشیا کے بادشاہ نے اتحادیوں کی شہ پر نپولین کے خلاف جنگ چھیڑ دی۔ نپولین نے پرشیا والوں کو شکست فاش دی۔ پھر نپولین نے برلن پر قبضہ کر لیا اور پولینڈ پر حملہ کر دیا۔ پولینڈ کو فتح کر کے نپولین آگے بڑھا اور بالٹیک کے مقام پر روسیوں کو شکست دی۔ زار روس الیگزینڈر نے نپولین سے عارضی صلح کر لی۔

۱۸۰۷ء میں نپولین نے برلن سے یہ فرمان جاری کیا کہ یورپ کے ملک انگریزوں سے تجارت نہ کریں۔ پرتگال نے اس کی خلاف ورزی کی تو فرانس نے پرتگال پر حملہ کر دیا اور پرتگال کا بادشاہ ۱۸۰۸ء میں انگریزوں کے ایما سے پرتگال چھوڑ کر برازیل کی پرتگیزی نوآبادی میں آ گیا۔ ہسپانیہ میں تخت کے دو دعویداروں کا جھگڑا شروع ہوا تو نپولین نے یہ جھگڑا ختم کرنے کے لیے اپنے بھائی جوزف کو نیپلز سے بلا کر ہسپانیہ کا بادشاہ بنا دیا اور نیپلز کی بادشاہی اپنے ایک ساتھی جرنیل مرات کے سپرد کر دی۔ اس پر تخت ہسپانیہ کے ایک مدعی فرڈ ننینڈ ثالث نے فرانسیسیوں پر حملے شروع کر دیئے ملک میں اس کے حامیوں کی کثرت تھی اس لیے فرانسیسی فوجوں کو کئی جگہ شکست ہوئی۔ یہ دیکھنے کے بعد پرتگال نے بھی نپولین کے خلاف جنگ شروع کر دی اور ان کی مدد کے لیے انگریزی فوج بھی پہنچ گئی۔ نپولین اپنی فوج کے ساتھ ہسپانیہ پہنچا اور صورت احوال کو قابو میں لانے لگا۔ نپولین کو اس طرح مصروف دیکھ کر آسٹریا کے شہنشاہ نے جرمنی کے شہر میونیخ پر قبضہ کر کے فرانس کے خلاف جنگ شروع کر دی۔ نپولین کو پتہ چلا تو فی الفور محاذ پر پہنچا اور آسٹروی لشکر کو جرمنی میں شکست دینے کے بعد وائنا تک پہنچا اور وائنا پر قبضہ کر لیا۔ چند مزید جنگوں کے بعد آخر میں ویگرام کی جنگ میں آسٹریا کے شہنشاہ نے شکست فاش کھا کر نپولین سے صلح کر کے اپنی بیٹی

Marfat.com

کی اس کے ساتھ شادی کر دی ۔ نپولین نے آسٹریا کے شاہی خاندان کے ساتھ رشتہ قائم کرنے کے لیے اپنی محبوب ترین بیوی جوزیفائن کو طلاق دے دی۔

۱۸۰۹ء میں انگریزوں نے ہالینڈ کے ساحلی مقام والچرن پر حملہ کر کے شکست کھائی اور نپولین کے فرمان کے مقابلے میں یہ اعلان کیا کہ جو غیر جانبدار ممالک فرانس کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم کریں گے ان کے جہاز پکڑ لیے جائیں گے ۔ ایک انگریز کپتان نے امریکہ کے ایک جہاز کو روکا تو امریکہ نے ۱۸۱۰ء میں انگریزوں کے خلاف جنگ شروع کر دی ۔ ان ایام میں ہسپانیہ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان میدانِ جنگ گرم ہوا تو کبھی ایک فریق کامیابی حاصل کرتا تو کبھی دوسرا کامیاب ہو جاتا ۔

آسٹریا اور فرانس کے مابین صلح اور رشتہ داری روس کے زار الیگزنیڈر کو پسند نہ آئی اور اس نے فرانس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا ۔ سویڈن نے بھی روس کا ساتھ دیا حالانکہ ان دونوں میں دو برس قبل زبردست جنگ ہوئی تھی ۔ اس پر نپولین نے روس پر حملہ کر دیا۔ روسی ہر محاذ پر شکست کھاتے ہوئے پیچھے ہٹتے چلے گئے اور راستوں کی ہر چیز کو تباہ و برباد کرتے گئے ۔ ۱۸۱۲ء میں نپولین ایک فاتح کی حیثیت میں ماسکو داخل ہو گیا اور حکومت کے صدر مقام کریملن میں قیام پذیر ہوا ۔ یہ دیکھ کر روسیوں نے خود ہی ماسکو شہر کو آگ لگا دی جس سے رسد اور سامان کے سارے ذخیرے جل کر راکھ بن گئے ۔ نپولین نے اس فکر کے تحت کہ اس کی فوج خوراک کہاں سے حاصل کرے گی ۔ مجبوراً اپنی فوج کو واپسی کا حکم دیا ۔ واپسی کے موقع پر فرانسیسیوں پر قیامت ٹوٹ پڑی ۔ ایک تو روس کی کڑکڑاتی سردی نے ان کی جان نکال لی ، دوسرے روسیوں نے ان کا تعاقب کیا ۔ فوج کا بیشتر حصّہ تباہ

Marfat.com

و برباد ہوگیا۔ نپولین بھاگم بھاگ پیرس پہنچا کیونکہ وہاں اس کے خلاف مختلف سازشیں ہو رہی تھیں۔

نپولین کی اس شکست کے باعث روس، سویڈن، انگلستان پرشیا، آسٹریا اور بویریا کے حاکم سب کے سب نپولین کے خلاف متحد ہو گئے۔ لیپزگ میں جنگ ہوئی جس میں فرانسسی فوج کو شکست ہو گئی۔ نتیجہ میں پرشیا کی بادشاہی نے نئے سرے سے زور پکڑ لیا۔ جرمنی کی ریاستوں نے بھی اطمینان محسوس کیا۔ ہالینڈ کے لوگوں نے اپنے پرانے حکمران خاندان کے وارث کو انگلستان سے واپس بلا کر بادشاہ بنا ڈالا۔

۱۸۱۴ء میں اتحادیوں کے لشکرِ جرار نے فرانس پر حملہ کر دیا۔ ہسپانیہ میں انگریز جرنیل لارڈ ولنگٹن فرانسیسیوں کو کئی بار شکست دے کر جنوب مغربی فرانس میں داخل ہوگیا۔ نپولین کی فوج کی شکستوں کا اثر فرانس کے لوگوں پر یہ ہوا کہ سب سے پہلے بورڈیو کے باشندوں نے سفید پرچم بلند کر کے پرانے شاہی خاندان کے وارث لوئی ہژدھم کی بادشاہت کا اعلان کیا۔

پیرس پر اتحادی قابض ہو چکے تھے۔ سینیٹ نے فوری طور پر نپولین کو معزول کر دیا اور لوئی ہشدھم کو تخت پر بحال کر کے اس کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ نپولین بونا پارٹ کو جزیرہ البا میں بھیج دیا گیا تاکہ وہ اپنی بقایا زندگی وہاں عزت سے بسر کر سکے۔

اِس جنگ میں انگریز قوم نے اپنی شاہ پرستی اور ڈپلومیسی کا جو مظاہرہ کیا تھا اس کے تحت وہ یورپ کے بادشاہوں کو بار بار فرانس کے خلاف اکسانے، مشتعل کرنے اور لڑنے میں ہمیشہ کامیابی حاصل کرتے رہے۔

اتحادی ابتدائی معاہدہ پیرس میں مرتب کرنے کے بعد پختہ معاہدہ وائنا میں منعقدہ ایک کانفرنس میں کرنے پر غور وفکر میں محو تھے کہ نپولین سو دن کے بعد جزیرہ البا سے نکل بھاگا اور جہاز پر سوار ہو کر فرانس کی سرزمین میں داخل ہوگیا۔ فوج اور فوجی افسروں نے اس کو خوش آمدید کہا اور اس کے

Marfat.com

پرچم تلے جمع ہو کر اتحادیوں سے جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ اتحادیوں نے ڈیڑھ لاکھ سپاہیوں اور افسروں کی متحدہ فوج تیار کی اور انگریزوں کی انگیخت پر یہ فیصلہ کیا کہ کوئی ملک نپولین سے کسی قسم کا سروکار نہ رکھے گا اور اس کی بادشاہت کو کسی صورت کبھی تسلیم نہیں کرے گا۔

نپولین بونا پارٹ اپنی فوج کے ساتھ بلجیم کی سرزمین میں داخل ہوا تو انگریزوں اور پرشیا والوں کے لشکر وہاں موجود تھے اور اس کا انتظار کر رہے تھے۔ انگریز جرنیل لارڈ ولنگٹن ایک مقام کو چھوڑ کر پیچھے ہٹ آیا اور واٹرلو کے میدان میں چھاؤنی قائم کر دی۔

۱۸ جون ۱۸۱۵ء کے روز نپولین اعظم نے آگے بڑھ کر انگریزی فوج پر حملہ کر دیا۔ وہ پہلے دائیں بازو پر حملہ آور ہوا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ اس نے پھر بائیں بازو پر حملہ کیا تاکہ اسے شکست دے کر پرشیا والوں کی کمک کا راستہ روک سکے۔ لیکن اُسے اس محاذ پر بھی کامیابی حاصل نہ ہوئی اس کے بعد نپولین اعظم نے بڑے جوش و خروش سے قلب پر حملہ کر دیا۔ اس کے حملے کی شدت سے انگریزی فوج کے پاؤں اکھڑنے لگے اور قریب تھا کہ انگریزی فوج بھاگ نکلے کہ اتنے میں انگریزوں کو پرشیا والوں کی کمک پہنچ گئی۔ اس موقع پر ایک اور افسوسناک واقعہ ہوا جو یہ تھا کہ ایک فرانسیسی جرنیل کو نپولین نے ایک خاص وقت پر کمک لے کر پہنچنے کا حکم دے رکھا تھا۔ وہ موسلا دھار بارش ہو جانے کے سبب وقت پر نہ پہنچ سکا۔ اس لئے نپولین کو شکست ہو گئی۔ فرانسیسی لشکر میدان میں جنگ آزما نہ رہ سکا اور راہ فرار پر مجبور ہو گیا۔ نپولین بھی بھاگ کر پیرس آیا تو یہ دیکھ کر سخت مایوس ہوا کہ اس کے اپنے لوگ اُس کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر نپولین نے ایک انگریزی جنگی جہاز پر پناہ لی۔ انگریزوں نے نپولین کو بحر اوقیانوس کے ایک دور افتادہ جزیرے سینٹ ہیلنا میں نظر بند کر دیا۔ یہ جزیرہ افریقہ کے مغربی ساحل سے خاصی مسافت پر واقع ہے۔

Marfat.com

انگلستان اور پرشیا کی افواج کسی مزاحمت کے بغیر پیرس پہنچ گئیں اور فرانسیسیوں کو مجبور کر دیا کہ وہ لوئی کو اپنا بادشاہ بنا لیں۔

اس طرح یورپ کے بادشاہوں نے انقلابی اور جمہوری تحریک کے سرچشمہ فرانس کے خلاف ۱۷۹۱ء تا ۱۸۱۵ء مسلسل جنگیں لڑ کر فرانس کو زیر کر لیا اور اسی سال روس، پرشیا، آسٹریا، انگلستان اور فرانس کے درمیان اس مضمون کا ایک مقدس اتحاد قائم ہو گیا جس میں کہا گیا کہ سارے ممالک یورپ میں خدائی احکام کے تحت امن قائم رکھنے کے لیے متحدہ کوشش کرتے رہیں گے اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ وہ بادشاہوں اور نوابوں کی مراعات کو قائم رکھیں گے کیونکہ اسے وہ خدائی مشیت کے مطابق سمجھتے تھے۔ ان ملکوں نے عارضی طور پر جمہوریت اور حقوق عامہ کی تحریکات کو دبانے میں کامیابی حاصل کر لی تھی۔ اس کے نتیجہ میں نیپلز کی بادشاہت نپولین کے مقرر کردہ بادشاہ مرات سے چھین کر دوبارہ پرانے بادشاہ کے حوالے کر دی گئی۔ وینس کی جمہوریت کا خاتمہ کر کے یہ ریاست آسٹریا کے سپرد کر دی گئی جنیوا کی جمہوری ریاست سارڈینیا کے بادشاہ کی تحویل میں دے دی گئی۔ پولینڈ روس کے حوالے کر دیا گیا۔ سیکسنی کا ملک شاہ پرشیا کو مل گیا۔ یورپ ایک بار پھر بادشاہوں کی مضبوط گرفت کے پھندے میں پھنس گیا۔

نپولین بونا پارٹ نے جزیرہ سینٹ ہیلنا میں نظر بندی کے دوران انتقال کیا تھا۔

نپولین بونا پارٹ (NAPOLEON BONA PARTE) ۱۷۶۹ء میں جزیرہ کارسیکا میں پیدا ہوا تھا۔ پیرس اور برائن کے فوجی سکولوں میں تعلیم پائی اور انقلاب فرانس کے دوران سب سے پہلی کامیابی تولون کے محاصرے ۱۷۹۳ء میں حاصل کی، اس کامیابی میں توپ خانے کی مدد نے اسے سرخرو کیا تھا۔ اس کے بعد نپولین نے جمہوری فوج کے کمانڈر کی حیثیت سے یکے بعد دیگرے متعدد فتوحات حاصل کیں اور ساری قوم

Marfat.com

کا ہیرو بن کر ابھرا۔

اُسے ۱۷۹۷ء میں مصر میں برطانیہ کے خلاف ایک مہم کا کمانڈر بنا کر بھیجا گیا اور وہ ۱۷۹۹ء کے موسم خزاں میں پیرس لوٹ آیا اور حکومتِ وقت کا تختہ الٹ کر خود قونصل اوّل بننے میں کامیاب ہوگیا۔ اُس نے انتظامیہ کی ابتری کو دُور کر کے امن و امان قائم کیا۔ مالی نظام کی اصلاح کی، عدالتوں کے لیے نیا ضابطہ ترتیب دیا اور تعلیم کو عام کرنے کا اہتمام کیا۔ فرانسیسی قوانین کا نفاذ کیا۔

نپولین بونا پارٹ نے ۱۸ رمئی ۱۸۰۴ء کو اپنے شہنشاہ ہونے کا اعلان کیا تھا اور شاہ آسٹریا کی بیٹی ماریا لوہزا سے شادی کی خاطر اپنی بے اولاد بیوی جوزفائن کو طلاق دے دی تھی۔ علاوہ ازیں نپولین نے اپنے بھائیوں کو بھی مختلف ریاستوں کے بادشاہ بنا دیا تھا۔ نتیجہ میں اس کا خاندان بادشاہت کے مزے لوٹنے کے بعد اقتدار سے محروم ہو جانے پر بھی بادشاہت کے مزوں کو فراموش نہ کر سکا۔

اس کے ایک بھتیجے نپولین سوئم ۱۸۰۸ - ۱۸۷۳ء نے فرانس کا آخری بادشاہ بننے کی بھرپور کوشش بھی کی۔ اس سلسلے میں مشہور ادیبہ محترمہ اختر بیگم نے ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے جو روزنامہ امروز کی ۱۴ ر اکتوبر ۱۹۷۵ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا۔ ہم اسے آپ کی دلچسپی اور معلومات کے لیے مصنّفہ کے شکریہ کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

اس وقت انگلستان کے امیرالبحر لارڈ ہارن بلور کی عمر ۷۰ سال ہو چکی تھی۔ یہ وہی امیرالبحر تھے جنہوں نے نپولین بونا پارٹ کو شکست دے کر اپنی بحری فوجی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ انجام دیا تھا۔ جن ایام کا یہ واقعہ ہے اس وقت نپولین کے انتقال کو تیس برس گزر چکے تھے۔ لارڈ ہارن بلور رات کے کھانے سے فارغ ہو کر مشروب پیتے ہوئے اپنے ماضی میں کھوئے ہوئے تھے۔ باہر موسلا دھار بارش ہو رہی تھی اور لارڈ ہارن

Marfat.com

بلور ان سمندری طوفانوں کے بارے میں سوچ رہے تھے جو موسلا دھار بارش کے نتیجہ میں پیدا ہوئے تھے اور ماضی میں ایسے کئی طوفانوں نے لارڈ کی اپنی زندگی میں ہلچل مچا دی تھی ۔

گو لارڈ ہارن بلور کی سوچ کا محور ماضی کے طوفان تھے لیکن آج کی موسلا دھار بارش بھی حال کے ایک ایسے طوفان کا پیش خیمہ تھی جو دبے پاؤں اُن کے دھارے کی سمت بڑھ رہا تھا ۔ لارڈ ہارن بلور نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اپنے ماضی میں ڈوب گئے اچانک دروازے پر دستک ہوئی تو انہوں نے آنکھیں کھولیں تو سامنے ملازم کو کھڑے دیکھا ۔

" جناب ایک شخص آپ سے ملاقات کا خواہشمند ہے "

" لارڈ نے بڑی تمکنت سے استفسار کیا " وہ اپنا نام کیا بتاتا ہے ؟

" جناب یوں معلوم ہوتا ہے جیسے وہ کوئی پاگل ہے ۔"

" پاگل ! یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو ؟ لارڈ گفتگو میں دلچسپی لینے لگے

" جناب اس کے پاگل ہونے کا اندازہ اس طرح ہوا کہ وہ اپنا نام " نپولین بونا پارٹ " بتاتا ہے "۔ ملازم نے ڈرتے ڈرتے کہا ۔

" نپولین بونا پارٹ " لارڈ ایک لمحہ کے لیے حیران ہوئے " نپولین تو تیس برس قبل انتقال کر چکا ہے ۔ پھر یہ کون ہو سکتا ہے جو اپنا نام نپولین بونا پارٹ بتا رہا ہے " وہ چند منٹ چپ چاپ سوچ میں محو رہے پھر ملازم سے مخاطب ہوتے " اس شخص کو مجھ سے کیا کام ہے ؟

" وہ آپ سے آپ کی فٹن مانگنا چاہتا ہے "

" میری فٹن " لارڈ نے چونک کر کہا " اسے میری فٹن کیوں درکار ہے " ؟

" اس کا کہنا ہے کہ وہ جلد سے جلد ڈوور پہنچنا چاہتا ہے لیکن بارش نے ریلوے لائن پر ٹرینوں کی آمد و رفت بند کر دی ہے ۔ یوں دیکھنے میں وہ ایک شریف اور نیک آدمی دکھائی دیتا ہے ۔"

" اسے میرے پاس لے آؤ " آخر کار لارڈ نے ملازم کو حکم دیا ۔

Marfat.com

اگلے لمحہ ملازم ایک نوجوان کو اپنے ہمراہ لیے لارڈ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سر جھکا کر بولا " جناب نپولین بونا پارٹ حاضر خدمت ہیں۔" اور لارڈ اس نوجوان پر نظر ڈالتے ہی چونک سا گیا۔ کیونکہ یہ نوجوان صرف نام ہی کا نپولین بونا پارٹ نہ تھا بلکہ اس کی صورت بھی شہنشاہ نپولین سے بڑی حد تک مشابہہ تھی۔

لارڈ ہارن بلور نے دیر تک اس نوجوان پر نظریں مرکوز رکھیں۔

" میں اس وقت آپ کے آرام میں مخل ہو کر جس گستاخی کا مرتکب ہوا ہوں اس کی معافی چاہتا ہوں۔" نوجوان سر جھکا کر بولا۔ گو وہ بڑی عمدہ انگریزی بول رہا تھا لیکن اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ برطانوی نہیں ہے۔

" مجھے آپ سے کیا کہہ کر مخاطب ہونا چاہیئے؟" لارڈ نے قدرے مزاحیہ لہجے میں دریافت کیا۔

" آپ مجھے یور ہائنس کہہ کر مخاطب کر سکتے ہیں۔" نوجوان نے پوری متانت سے جواب میں کہا اور اس کا جواب سن کر لارڈ ہارن بلور کو یقین کر لینا پڑا کہ اس کا مخاطب یقیناً کوئی پاگل ہی ہے۔ انہوں نے قدرے مسکرا کر استفسار کیا " میں ہز ہائنس کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

" مجھے صرف آپ کی فٹن درکار ہے۔" نوجوان نے ایک بردبار شخص کی طرح کہا۔

" لیکن کیوں؟" لارڈ نے دوبارہ مسکرا کر کہا۔

"میں آپ کے ملازم پر یہ حقیقت واضح کر چکا ہوں کہ ریلوے لائن آمد و رفت کے قابل نہیں رہی اور مجھے جلد سے جلد پیرس پہنچ جانا چاہیئے کیوں کہ پیرس میرا منتظر ہے اگر میں وقت پر پیرس نہ پہنچا تو فرانس کی تقدیر سو جائے گی۔ دُنیا کی تاریخ نامکمل رہ جانے کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ اور یورپ کا مستقبل مخدوش ہو جائے گا۔"

Marfat.com

"آپ یقیناً درست فرما رہے ہیں شہنشاہ" لارڈ نے ایک بار پھر ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ لا کر کہا لیکن نوجوان لارڈ کی اس طنزیہ مسکراہٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے دوبارہ گویا ہوا "آپ میری مشکلات سے ناواقف ہیں۔ فرانس میں الیکشن سر پر آپہنچے ہیں اور مجھے آئندہ اڑتالیس گھنٹے میں بہر صورت پیرس پہنچنا ہے۔ آپ مجھے اپنی فٹن دے دیں۔ یہ فٹن مجھے اگلے ریلوے سٹیشن پر پہنچا دے گی۔ وہاں سے میں بآسانی دوسری ٹرین پر سوار ہو کر ڈوور پہنچ سکوں گا۔ جہاں سے مجھے سٹیمر کے ذریعے ساحل فرانس پر پہنچنا ہے۔"

نووارد نوجوان نے ابھی بمشکل اپنا جملہ پورا کیا تھا کہ لارڈ کی نوجوان حسین لڑکی باربرا کمرے میں داخل ہوئی اور اپنے باپ کو ایک نوجوان اجنبی سے باتیں کرتے دیکھ کر بولی "ڈیڈی یہ کون ہے؟"

"نپولین بونا پارٹ۔" لارڈ ہارن بلور نے حسب سابق طنزیہ انداز میں کہا۔

نوجوان آگے بڑھا اور باربرا کے آگے تعظیم سے سر جھکا کر اس کے ہاتھوں کو ایک بوسہ دیتے ہوئے بولا۔" امیر البحر کی حسین بیٹی کو میری طرف سے محبت بھری دعائیں۔"

لارڈ ہارن بلور کی طنزیہ مسکراہٹ اچانک دم توڑ گئی اور اس نے پہلی بار محسوس کیا کہ اس کا مخاطب واقعی نپولین بونا پارٹ ہے وہ نپولین جس کا تیس سال پہلے انتقال ہو چکا ہے اس نے گھبرا کر اپنے ملازم کو پکارا اور جب ملازم آ گیا تو اس سے کہا "فوراً فٹن تیار کر کے آپ کو اگلے سٹیشن پر لے جاؤ۔ آپ کے پاس چونکہ وقت بہت کم ہے اس لیے تمہیں اس طوفانی رات میں سولہ میل کا فاصلہ جلد سے جلد طے کرنا ہو گا۔"

"آپ نے مجھ ہی پر نہیں سارے یورپ پر احسان کیا ہے۔ ممکن ہے یورپ آپ کے اس احسان کو فراموش کر دے لیکن میں آپ کے اس احسان کو اپنی زندگی کے کسی لمحہ بھی بھول نہ سکوں گا۔" نوجوان نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید کہا "اگر قدرت میرے حال پر مہربان رہی تو دوبارہ

Marfat.com

آپ سے ملوں گا ۔ آپ میرا نام یاد رکھیئے گا ۔"

دس منٹ میں فٹن تیار ہوگئی اور نوجوان حیران وششدر لارڈ ہارن بلور سے رخصت ہوکر چلا گیا ۔ گو لارڈ ہارن بلور نے نوجوان کی خواہش پوری کر دی تھی اور اُسے اپنی فٹن میں بھیج دیا تھا لیکن وہ مسلسل اس سوچ میں محو تھے کہ یہ پاگل نوجوان کون ہو سکتا ہے ۔

چھ روز بعد "روزنامہ ٹائمز" میں پیرس کی ایک خبر شائع ہوئی اس خبر میں بتایا گیا تھا کہ پرنس نپولین بونا پارٹ کو جمہوریہ فرانس کی صدارت کے لیے بطور اُمیدوار نامزد کر دیا گیا ہے ۔ دو ماہ بعد امیر البحر لارڈ ہارن بلور کو فرانس کے صدر کی طرف سے ایک خط موصول ہوا جس میں اس طوفانی رات میں اپنی فٹن دینے پر ان کا شکریہ ادا کیا گیا تھا یہ نوجوان صدر فرانس صدارت کی میعاد گزارنے کے بعد فوج کے ساتھ سازباز کر کے تخت فرانس پر قابض ہو گیا تھا ۔ تاریخ اسے نپولین سوئم کے نام سے یاد کرتی ہے ۔ امیر البحر لارڈ ہارن بلور دیر تک اس سوچ میں محو رہے کہ کبھی کبھی موسلا دھار بارش واقعی ایک طوفان کا پیش خیمہ بن جاتی ہے ۔

نپولین سوم ، نپولین بونا پارٹ کا بھتیجا اور فرانس کا آخری بادشاہ تھا ۔ اس نے فرانس کا تخت حاصل کرنے کے لیئے ۱۸۳۶ء اور ۱۸۴۰ء میں ناکام کوشش کیں ۔ پھر وہ ۱۸۴۸ء کے کامیاب انقلاب کے بعد جمہوریت پسندوں کی صف میں شامل ہو گیا اور اُسے جمہوریہ فرانس کی صدارت کے لیئے بطور امیدوار نامزد کر دیا گیا ۔ انتخاب میں کامیابی کے بعد وہ صدر مقرر ہوا ۔ ۱۸۵۱ء میں اُس نے آئین منسوخ کر دیا اور اپنے شہنشاہ ہونے کا اعلان کر دیا ۔ اس کے بعد اس نے میکسیکو اور اٹلی کے داخلی معاملات میں مداخلت کی تو فرانس میں اس کی مخالفت شروع ہو گئی ۔ نتیجہ میں جب ۱۸۷۰ء میں فرانس کو جرمنی کے مقابلے میں شکست ہوئی اور فرانس میں انقلاب آیا تو نپولین سوئم نے بھاگ کر انگلستان میں پناہ لی اور وہیں انتقال کیا ۔ اس طرح نپولین بونا پارٹ کا خاندان انگریزوں کی حسبِ خواہش شاہان یورپ

Marfat.com

کی صف سے نکل کر گمنامی کی موت مرگیا۔

ٹرینڈاڈ کا فاتح

جیمز ہارڈن ہیکے نے سان فرانسسکو میں ایک ستانی متمول خاندان میں جنم لیا تھا۔ وہ فرانس کے ایک فوجی سکول کا طالب علم تھا۔ جب ایک کمانڈنٹ کی بیوی کے باعث اُسے سکول چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس کے بعد وہ قانون کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ایک مختصر عرصے تک پیرس میں وکالت بھی کرتا اور ممتاز وکلاء میں شمار ہونے لگا۔ لیکن جلد ہی وُہ پیشہ ترک کرکے تصنیف وتالیف میں مصروف ہوگیا اور کئی ایسی کتب کا مصنف و موئف بن گیا ـــــــ جو مارکیٹ میں بے حد پسند کی گئیں۔ پھر جب اس کا دل قلمکاری سے بھر گیا تو اس نے صرف ایک سال کے مختصر عرصہ میں مجسمہ سازی کے فن میں اس قدر مہارت پیدا کرلی کہ ماہر مجسمہ ساز بھی حیران رہ گئے۔

لوئیس نپولین کے زوال پر فرانس میں بادشاہت کا خاتمہ ہوا تو وہ شاہ پرستوں کی ایک خفیہ تنظیم کے ایک سرگرم ممبر کی حیثیت سے نیک نام ہوا پھر جلد ہی اس کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ کیوں نہ خود اپنے لیئے کوئی مملکت حاصل کرنے کی سعی کرے۔ گو شاہ پرستوں کی خفیہ جماعت کوئی نتیجہ حاصل کئے بغیر ختم ہوگئی تھی، لیکن ہارڈن ہیکے کے ذہن میں اپنے لیے کوئی مملکت حاصل کرنے کا خیال روز بروز جڑ پکڑتا جارہا تھا۔

ڈی لالبوسری نامی ایک شخص سے اس کی ملاقات شاہ پرستوں کی اسی خفیہ تنظیم کے دفتر میں ہوئی تھی۔ دونوں کے خیالات میں یکسانیت تھی اس لیے ایک دوسرے سے گہرے دوستانہ تعلقات قائم ہوگئے تھے۔ شاہ پرستوں کی خفیہ جماعت کی ناکامی کے بعد ہیکے نے پانچ سال تبّت، برما، مدغاسکر اور قریب مشرق کی سیاحت میں گذارے اور اس کے بعد اپنے ایک طویل المدت منصوبہ

Marfat.com

کے تحت جنوبی امریکہ کے انتہائی جنوب میں کیپ ہورن کے راستے ہندوستان کی طرف جانے والے ایک جہاز پر سوار ہوگیا۔ وہ اپنے وقت کا بیشتر حصہ جہازوں کے ملاحوں کے پاس گذارتا اور ان سے گمشدہ خزانوں اور پُراسرار جزیروں کی داستانیں سنتا رہتا۔ بحری مسافت میں وقت گذارنے کا اس سے دلچسپ اور آسان نسخہ اور کیا ہوسکتا تھا۔ اسے انہیں داستانوں میں ایک بار بحراوقیانوس کے ایک چھوٹے سے جزیرہ ٹرینیڈاڈ کا ذکر سُننے کا موقع ملا اور اس نے اپنی خیالی مملکت کو حقیقت کا جامہ پہنانے کے لیئے ٹرینیڈاڈ کا انتخاب کرلیا۔ ملاحوں کی زبانی اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ نوسال قبل پرتگالی نوآبادکاروں نے اس جزیرے کو اپنی نوآبادی بنانے کی کوشش کی تھی لیکن ان کی ساری کوششیں پُراسرار طور پر ناکام ثابت ہوئی تھیں اور وہ جزیرہ آج تک غیرآباد تھا۔ ہارڈن ہیکے کے دل میں یہ جزیرہ دیکھنے کا اشتیاق اس حد تک پیدا ہوا کہ وہ بےساختہ جہاز کے کپتان سے جہاز کو متعین راستے سے ہٹاکر ٹرینیڈاڈ کی طرف لے چلنے کی درخواست کربیٹھا ظاہر ہے باہوش کپتان نے خلاف قاعدہ راستہ اختیار کرنے کی بجائے اسے جھڑک دیا۔

جہاز بڑے مزے سے اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا تھا کہ یکایک سمندر میں طوفان آگیا اور جہاز اپنے مقررہ راستے سے بھٹک کر ٹرینیڈاڈ کے جزیرہ کی طرف چلاگیا۔ طوفان نے جہاز کو ایک تنکے کی طرح ٹرینیڈاڈ کے جزیرہ پر پہنچا دیا۔ مجبوراً کپتان نے جہاز کو اس پُراسرار جزیرہ کے کنارے ٹھہرالیا اور ہارڈن ہیکے نے اس سمندری طوفان کو اپنی غیبی امداد سمجھا اور ایک ہسپانوی لڑکی کو اپنے ہمراہ لے کر جزیرے کی سیر کو چلا۔ دونوں گھنے جنگل میں راستہ بناتے ہوئے سامنے نظر آنے والے پہاڑ کی چوٹی کی طرف بڑھتے گئے آخرکار پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ کر رُک گئے۔ ہیکے نے اپنے سانس کے زیروبم پر قابو پانے کے بعد پلٹ کر جہاز کی طرف دیکھا اور ہوا میں اپنا ہاتھ لہرایا۔ جہاز پر سوار ان کے ہمسفروں نے ہاتھ ہلا ہلا کر ہیکے اور اس کی ہسپانوی ہمراہی کی ہمت افزائی کی۔

Marfat.com

چوٹی پر پہنچ کر ہیکے نے ایک درخت سے مضبوط اور لمبی شاخ توڑی اور اپنی سفید سلک کی قمیص بدن سے اتار کر اس شاخ میں جھنڈے کی طرح باندھ دی۔ یہ گویا ٹرینیڈاڈ کی آزاد مملکت کا پرچم تھا۔ اس پرچم کو زمین پر گاڑنے کے بعد ہیکے اور اس کی ہمراہی نے ایک بار پھر جہاز کی طرف داد طلب نگاہوں سے دیکھا۔ لوگوں نے اس بار بھی زور زور سے تالیاں بجاکر دونوں کی حوصلہ افزائی کی۔ اس طرح اب جیمز ہارڈن ہیکے کو شاہ جیمز اوّل بننے میں پوری اخلاقی مدد مل گئی تھی۔

ہیکے نے اس جزیرے کی تسخیر کے بعد اپنا آگے جانے کا پروگرام ملتوی کردیا اور برازیل کی بندرگاہ ریوڈی پر اس جہاز سے اتر کر ایک دوسرے جہاز پر سوار ہوکر نیویارک کی راہ لی۔ ریوڈی کی بندرگاہ سے اس نے اپنے دوست ڈی لابوسری کے نام ایک تار روانہ کیا کہ یہ تار پانے کے بعد اسے سب سے پہلا کام مملکت ٹرینیڈاڈ کا سفارتخانہ قائم کرنا ہوگا۔ بندرگاہ ریوڈی سے اس نے اس ہسپانوی لڑکی کے نام بھی ایک خط روانہ کیا جس سے اسے ٹرینیڈاڈ کی فتح میں مدد دی تھی۔ خط میں شاہی وقار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے سلطنت کی دریافت میں اس کی اعانت اور خدمات کا دلی شکریہ ادا کرنے کے ساتھ اُسے مملکت ٹرینیڈاڈ کے سب سے بڑے اعزاز "آرڈر آف بلیو گارٹر" سے بھی نوازا گیا۔

ہارڈن ہیکے نے نیویارک پہنچ کر اپنی مجوزہ سلطنت کے محل وقوع اور مستقبل کے بارے میں ایک کتابچہ چھپوایا اور ان لوگوں کے نام پوسٹ کردیا جو اس کے خیال میں بہترین رعایا بن سکتے تھے۔ اس کی متوقع رعایا کی فہرست میں امریکہ کے متمول لوگوں اور خوبصورت خواتین کی ایک بڑی تعداد بھی شامل تھی۔ جن کے نام کتابچہ بھیجا گیا تھا۔ اس کے بعد ہارڈن ہیکے نے اپنے وزیر خارجہ موسیو ڈی لابوسری کو اپنی مملکت کے سفارت خانہ واقع نیویارک میں ایک پریس کانفرنس طلب کرنے کا حکم دیا۔

Marfat.com

پریس کانفرنس کے مقررہ دن اور وقت پر نیویارک کے وسطی علاقہ میں ایک سہ منزلہ عمارت کے صدر دروازے پر ایک شخص جس کی وضع قطع اور گفتگو سفیروں سے مشابہ تھی ۔ اخباری نامہ نگاروں اور پریس فوٹوگرافروں کے شناختی کارڈ پر ایک نظر ڈالتا ، فوجی انداز میں داہنی طرف گھوم کر بلند آواز میں اعلان کرتا ۔ " مسٹر ولیم سٹاف رپورٹر دی ورلڈ "

" مسٹر پینیے دوبواتر نمائندہ خصوصی دی ٹائمز "

" مسٹر رچرڈ ہارڈنگ وقائع نگار خصوصی پوسٹ اینڈ ٹیلی گراف ۔ "

یکے بعد دیگرے اخباری نمائندے کمرے میں داخل ہوتے رہے ۔ لیکن ہر نمائندہ سوالیہ نشان بنا ہوا تھا ۔ کیونکہ آج تک نہ تو کسی اخباری نمائندے نے مملکت ٹرینیڈاڈ کا نام ہی سُنا تھا اور نہ ہی اس مملکت کے بادشاہ شاہ ہیکے کا ۔

سارے اخباری نامہ نگاروں کی آمد کے فوراً بعد ایک خوبصورت اور تندرست و توانا شخص جو ہلکے بھورے سوٹ میں ملبوس تھا تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور ایک گوشے میں دھری ہوئی میز کے قریب آ کھڑا ہوا ۔ پریس فوٹوگرافروں نے فوراً اپنے اپنے کیمرے سنبھالے اور فلش گنوں کی چکا چوند روشنی میں ایک ساتھ کئی کئی تصویریں کھینچی گئیں ۔ پریس فوٹوگرافر اپنے کام سے فارغ ہوئے تو اس شخص نے اپنے ساتھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا ۔

" حضرات ! میں سب سے پہلے ٹرینیڈاڈ کے وزیر خارجہ موسیو ڈی لابوسری کا آپ سے تعارف کرانا ضروری سمجھتا ہوں ۔ "

اس کے بعد اس باوقار شخص نے بڑے ڈرامائی انداز میں سارے اخباری نمائندوں پر نظر ڈالی اور مسکراتے ہوئے کہا ۔ " مجھے جیمز ہارڈن ہیکے کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اب آپ کو مجھ سے جو کچھ دریافت کرنا ہو شوق سے دریافت کریں ۔ "

Marfat.com

کمرے میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ماحول پر اسرار تھا۔ چند ثانیوں کے بعد ٹریبون (TRBUNE) کے نمائندے نے پہلا سوال کیا۔

"جناب کیا ہمارے کانوں نے جو کچھ سُنا ہے وہ درست ہے؟"

"آپ نے جو کچھ سُنا ہے وہ سو فیصد درست ہے"۔ ہیکے نے جواب دیا۔ "میں برازیل کے مشرق میں سات صد میل کے فاصلے پر ایک غیر آباد جزیرہ دریافت کر چکا ہوں، اس جزیرہ کا رقبہ ساٹھ مربع میل ہے اور آج تک دُنیا کی کسی بھی حکومت نے اپنے قبضے یا دعوے کا اعلان نہیں کیا ہے"

چند منٹ کی خاموشی کے بعد ہیکے نے دوبارہ اپنی زبان کھولی "میں اس جزیرے میں آزاد حکومت قائم کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں اور آزاد مملکت کا سربراہ ایک با اختیار بادشاہ ہی ہوگا۔"

"وہ با اختیار بادشاہ کون ہوگا؟" ایک دوسرے نامہ نگار نے دوسرا سوال کیا۔

"میں خود اس مملکت کا بادشاہ بنوں گا۔"

گو اس جواب پر بہت سے اخباری نمائندوں نے یقین نہیں کیا۔ لیکن اس کی بارعب اور پُروقار شخصیت کے باعث کسی کو اسے جھٹلانے کی جرأت نہیں ہوئی۔

"جرنل" کے نمائندے نے قدرے پس و پیش کے بعد سوال کیا۔ مسٹر ہارڈن ہیکے۔ کیا آپ اس کی وضاحت کرنے کی زحمت فرمائیں گے کہ میرا ذہن آپ کی پوری طرح تسلیم کرنے سے کیوں قاصر ہے۔"

"یقیناً اسی وضاحت کے لیے میں نے آپ سب کو تکلیف دی ہے"۔ ہیکے نے "جرنل" کے نمائندے کی بات درمیان ہی سے اچک لی۔ "میں آپ حضرات کی مدد و تعاون سے ساری دنیا کو مطلع کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں "ٹرینیڈاڈ" کا بادشاہ بننے کا مصمم ارادہ کر چکا ہوں۔ میں شاہ جیمز اوّل کے نام سے ٹرینیڈاڈ پر حکومت کروں گا۔"

Marfat.com

اور اس جملے کے ساتھ ہی یہ پریس کانفرنس اختتام پذیر ہوئی۔
اخباری نمائندوں پر کچھ دیر سکتہ طاری رہا تو یہ شخص تیزی سے اپنی جگہ سے اُٹھ کر اپنے دفتر کی طرف روانہ ہو گیا۔ بعد میں دنیا کے نقشے پر ابھرنے والی اس متوقع نئی مملکت کے سفیر متعینہ نیویارک نے اخباری نمائندوں کو ہر طرح مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ ان کے سارے سوالوں کے جواب دیئے اور انہیں پوری طرح مطمئن کر کے چھوڑا۔
جیمز ہارڈن ہیکے نے جزیرے کی آبادکاری کے لیے ابتدائی سرمایہ فراہم کرنا ضروری سمجھا اور اس مقصد کے حصول کی خاطر اپنی حکومت کے بونڈ چھپوا لیے۔ ایک ہزار ڈالر کے یہ بونڈ صرف آبادکاروں کو صرف ایک سو ڈالر میں فروخت کرنے کا فیصلہ ہوا تھا۔ کتابچہ میں اس کی بھی یقین دہانی کرائی گئی تھی کہ جو لوگ مملکت ٹرینیڈاڈ کی رعایا بننے کا فیصلہ کر لیں گے انہیں سان فرانسسکو سے ٹرینیڈاڈ پہنچانے کی ذمہ داری نئی مملکت کے ارباب اختیار کی ہو گی جو سرکاری جہاز میں مُفت سفر کرنے کی سہولت فراہم کریں گے۔
اس پریس کانفرنس کے بعد ہارڈن ہیکے ریاست کرولینا کے شہر چارلسٹن آ گیا۔ جہاں اس نے صرف ایک ہفتے کی قلیل مدت میں تین متمول آدمیوں کو اپنی مملکت کی رعایا بننے پر رضامند کر لیا۔ ان تین اشخاص میں ایک کاؤنٹ اور دو ڈیوک تھے ان تینوں نے ساٹھ ہزار بونڈ خریدے تھے۔
اس کے بعد ہارڈن ہیکے ڈلاس پہنچا۔ جہاں وہ اپنی ایک دیرینہ دوست مس ہرفورڈ کے آبائی مکان پر اس سے ملا۔ مس ہرفورڈ ایک جوان حسین و جمیل عورت ہونے کے علاوہ ٹیکساس میں کئی تیل کے کنوؤں کی واحد مالک بھی تھی ہیکے نے اپنی مملکت ٹرینیڈاڈ کے قدرتی حسن کا ایسا دلکش نقشہ پیش کیا کہ مس ہرفورڈ نہ صرف اس نئی مملکت کے بونڈ خریدنے پر آمادہ ہو گئی بلکہ اس نے اس نئی مملکت کی ملکہ بننے پر بھی اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔ ڈلاس ہی میں ان کی منگنی کا اعلان ہوا اور تین ماہ بعد ان کی شادی کی تاریخ بھی مقرر کر

Marfat.com

دی گئی ۔ اب ہیکے اپنی مملکت کے بونڈ فروخت کر کے اچھی خاصی رقم جمع کر چکا تھا اور اب اپنے اگلے پروگرام پر عمل پیرا ہونا چاہتا تھا جو ایک بحری جہاز کی خریداری پر مشتمل تھا جس پر پہلے تو ٹرینیڈاڈ کی رعایا کو جزیرے تک پہنچانا تھا اور بعد میں اسی جہاز کو فوجی ضروریات کے لیے استعمال کرنا تھا ۔

ہیکے مس ہرفورڈ کی مدد سے تین مستولوں والا جہاز خریدنے میں کامیاب ہوگیا ۔ اس جہاز کا نام پرنس اینجلار رکھا گیا ۔ جہاز کی مرمت بھی کی گئی اور اسے ضروری سامان سے آراستہ و پیراستہ بھی کیا گیا ۔ اس کا سارا عملہ بھی بھرتی کر لیا گیا ۔ اس کے بعد ہیکے نے کئی پریس کانفرنسوں سے بھی خطاب کیا اور اپنی مملکت کا ڈاک ٹکٹ بھی چھپوا لیا ۔ یہ ڈاک ٹکٹوں کی فوری فروخت سے ہیکے کو خاصی معقول رقم ہاتھ آگئی تھی ۔ یہ ٹکٹ ایک ہی ڈیزائن کے تھے ۔ ان کے درمیان میں ہیکے کی تصویر تھی ۔ نیچے ٹرینیڈاڈ چھپا ہوا تھا اور ہیکے کی تصویر کے اوپر تین سمندری بگلے تھے ۔

ہیکے کی پریس کانفرنسوں اور لگاتار سرگرمیوں نے اسے جلد ہی ساری دنیا سے روشناس کرا دیا ۔ ساری دنیا کے اخبارات نے اس کی تصاویر اور اس کی حکومت کے مستقبل کے منصوبوں کی تفصیلات نمایاں طور پر شائع کرنی شروع کر دیں ۔ جس کے نتیجہ میں بعض غیر ملکی حکومتوں نے بھی اس نئی مملکت کے معاملات میں گہری دلچسپی لی ۔ حکومت برطانیہ ان ایام میں امریکہ اور یورپ کو ملانے کے لیئے لائن بچھانے کا ایک منصوبہ ترتیب دے رہی تھی لیکن اسے ابھی تک بحر اوقیانوس میں کوئی درمیانی اسٹیشن دستیاب نہیں ہو سکا تھا اب ٹرینیڈاڈ کا نام سامنے آیا تو برطانیہ نے اسے اپنے منصوبہ میں شامل کر کے درمیانی اسٹیشن بنانے کا فیصلہ کر لیا ۔

ادھر ہارڈن ہیکے نے سفر کی ساری تیاریاں مکمل کر کے اعلان کیا کہ وہ موسم بہار کے آخر میں مس ہرفورڈ سے شادی کے بعد اپنی مملکت کے لیئے روانہ ہوگا ۔ اس اعلان کے فوراً بعد برطانیہ نے جوابی کارروائی یوں کی کہ کیبل بچھانے والے انجینئروں کی ایک جماعت اور ایک بٹالین فوج ٹرینیڈاڈ بھیج دیں ۔

Marfat.com

ہیکے نے امریکی حکومت کے توسط سے برطانیہ کی اس کھلی جارحیت کے خلاف شدید احتجاج کیا لیکن خود امریکی حکومت نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ البتہ ساری دُنیا کے اخبارات نے از راہ حق و انصاف نہ صرف ہیکے کی حمایت کی بلکہ برطانیہ کو جارح قرار دینے کے بعد اس کی سخت مذمّت بھی کی۔ اَن گنت ممالک میں ہیکے کی حمایت میں احتجاجی مظاہرے بھی ہوئے مگر ہیکے کو ساری دُنیا کی ہمدردیاں حاصل تھیں لیکن علی طور پر کسی نے بھی اس کی مدد نہ کی اور اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ وہ بادشاہ بنتے بنتے رہ گیا۔

ہیکے کو اپنے کھیل میں شکست ہوگئی تھی۔ اس کے تصورات پاش پاش ہوگئے تھے۔ وہ سان فرانسسکو واپس آیا اور اپنا جہاز فروخت کرکے سارے عملے کی تنخواہات ادا کیں۔ اُس نے سارے مزدوروں اور کاریگروں کو بھی حرجانہ ادا کیا جنہیں "ٹرینیڈاڈ" کے تعمیراتی منصوبہ کے تحت ملازم رکھا گیا تھا اس نے ان لوگوں کو سارا روپیہ ادا کیا جو اس کی حکومت کے بانڈ خرید چکے تھے۔ اس کے بعد ہیکے نے اپنی مالی حالت کا جائزہ لیا تو وہ ایک بالکل غریب اور نادار شخص تھا۔ اپنی مملکت اور دولت ہار کر وہ ڈلاس کی طرف روانہ ہوا جہاں اُسے اپنی ہونے والی بیوی مس ہرفورڈ سے ملنا تھا۔ وہ ہرفورڈ کے گھر پہنچا تو ایک ملازم کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ خود تو یورپ چلی گئی ہے لیکن اس کے نام ایک خط چھوڑ گئی ہے۔

مس ہرفورڈ نے اس کے نام خط میں لکھا تھا کہ وہ اس کے عزم و ہمّت کی تعریف کرتی ہے اور اس کے ارادوں کو سراہتی ہے۔ اس لئے جونہی ہیکے کی مالی حالت درست ہوئی وہ اس سے شادی کرلے گی۔ ہیکے نے مس ہرفورڈ کا خط پڑھا تو اس کا دل پاش پاش ہوگیا۔ اب اس کی دُنیا اندھیر ہوچکی تھی۔ وہ مایوسی و نامرادی کے بھنور میں پھنسا ہوا نیویارک پہنچا اور اپنے سفارت خانے کی عمارت میں گیا تو دیکھا کہ لا بوسری غائب ہے۔ سفارت خانے کی عمارت بھی سنسان ہے۔ اور سفیر کے کمرے میں گرد سے اَٹے ہوئے میز پر ایک لفافہ

Marfat.com

دھرا ہوا ہے۔ ہیکے نے مایوسی کے عالم میں لفافہ اُٹھایا اور جیب میں رکھ لیا اور چپ چاپ باہر آکر ایک ہوٹل چلا گیا جہاں اسی رات اس نے خودکشی کر لی دوسری صبح اس کے کمرے سے اس کی لاش برآمد ہوئی تو پولیس نے اس کی جامہ تلاشی سے دو لفافے برآمد کیئے پہلے لفافے میں اس کا آخری پیغام درج تھا "میں غلامی کی زندگی پر آزادی کی شریفانہ موت کو ترجیح دیتے ہوئے خودکشی کر رہا ہوں۔ میری موت کو برطانیہ کی جارحیت کی جوابی کارروائی سمجھا جائے"۔

دوسرا لفافہ اس ہسپانوی لڑکی کی طرف سے ہیکے کے نام تھا جس نے ٹرینیڈاڈ کی فتح میں اس کا ساتھ دیا تھا۔ اس لفافہ میں ایک مختصر تحریر تھی۔

"میرے بادشاہ! میرا دل تمہیں ہمیشہ سے بادشاہ تسلیم کرتا ہے اور زندگی بھر بادشاہ ہی تسلیم کرتا رہے گا۔ تم فوراً میرے پاس آجاؤ۔ ہم خوش و خرّم رہ کر ساری زندگی بسر کر دیں گے۔"

اگر ہیکے نے اس لفافے کو کھول کر پڑھ لیا ہوتا تو یقیناً خودکشی نہ کرتا۔

ہٹلر

ہٹلر (Hitler Adolph) ۱۸۸۹ء میں ایک رومن کیتھولک گھرانے میں پیدا ہوا تھا۔ ابتدائی زندگی بڑی غربت و ناداری میں گزاری۔ کچھ عرصہ مصوّری کی تعلیم حاصل کی پھر آرٹس سکول کے امتحان داخلہ میں پاس نہ ہو سکا۔ پہلی جنگِ عظیم کی ابتدا ہوئی تو فوج میں بحیثیت معمولی سپاہی بھرتی ہوا۔ ہٹلر نے ۱۹۲۰ء میں نازی تحریک کی بنیاد رکھی اور ۱۹۲۲ء میں حکومت کے خلاف بغاوت کی جو ناکام ثابت ہوئی۔ ۱۹۲۳ء میں جرمن چانسلر کے عہدہ کے لیے انتخاب میں حصّہ لیا لیکن اس عہدہ کے لیے منتخب نہ ہو سکا۔

۱۹۳۳ء میں ہنڈنبرگ نے ہٹلر کو اپنا وزیرِ اعظم (چانسلر) مقرر کیا تو ہٹلر نے برسرِ اقتدار آتے ہی جرمن پارلیمنٹ توڑ دی اور اپنی سیاسی جماعت نازی پارٹی کے علاوہ باقی ساری سیاسی پارٹیوں کو خلاف قانون قرار دے دیا اور ان جماعتوں کے ارکان، کمیونسٹوں، سوشلسٹوں اور جمہوریت پسندوں کو

Marfat.com

یا تو قتل کر ڈالا یا پھر قید کر دیا۔

ہٹلر خاص طور پر یہودیوں کا شدید مخالف تھا۔ دراصل وہ اس قوم کی خباثت و کمینگی سے بخوبی واقف تھا۔ اس لیئے ہر یہودی کو موت کے گھاٹ اتارنا کارِ ثواب سمجھتا تھا۔

۱۹۳۳ء میں ہٹلر کی نازی پارٹی اپنے ملک کی جنگی طاقتوں کو از سر نو بحال کرنے کا پروگرام لے کر برسرِ اقتدار آئی تھی۔ جب تخفیف اسلحہ کی ساری کانفرنسیں ناکام ثابت ہوئیں تو دُنیا کی ساری آزاد قومیں اپنی اپنی جنگی طاقت بڑھانے میں لگ گیئں تو نازی جرمنی کے چانسلر ہٹلر نے معاہدہ ورسا میں جرمنی کے ساتھ روا رکھی گئی بے انصافیوں کا بدلہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے جرمنی کے چھینے ہوئے یورپی علاقے اور جرمنی کی بیرونی مستعمرات واپس لینے کے اپنے عزائم کا کھلم کھُلا اظہار شروع کر دیا اور ۱۹۳۷ء میں نازی جرمنی نے زیکوسلاویکیہ کے مغربی اضلاع جو "سڈیٹن لینڈ" کے نام سے موسوم تھے اور جن میں جرمن قوم کے لوگوں کی اکثریت آباد تھی اپنے ساتھ ملحق کر لیئے اور اس کے چھ ماہ بعد بوہمیا اور موریویا پر حملے کر کے زیکوسلاویکیہ کو ختم کر دیا۔ ۱۹۳۸ء میں ہٹلر نے آسٹریا کے جرمن نسل کے باشندوں کے ایما پر آسٹریا میں اپنی فوجیں بھیج کر اسے جرمن ریش میں شامل کر لیا۔ آسٹریا کو فاتح اقوام نے الگ ریاست بنا کر جرمنی سے جدا کر رکھا تھا۔ یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو ہٹلر نے ڈینزگ کی بندرگاہ پر حملہ کر دیا اسے جرمن اپنا شہر سمجھتے تھے لیکن معاہدہ ورسا کے تحت اسے جرمن سے کاٹ کر پولینڈ کی تحویل میں دے دیا گیا تھا۔ جرمنی کے اس اقدام سے جرمنی اور پولینڈ کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔

۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو برطانیہ اور فرانس نے پولینڈ کی حمایت میں جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی برطانوی مستعمرات اور برطانوی قلمرو کے مقبوضہ ملکوں کینیڈا، جنوبی افریقہ، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ ہندوستان (برصغیر پاک و ہند) اور دیگر نو آبادیوں کی حکومتوں نے بھی

Marfat.com

جرمنی کے خلاف جنگ کے اعلانات کر دیئے۔ برطانیہ کی دولت متحدہ میں سے آئرلینڈ کی فری سٹیٹ نے غیر جانبداری کا فیصلہ کیا۔

جنگ کی ابتدا سے تقریباً تین ماہ قبل سے برطانیہ کا ایک وفد ماسکو میں بیٹھا ہوا روسی کمیونسٹ حکومت سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی گفتگو میں مصروف تھا اور اس گفتگو کا ابھی کوئی نتیجہ نہ نکلا تھا کہ جرمنی کا وزیر خارجہ جنگ کے اعلان سے دو تین روز قبل طیارے پر سوار ہو کر ماسکو پہنچا اور راتوں رات گفتگو کر کے سوویٹ روس سے مفاہمت کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ نیتجہ میں روس نے غیر جانبداری کا اعلان کر دیا۔

جنگ کا اعلان ہوتے ہی جرمنی فوجیں تیزی سے پولینڈ میں داخل ہو کر آگے بڑھنے لگیں۔ جرمنوں نے خوب تیاری کرنے کے بعد جنگ چھیڑی تھی۔ جرمن افواج مسلح کاروں پر سوار سفر کرتی تھیں۔ میدان کارزار میں جرمن ٹینکوں کی قطاریں آگے رکھتے تھے جو آگ برساتی ہوئی آگے بڑھتی تھیں۔ اوپر سے جرمن جنگی طیارے پر پھیلاتے ہوئے دشمن کی صفوں، مورچوں اور قلعوں پر بمباری کرتے تھے اور ان سب کے پیچھے پیچھے جرمن افواج سیلاب کی مانند آگے بڑھ رہی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی سمندروں میں جرمن آبدوزوں نے تباہی مچا دی۔ جرمنی کے بحری جنگی جہازوں نے اتحادیوں کے بحری جنگی جہازوں پر حملے شروع کر دیئے ۱۷ دسمبر ۱۹۳۹ء کو برطانیہ کے جنگی جہازوں نے جرمنی کے ایک جنگی جہاز "گزف سپی" کو یراگوئے کے ساحل کے قریب گھیر لیا تو جرمن کپتان نے بچاؤ کی کوئی صورت نہ پائی تو اپنے جہاز کو خود ہی غرق آب کر دیا۔

۹ اپریل ۱۹۴۰ء کو جرمنوں نے ڈنمارک پر حملہ کر کے کوپن ہیگن پر قبضہ کر لیا اور ساتھ ہی ناروے پر بھی حملہ کر دیا جہاں جرمنوں نے طیاروں سے چھاتوں کی مدد سے فوج اتاری تھی۔

Marfat.com

مئی ۱۹۴۰ء میں جرمنوں نے اسی تیز رفتاری کے ساتھ بلجیم لکسمبرگ اور ہالینڈ پر حملے کئے اور ان ملکوں پر صرف دو ہفتوں کے دوران میں قبضہ کر لیا۔ بلجیم اور ہالینڈ ہتھیار ڈال کر اپنی اپنی شکست تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس دوران میں برطانیہ اور فرانس کی افواج بھی بلجیم کی امداد کے لیے بہت بھاری تعداد میں پہنچ گئی تھیں اور پسپا ہو کر بلجیم کی بندرگاہ ڈنکرک میں جمع ہونے لگی تھیں۔ یہ دیکھ کر جرمن افواج نے وقت ضائع کئے بغیر اس قدر تیز رفتاری اور شدت سے ڈنکرک پر حملہ کر دیا کہ اتحادی فوجیں تتر بتر ہو کر ساحل کی طرف بھاگ اٹھیں۔ اپنی شکست خوردہ افواج کو نکالنے کے لیے برطانیہ کے ۲۴۲ جنگی اور ۶۳۵ دوسرے جہازوں نے جرمن طیاروں کی بمباری تلے کام شروع کیا اور لگ بھگ ڈھائی لاکھ برطانوی اور تقریباً سوا لاکھ فرانسیسی اور بلجیمی افواج کو جرمنوں کی آتش باری کے جہنم سے نکال کر ساحلِ انگلستان پر پہنچایا تیرہ ۱۳ ہزار برطانوی سپاہی قتل ہو گئے اور چالیس ہزار جرمنوں کے جنگی قیدی بن گئے۔ جرمنوں کو جو مالِ غنیمت ملا اس میں سات سو ٹینک، دو ہزار چار سو توپیں اور پچاس ہزار گاڑیاں بھی شامل تھیں۔ برطانیہ کی ایک جنگی مہم ناروے میں بھی اتاری گئی تھی جو دس جون کو شکست کھا کر واپس لوٹ آئی تھی۔ دس مئی کو برطانیہ کی وزارت جس کے وزیر اعظم چیمبرلین تھے مستعفی ہوئی اور اس کی جگہ ونسٹن چرچل نے نئی جنگی وزارت ترتیب دی۔ دس جون ۱۹۴۰ء کو اٹلی نے بھی جرمنی کا حلیف بن کر جنگ میں شرکت کا اعلان کر دیا اور برطانیہ اور فرانس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔

جرمن افواج نے پولینڈ کی عسکری قوت کو کچل کر وارسا پر قبضہ کر لیا اور جرمنوں نے پولینڈ کا وہ علاقہ جو پہلی جنگ عظیم سے قبل زار روس کی سلطنت میں شامل تھا، دوبارہ روس کے حوالہ کر دیا۔

مغربی محاذ پر جرمن افواج نے سیدان کے مقام پر فرانس کی میجینو لائن توڑ دی۔ قلعہ بندیوں کی یہ قطار فرانس نے اپنی حفاظت اور روک تھام کے

Marfat.com

لیے جرمنی کی سرحد کے ساتھ ساتھ تیار رکھی ہوئی تھی۔ جرمن افواج نے مسلح کاروں اور لاریوں میں سوار برق رفتاری سے فرانس پر حملہ کیا تھا۔ ۱۴ر جون ۱۹۴۰ء کو جرمن پیرس میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے اور ان کی افواج رودبار انگلستان کے فرانسیسی ساحل تک پہنچ گیئں۔ فرانس کی حکومت مستعفی ہو گئی۔ مارشل پیتاں نے نئی حکومت بنائی جس نے جرمنی کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ جرمن افواج فرانس کے بیشتر حصّے پر قابض ہو گئی۔ صرف جنوبی فرانس میں وشی کا ضلع فرانسیسی مملکت کے لیئے چھوڑ دیا گیا تھا۔

فرانس پر قبضہ کرنے کے بعد جرمنوں نے برطانیہ پر طیاروں کے ذریعے زبردست ہوائی حملے شروع کر دیئے۔ ۱۵ر ستمبر ۱۹۴۰ء کو جرمنوں نے لندن شہر پر سینکڑوں طیاروں کے ساتھ بڑی زبردست بمباری کی۔ اس حملہ میں انگریزوں نے جرمنوں کے ۱۸۷ جنگی طیارے گرا کر جرمنوں کی ہوائی طاقت کو زبردست نقصان پہنچایا۔ ۳ر ستمبر ۱۹۴۰ء کو برطانیہ نے امریکہ کو جنگ میں شامل کر کے اس کی امداد حاصل کرنے کے لیے کئی بحری مستقر مثلاً جمیکا، ہنٹ لوسیا، ٹرینیڈاڈ، انڈیا، گووار اور برٹش گائنا پچاس پرانے تباہ کن جنگی جہازوں کے معاوضے میں ٹھیکے پر دیئے اور امریکہ کے ساتھ مفاہمت کر کے نیوفاؤنڈ لینڈ اور برموڈ کے بحری مستقر معاوضہ لیئے بغیر ہی دے دیئے۔ حکومت امریکہ اس وقت تک نقدی دو اور مال لو، کی حکمت عملی اپنائے ہوئے تھی۔ اب اس نے ٹھیکے لے کر قرض دینے کی پالیسی اپنالی۔

۲۷ر ستمبر ۱۹۴۰ء کو جرمنی اور اٹلی نے جاپان کے ساتھ دس سالہ اتحاد کا معاہدہ کر لیا۔

اٹلی کی افواج نے اعلان جنگ کے ساتھ ہی البانیہ کی راہ یونان پر حملہ کر دیا لیکن شکست کھا کر بھاگنے لگیں تو یہ دیکھ کر جرمنوں نے اُن کی مدد کے لیئے یونان پر حملہ کر دیا اور ۲۷ر اپریل ۱۹۴۱ء کو ایتھنز پر قبضہ کر لیا۔

اس دوران براعظم افریقہ میں کبھی اتحادی اور کبھی جرمن ہارتے اور جیتتے

Marfat.com

رہے ۔ ۱۰ مئی ۱۹۴۱ء کو جرمنی طیاروں نے لندن پر زبردست بمباری کی ۔ پارلیمنٹ کا ایوان عام، ولیسٹ منسٹر کا گرجا اور لندن کا عجائب گھر منہدم ہو گئے

۲۲ جون ۱۹۴۱ء کو جرمنی نے روس پر حملہ کر دیا اور جرمن فوجیں دو ہزار میل لمبے محاذ پر روسیوں سے جنگ آزما ہونے لگیں۔ لین گراڈ سے روسٹوف تک دو ہزار میل لمبے محاذ پر لڑائیوں میں پہلے تو نومبر ۱۹۴۱ء کے آخر تک جرمنوں نے لیوا ڈ ، ریگا ، کیف، اوڈلیسہ، کیرچ اور روسٹوف پر قبضہ کر لیا اور روس کے کافی حصے پر قابض ہو گئے۔

۱۵ اکتوبر ۱۹۴۱ء سے ۶ دسمبر ۱۹۴۱ تک جرمنوں اور روسیوں میں ماسکو کے لیے جنگ ہوتی رہی اور جرمن اس مورچے کو سر نہ کر سکے۔ ۲۸ نومبر کو روسیوں نے روسٹوف کا شہر بھی جرمنوں سے واپس لے لیا۔

۱۴ اگست ۱۹۴۱ء کو مسٹر چرچل اور صدر امریکہ روزویلٹ نے بحراوقیانوس میں ایک جنگی جہاز پر ملاقات کی اور اس مضمون کا اعلان نشر کیا کہ اتحادیوں کا سب سے بڑا جنگی مقصد یہ ہے کہ فتح حاصل کر کے دُنیا کی ساری قوموں کو آزادانہ زندگی بسر کرنے کا حق دلایا جائے۔ اس اعلان سے برصغیر پاک و ہند کی غلامی دور ہونے کا امکان پیدا ہو گیا

۷ دسمبر ۱۹۴۱ء کو جاپان نے امریکہ کو جنگ کا الٹی میٹم دینے کے ساتھ ہی جزیرہ ہوائی کے امریکی مستقر پرل ہاربر پر حملہ کر دیا اور کئی امریکی جنگی جہاز غرق آب کر دیئے۔ اس پر امریکہ کے ساتھ برطانیہ نے بھی جاپان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔

جاپانی فوجوں نے تھائی لینڈ (سیام) ملایا شنگھائی پر قبضہ کر لیا۔ اس دوران برطانیہ کے دو جنگی جہاز بنام "پرنس، پرنس آف ویلز اور ری پیلس سنگاپور سے بنکاک پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے ہی تھے کہ جاپانی طیاروں نے ان پر حملہ کیا اور انہیں ڈبو دیا۔

۲۲ دسمبر ۱۹۴۱ء کو جاپان نے فلپائن میں فوجیں اتار کر امریکہ سے جنگ

Marfat.com

چھیڑ دی ۔ ۲۵ر دسمبر کو ہانگ کانگ کی برطانوی فوج نے جو ۱۴ ہزار نفوس پر مشتمل تھی جاپانیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ۔

۱۱ر دسمبر ۱۹۴۱ء کو اٹلی اور جرمنی نے امریکہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ۔ ۱۳ر دسمبر کو ہنگری اور بلغاریہ نے بھی امریکہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ۔

۲۳ر دسمبر ۱۹۴۱ء کو واشنگٹن میں امریکہ اور برطانیہ کے جنگی ماہرین کی کانفرنس منعقد ہوئی اور ۲۶ر دسمبر کو مسٹر چرچل بھی صدر روزویلٹ سے صلاح مشورہ کے لیے واشنگٹن پہنچ گئے

۲ر جنوری ۱۹۴۲ء کو دُنیا کی چھبیس قوموں (برطانیہ، سوویٹ روس، چین ہالینڈ اور ہندوستان وغیرہ (اتحادیوں) نے جرمن، اٹلی اور جاپان (محوری طاقتوں کے خلاف مشترکہ اعلان نشر کیا ۔

اِس سال ۱۹۴۲ء میں جاپانی فوجوں نے فلپائن کے سارے جزائر، نیوگنی، سالومن، سنگاپور، برما، رنگون، پیگو، لاشیو اور مانڈلے سر کر لیئے اور برطانوی فوج کو برما کی سرزمین سے بھگا دیا ۔ اسی سال مارچ میں جاپانیوں نے انڈیمان اور نکوبار کے جزیزوں پر قبضہ کیا اور جنوبی ہند کے ساحلی مقامات کوکوناڈا اور وزگاپٹم پر ہوائی حملے کیئے اور بم برسائے اور جزائر سالومن کے جزیرہ لوگن ویل میں فوجیں اتار دیں ۔

اِس سال ۴ر مئی سے ۸ مئی تک آسٹریلیا کے ساحل کے قریب سومرجان والے سمندر میں برطانوی اور جاپانی بیڑے کے درمیان شدید جنگ ہوئی اور جاپانی بیڑے کو زبردست نقصان اُٹھاکر شکست کھانی پڑی ۔ برطانیہ کے ہوائی لشکر نے ہزاروں بمبار طیاروں کے ساتھ جرمنی کے شہروں پر کئی ہوائی حملے کیئے اور ۱۹ر اگست کو فرانس کے شمالی ساحلی مقام ڈیپے پر آزمائشی حملہ کیا جو ناکام رہا ۔

۱۰ر جون ۱۹۴۲ء کو جرمنوں نے روس میں موسم بہار کی تازہ مہم کا

Marfat.com

آغاز کیا۔ جرمن افواج روس کے کئی شہر فتح کرتی ہوئی ۱۲ر دسمبر کو سٹالن گراڈ میں داخل ہوگئیں۔ سٹالن گراڈ کے باہر اور اندر ہر بازار، گلی، کوچے اور گھر میں روسیوں اور جرمنوں کے درمیان شدید لڑائیاں شروع ہوگئیں جو ۲ر فروری ۴۳ ۱۹ء کو روسی فتح کی صورت میں سامنے آئیں۔ ڈیڑھ لاکھ جرمن فوج روسیوں کے محاصرے میں آگئی اور جرمن کاکیشیا کی سرزمین اور دریائے ڈان کی وادی سے شکست کھا کر بھاگنے لگے۔

۲۱ر جون ۴۲ ۱۹ء کو جرمن جرنیل رومیل کی فوج نے طبروق پر حملہ کیا اور برطانوی فوج کو شکست فاش دے کر بھگا دیا۔ یکم جولائی تک رومیل کی فوجیں العلمین تک پہنچ گئیں جو سکندریہ سے تھوڑی دور مغرب کی جانب برطانوی مدافعت کی آخری چوکی تھی۔ ۲۳ر اکتوبر کو برطانوی فوج نے العلمین پر جوابی یلغار شروع کی۔ اِدھر شمالی افریقہ کے مغربی حصّے یعنی مراکش اور الجزائر میں امریکہ نے اپنی فوجیں اتار دیں جو مغرب سے مشرق کی طرف جانے لگیں۔ ۳ر نومبر کو برطانوی افواج نے طبروق پر اور ۲۰ نومبر تک بن غازی پر قبضہ کر لیا اور آگے بڑھنے کی مہم جاری رکھی۔

۴۳ ۱۹ء شروع ہوا تو جرمن افواج کو لنین گراڈ کا محاصرہ کئے ہوئے سترہ مہینے گزر چکے تھے۔ ۱۸ر جنوری ۴۳ ۱۹ء کو یہ محاصرہ ٹوٹ گیا اور جرمن افواج پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوئیں۔ ۲ر فروری کو سٹالن گراڈ کے مورچے سے بھی روسیوں نے جرمنوں کو مار بھگایا۔ روس کے دو ہزار میل لمبے محاذ پر زبردست جنگ جاری رہی۔ ۱۵ر جولائی ۱۹۴۳ء کو روسیوں نے جرمنوں کے خلاف جارحانہ جنگ شروع کی اور جرمنوں کو محاذ کے کئی حصّوں سے پیچھے ہٹا دیا۔ ۲۵ر ستمبر کو روسیوں نے سولینسک کے شہر اور علاقہ سے نکال باہر کیا۔ ۱۵ جولائی کے بعد سے روس کے محاذ پر جنگ کی حالت میں زبردست تبدیلی واقع ہوگئی۔ جرمن افواج قدم قدم پر شدید مزاحمت کرتے ہوئے روسی فوجوں کے دباؤ کے تحت پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئیں۔

Marfat.com

افریقہ کے شمالی ساحل پر برطانوی فوجوں نے ۲۳ جنوری کو طرابلس پر قبضہ کرلیا۔ اتحادیوں (امریکہ، فرانس اور برطانیہ) کی فوجیں مشرق کی طرف بڑھتے ہوئے چھ مئی کو تیونس اور بیزرٹہ... پر قابض ہوگئیں اور مشرق سے مغرب کی سمت بڑھنے والی برطانوی فوج سے آملیں۔ ۱۲ مئی تک تیونس میں جرمنوں کی مزاحمت کا خاتمہ ہوگیا۔ اتحادی جرمن جرنیل ارنہیم کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ ۱۱ جون کو اتحادی فوجیں پنٹالیریا کے جزیرے پر اتر آئیں۔ یہ جزیرہ سسلی اور تیونس کے درمیان بحیرۂ روم میں واقع ہے۔ ۹ جولائی کو امریکہ اور برطانیہ نے بھی سسلی میں فوجیں اتار دیں۔

برطانیہ اور امریکہ نے بھی یورپ کی سرزمین پر جرمنوں کے خلاف دوسرا محاذِ جنگ کھول دیا۔ روسیوں نے بھی ۱۵ جولائی ۱۹۴۳ء کو روسی محاذ پر جرمنوں کے خلاف جارحانہ جنگ کا آغاز کردیا۔ اتحادیوں کے اس اقدام کے نتیجہ میں اٹلی کے ڈکٹیٹر مسولینی کو معزول ہونا پڑا۔ جنرل بڈوگلیو نے نئی حکومت بنائی اور اعلان کردیا کہ وہ اتحادیوں سے جنگ نہیں کرنا چاہتا۔ ۳ ستمبر کو اتحادی فوجیں سسلی کو فتح کرکے اٹلی پہنچ گئیں۔ اب سسلی اور اٹلی میں صرف جرمن فوجیں اتحادیوں کے خلاف برسرپیکار تھیں۔ ۱۱ ستمبر کو اٹلی کے بحری جنگی بیڑے نے ہتھیار ڈال دیئے۔ وسط اکتوبر تک اتحادی سیوتو، فوگیا اور نیپلز پر قبضہ کرچکے تھے اور کارسیکا کے جزیرے سے بھی جرمن فوج کو نکال چکے تھے۔

برطانیہ کلاں میں امریکی فوجیں جمع ہوچکیں تو امریکہ اور برطانیہ کے طیاروں نے ۲۵ فروری سے جرمنی کے شہروں پر لگاتار زبردست بمباری شروع کردی۔

جاپان گذشتہ سال سے الیوشن کے جزیروں پر قابض تھا جو ایلاسکا اور کیمچٹکا کے جزیروں کے درمیان تھا ــــ ۱۱ مئی کو امریکی فوجیں الیوشن کے ایک جزیرہ آٹو میں اتر کر جاپانیوں سے جنگ آزما ہونے لگیں۔ ۲۵ اگست کو جنوب مشرقی ایشیا کی برطانوی فوجوں کی کمان لارڈ ماؤنٹ بیٹن (آزاد بھارت کے پہلے گورنر جنرل) نے سنبھالی۔

جاپانیوں نے ۱۲ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو پہلی مرتبہ ہندوستان کی بندرگاہ مدراس

Marfat.com

پر بمباری کی۔

یکم دسمبر ۱۹۴۳ء کو طہران میں چرچل، روزویلٹ اور سٹالن کی بزم مشاورت منعقد ہوئی جس میں تینوں بڑوں نے اعلان کیا کہ جنگ کے بعد ایران کی آزادی بحال کر دی جائے گی۔ قبل ازیں اگست ۱۹۴۱ء میں برطانوی افواج نے جنوبی ایران کے ان اضلاع پر حملہ کر دیا تھا۔ جن میں اینگلو پرشین آئل کمپنی کے تیل کے چشمے اور کارخانے تھے۔ ایرانی فوج نے معمولی مقابلہ کیا۔ نتیجہ میں رضا شاہ پہلوی کو تخت سے دستبردار ہونا پڑا۔ برطانیہ کے اس اقدام سے روسیوں نے کاکیشیا سے نیچے اتر کر آذربائیجان کے ایرانی صوبے پر قبضہ کر لیا۔ ایران کی نئی حکومت سے معاہدہ کیا گیا کہ یہ فوجیں جنگ کے خاتمہ کے چھ ماہ بعد ایران سے نکل جائیں گی۔ یہ معاہدہ جنوری ۱۹۴۲ء میں روس، برطانیہ اور ایران کے درمیان ہوا تھا۔

۲۴ دسمبر کو امریکی جرنیل آئزن ہاور، اتحادیوں کی افریقی اور اطالوی مہم کے کمانڈر انچیف کو یورپ کی اتحادی افواج کا اعلیٰ کمانڈر مقرر کر دیا گیا۔ جنرل ہاور نے اپنا ہیڈ کوارٹر انگلستان میں بنایا۔

۱۹۴۳ء میں جرمنی افواج روسی، اطالوی اور افریقی محاذوں پر شکستیں کھا کر بھاگنے لگیں تو اتحادیوں نے اعلان کیا کہ محصوری طاقتیں غیر مشروط طور پر ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیں۔ لیکن جرمنی اور جاپان اس کے لیے تیار نہ تھے۔ اس لیے جنگ ہوتی رہی۔

روسی افواج کے جوابی اقدام کی کامیابی سے متاثر ہو کر جرمنی نے ۱۲ مارچ ۱۹۴۴ء کو ہنگری پر قبضہ کر لیا اور ۲۸ مئی کو بلغاریہ پر حملہ کر دیا۔ اس اقدام سے جرمن چاہتے تھے کہ وسطی یورپ کی جانب روسی فوجوں کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے دفاعی لائن بنا سکیں۔ لیکن روسی فوجوں نے جرمنی افواج کو دھکیلتے ہوئے کبھی محاذ پر ایک حصے اور کبھی دوسرے حصے پر آگے بڑھتی رہیں۔ ۲ اپریل کو روسی افواج دریائے پروتھ کو عبور کر کے رومانیہ میں داخل ہوئیں اور ۸ اپریل تک زیکوسلاویہ کی سرحد پر آپہنچیں، اور محاذ کے جنوبی حصے میں جزیرہ نمائے کریمیا

Marfat.com

سے جرمنوں کو مار بھگانے میں کامیاب ہوئیں۔ ۱۰ اپریل کو روسی فوجوں نے اڈیسہ فتح کر لیا۔ ۲۲ جون تک روسی افواج نے جرمنوں کو اپنی سرزمین سے نکال دیا۔ اور وسطی یورپ کے ملکوں پر چڑھ دوڑیں۔

۲۴ اگست کو حکومت رومانیہ نے اتحادیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور ۳۱ اگست کو روسی فوجیں رومانیہ کے پایۂ تخت بخارسٹ میں جرمن افواج کو شکست دے کر داخل ہوئیں۔ ستمبر کی ابتدا میں روسی بلغاریہ پہنچ گئے اور رومانیہ سے پیش قدمی کرتے ہوئے یوگوسلاویہ میں داخل ہو گئے۔ جرمن افواج نے ہر محاذ پر ان کا مقابلہ کیا۔ ۱۶ ستمبر کو روسیوں نے بلغاریہ کے صدر مقام صوفیہ کو قبضے میں لے لیا۔ ۱۹ ستمبر کو فن لینڈ نے روسیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ ۲۲ ستمبر کو روسیوں کا ایسٹونیا کے صدر مقام تلین پر قبضہ ہو گیا۔ ۵ اکتوبر کو برطانوی افواج یونان کی سرزمین پر اتریں اور برطانوی اور یونانی افواج ایتھنز، پائریس اور کارنو پر قابض ہو گئیں اور ۴ نومبر تک یونان میں جرمن افواج شکست کھا کر پسپا ہو گئیں۔ ۳ دسمبر کو یونان کے اشتراکیوں اور شاہ پسندوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ ۲۵ دسمبر کو یہ جھگڑا ختم کرنے کے لیے مسٹر چرچل ایتھنز گئے۔ ۶ اکتوبر کو روسی ہنگری پر حملہ آور ہوئے اور ۱۳ اکتوبر کو ریگا پر قابض ہو گئے۔ ۱۸ اکتوبر کو روسی زیکوسلاویکیہ میں داخل ہو گئے۔ ۲۹ نومبر کو روسی وسطی یورپ میں آگے بڑھتے ہوئے دریائے ڈینیوب کو عبور کر کے آسٹریا کی سرحد میں داخل ہوئے۔

دوسری طرف اٹلی میں برطانوی اور امریکی افواج جرمنوں کی سخت مزاحمت کے باوجود آگے بڑھتی رہیں۔ گو ان کے آگے بڑھنے کی رفتار روسی فوجوں کی طرح تیز نہ تھی۔ ۱۷ دسمبر تک برطانوی، امریکی اور پولش افواج اٹلی کے شہر کیسینو، روما، فلورنس، فلیسے اور فائنزا پر قابض ہو چکی تھیں۔

۴ جون ۱۹۴۴ء کو اتحادی فرانس میں داخل ہوئے اور نارمنڈی، ٹاؤلون، مارسیلز اور کرسیذیل کو سر کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ۲ ستمبر کو امریکی افواج نے بلجیئم پر حملہ کیا اور برطانوی افواج نے بلجیئم کے صدر مقام برسیلز کو فتح کر لیا۔ اگلے روز برطانوی انیٹورپ میں داخل ہو گئے۔ ۵ ستمبر کو اتحادی افواج

Marfat.com

جرمنی کی سرزمین میں داخل ہوگئیں اور اچن ایکسو لاچیپل اور سار برکن پر قابض ہوگئیں۔ ۱۰ر ستمبر کو لکسمبرگ شہر جرمنوں سے آزاد کرایا گیا۔ ۱۱ر ستمبر کو جرمنی کی مغربی سرحد پر چڑھائی ہوئی۔ ۱۷ر ستمبر کو اتحادیوں نے طیاروں سے اپنی افواج ہالینڈ کی سرزمین پر اتاریں۔ ۳۰ر ستمبر کو جرمنوں نے ڈوور پر بمباری ختم کر دی اور یکم اکتوبر کو کینیڈا کی افواج نے فرانس کے ساحلی شہر کیلیے کو فتح کر لیا۔ ۲۱ر اکتوبر کو آچن کا جرمن قلعہ فتح ہوگیا۔ ۱۸ر نومبر کو امریکی افواج فرانس سے جرمن کی سرحد میں داخل ہوگئیں۔

۲۲ر نومبر تک امریکی میٹیز اور سٹرا بوگ کو اور فرانسیسی افواج مولہاؤس کو فتح کر کے دریائے رہمر کے کنارے تک پہنچ گئیں۔ ۳ر دسمبر تک ان فوجوں نے دریائے سار کو عبور کر لیا۔ ۵ر دسمبر کو سارلاٹرن اور رز وینا کے جرمن قلعے فتح ہوگئے۔ ۱۸ر دسمبر تا ۲۱ر دسمبر جرمنوں نے بلجیئم کی سرزمین میں آرڈینیز کے جنگل میں ۳۵ میل پیش قدمی کی۔ اس حملے کی تیزی کا اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ گو اس میں اتحادیوں کا ہیڈ کوارٹر بالکل تباہ ہوگیا۔ لیکن جرمن افواج اس سے آگے نہ بڑھ سکیں۔

۲۲ر مارچ کو جاپانی افواج کے ہراول دستے ہندوستان کی مشرقی سرحد پر ریاست منی پور میں داخل ہوگئے اور امپھیال کے میدان کا محاصرہ کر لیا جس میں برطانوی افواج مقیم تھیں۔ محاصرہ کرنے والی اس جاپانی فوج کے ہمراہ برما، ملایا اور مشرق بعید کے دوسرے ملکوں کے ہندوستانی باشندوں اور ہندوستان کی افواج سے فرار ہو جانے یا جاپانیوں کی قید میں چلے جانے والے ہندوستانی سپاہیوں کی فوج آزاد ہند فوج بھی تھی جو ہندوستان کے ایک مفرور قومی رہنما سبھاش چندر بوس نے جاپانیوں کی مدد سے تیار کی تھی۔ سبھاش چندر بوس نے آزاد ہندوستان کی ایک عارضی حکومت بھی بنائی ہوئی تھی۔ جسے جاپان اور جرمنی نے ہندوستان کی جائز حکومت تسلیم کر رکھا تھا۔ ۷ر جون کو جاپان افواج شدید جنگ لڑنے

Marfat.com

کے بعد کوھیا کے رقبے سے جو ریاست منی پور کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ لپسپا ہو گئیں۔ ۲۰ ؍ جولائی تک جاپانی افواج اور آزاد ہند فوج امپھال کے جنگی رقبے پر قبضہ کرنے کے لیے جنگ آزما رہیں لیکن کامیابی حاصل نہ کر سکیں اور لپسپا ہونے لگیں۔ ۶ ؍ اگست کو برطانوی فوج کا برما کے سرحدی شہر تامو، ۱۹ ؍ اکتوبر کو ٹیڈھم، ۷ ؍ نومبر کو کینیڈی پہاڑ اور ۹ ؍ نومبر کو فورٹ وائٹ پر قبضہ ہو گیا۔ قبل ازیں جاپانی افواج کے حملے کے دوران برطانوی افواج ان علاقوں کو چھوڑ کر بھاگ آئی تھیں۔

۱۷ ؍ مارچ کو اتحادیوں نے وسطی برما کے جنگل میں طیاروں سے فوجیں اُتار کر عقب سے جاپانیوں کے خلاف جنگی کارروائی شروع کی اور ۲۸ ؍ جون کو مگانگ اور ۳ ؍ اگست کو مٹکیانا کے اہم جاپانی مرکزوں پر قبضہ کر لیا۔ ۲۰ ؍ نومبر کو چینی فوجوں نے بھامو پر زبردست حملہ کر دیا۔ ۳ ؍ دسمبر کو برطانیہ کی افریقی حبشی فوج نے کلیوا کا مورچہ فتح کر لیا۔ ۵ ؍ دسمبر کو برطانوی فوج نے اراکان میں پوکتی ڈانگ کو جاپانیوں سے چھینا۔ ۱۶ ؍ دسمبر کو وسطی برما اور جنوبی برما کی اتحادی فوجیں دریائے چندون کے مشرق میں ایک دوسرے سے مل گئیں۔

اس سال امریکیوں نے بحرالکاہل کے بعض جزیروں (جو جاپانیوں کے قبضے میں آچکے تھے) پر اپنی افواج اُتار دیں۔ فلپائن میں لیٹے کا جزیرہ فتح کر کے منڈورد پر حملہ کر دیا گیا۔

امریکی بیڑے نے بھی جاپان سے ڈھائی سو میل جنوب کی طرف واقع ریوکو کے جزائر کے پاس جاپانی بیڑے سے جنگ شروع کر دی اور جاپانی بیڑے کو اس قدر نقصان پہنچانے میں کامیابی حاصل کر لی کہ پھر جاپانی بیڑے کو امریکی بحری بیڑے کے مقابلے میں آنے کی کبھی بھی ہمت نہ ہو سکی۔ اس کے ساتھ ہی امریکہ نے اپنے طیارہ بردار جہازوں سے جاپان کی سرزمین پر کامیاب جوابی حملے بھی شروع کر دیئے۔

۱۶ ؍ جون سے جرمنوں نے انگلستان پر اڑن بم پھینکنے کی ابتدا کر دی۔

Marfat.com

جرمن ان بموں کو ہالینڈ کی سرزمین سے اڑاتے جو انگلستان میں آکر گر جاتے۔ اڑن بموں کے بعد جرمنوں نے راکٹ بم تیار کر لیے اور انہیں بھی ہالینڈ سے چلاتے تھے جو آسمانی فضا میں ساٹھ ستر میل ہوائیوں کی مانند اوپر اڑ کر بڑی تیز رفتار سے انگلستان کی سرزمین پر گرتے تھے۔ برطانوی حکومت نے ۷ر ستمبر سے قبل ہالینڈ کی سرزمین پر محوری اڈے تباہ کر دیئے تو انگلستان کو جرمنی کے اڑن بموں اور راکٹ بموں سے نجات مل گئی۔

۹ر اکتوبر کو وزیر اعظم انگلستان، موسیو سٹالن کے ساتھ بات چیت کے لیے ماسکو پہنچے اور چرچل کو ۲۵ر دسمبر کے روز ایتھنز بھی جانا پڑ گیا کیونکہ جرمنوں کے چنگل سے رہائی کے بعد یونان میں کمیونسٹوں اور شاہ پسندوں کے درمیان خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ چرچل مختلف پارٹیوں کو اس پر رضامند کرنے لگے کہ جنگ کے بعد یونان میں جمہوری اصولوں کے تحت انتخابات منعقد ہوں گے اور اس جماعت کو اقتدار میں لایا جائے گا جسے اہلِ یونان کی اکثریت ووٹ دے کر کامیاب کریگی۔

۱۳ر جنوری ۱۹۴۵ء کے روز روسی افواج نے محاذ جنگ کے تین حصوں سے پیش قدمی شروع کر دی۔ روسیوں نے ۱۷ر جنوری کو پولینڈ کے دارالحکومت وارسا ۱۹ر جنوری کو کراکاؤ، ۲۶ر جنوری کو ڈینزگ اور ۲۹ر جنوری کو میمل فتح کر لیے اور لیتھونیا سے جرمن فوج کو بے دخل کر دیا۔ ۴ر جنوری ۱۹۴۵ء تک مارشل ژوکوف کی افواج سلیشیا کے راستہ برق رفتاری سے پیش قدمی کرتے ہوئے جرمنی کے صدر مقام برلن سے صرف ۴۰ میل کے فاصلے تک جا پہنچیں۔ ۱۱ر فروری کو روسی لشکر برسیلا کے شمال مغرب میں دریائے اوڈر کو عبور کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ۱۳ر فروری کو روس کی سرخ افواج ہنگری کے پایۂ تخت بڈاپسٹ پر قبضہ کر چکی تھیں اور ۱۳ر اپریل کو آسٹریا کا پایۂ تخت وائنا بھی روسی سرخ افواج کے پاؤں تلے روندا جا چکا تھا۔

مغربی اور جنوبی محاذوں پر بھی جرمنوں کی مزاحمت تقریباً دم توڑ چکی تھی۔ ۴ر مارچ کو اتحادیوں کی افواج محاذ جنگ کے بیس میل لمبے ٹکڑے سے گذر کر دریائے رائین کے مغربی کنارے پر پہنچ گئیں۔ دوسری طرف روسی افواج بحیرۂ بالٹک کے

Marfat.com

ساحل تک پہنچ کر برلن کے قریب دریائے اوڈر کو عبور کرنے میں کامیاب ہو چکی تھیں۔

۶ مارچ کو امریکی افواج کو بون پر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا اور ۷ مارچ کو یہ فوج دریائے رائن کو عبور کر کے جرمنی کے اندرون کی طرف روانہ ہوئیں۔ ۲۴ مارچ کو جنرل منٹگمری کی برطانوی فوج دریائے رائن کو عبور کر کے جرمنی کے شمالی اضلاع میں مشرق کی سمت بڑھنا شروع ہوئیں۔ ۲۶ مارچ کو امریکی افواج نے فرینک فورٹ مین کا قلعہ فتح کر لیا۔ غرضیکہ ماہ اپریل ۱۹۴۵ء میں روسی برطانوی، فرانسیسی اور امریکی افواج جرمنی کی سرزمین میں مختلف اطراف میں برق رفتاری سے آگے ہی آگے بڑھتی گئیں۔

۲۸ اپریل کو جرمن، برطانوی اور امریکی کمانڈروں کے سامنے ہتھیار ڈال دینے پر تیار ہو گئے۔ اس دوران روس کی افواج نے برلن پر حملہ کر دیا تھا۔ یکم مئی کو اعلان ہوا کہ جرمنی کا ڈکٹیٹر ہٹلر مر چکا ہے اور اس کی جگہ امیر البحر ڈونیز حکومت جرمنی کا صدر قرار پایا ہے۔

۲ مئی ۱۹۴۵ء کو روسی فوجیں جرمنوں کی مزاحمت کو ختم کر کے جرمنی کے پایۂ تخت برلن پر قابض ہو گئیں۔ اسی روز شمالی اٹلی کی ایک لاکھ سے زائد جرمن افواج نے برطانوی اور امریکی کمانڈروں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ ۴ مئی کے بعد جنرل منٹگمری کی افواج جرمنی کے جنگی بحری مستقر ہرکیل پر قابض ہو گئیں۔ ۷ مئی ۱۹۴۵ء کو دو بجکر اکتالیس منٹ بعد نیم شب پر جرمنی کے نمائندوں نے اتحادی افواج کے کمانڈر اعظم جنرل آئزن ہاور کے ہیڈ کوارٹر میں پہنچ کے بعد غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالنے کے بعد قرطاس پر دستخط کیے۔ اس کے تین دن بعد جرمنوں نے روسی جرنیل ژوکوف کے ہیڈ کوارٹر میں پہنچ کر روس کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی دستاویز پر دستخط ثبت کر دیئے۔

اس دوران دوسرے قابل ذکر واقعات یہ ہیں کہ ۸ فروری کو جنوبی امریکہ کے ملک پیراگوئے نے اتحادیوں کی رفاقت کا اعلان کر دیا۔

Marfat.com

۲۳ر فروری کو ترکی بھی جاپان اور جرمنی کے خلاف اعلانِ جنگ کر کے اقوامِ متحدہ میں شامل ہو گیا۔ ۲۵ فروری کو مصر نے بھی ترکی کی تقلید کرنے کا اعلان کر دیا۔
یکم مارچ کو ایران نے جاپان کے خلاف اعلانِ جنگ کیا اور اسی روز سعودی عرب نے بھی جرمنی اور جاپان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ ۱۱ر مارچ کو ہسپانیہ نے جاپان سے سیاسی تعلقات کی منسوخی کا اعلان کیا۔ ۵ر اپریل کو جاپان کی وزارت مستعفی ہوئی تو سوویت روس نے جاپان کے ساتھ غیر جانبداری کے معاہدے کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ فروری کی ابتداء میں چرچل اور روزویلٹ (صدر امریکہ) نے مالٹا میں ملاقات کی اور پھر دونوں کریمیا میں موسیو سٹالن سے مشورہ کرنے کے لیے گئے۔ جہاں آٹھ روز تینوں بڑوں کی کانفرنس ہوتی رہی اور ۱۲ر فروری کو ختم ہوئی۔ کانفرنس میں جرمنی کے ہتھیار ڈالنے کے بعد تینوں بڑی طاقتوں نے باہمی امور کے سلسلے میں اہم فیصلے کیے۔

روزویلٹ ۱۳ر اپریل کو وفات پا گیا تو اس کی جگہ ہنری ٹرومین کو امریکہ کا صدر بنا دیا گیا۔

اس سال مشرقِ بعید میں اتحادی افواج (برطانوی اور ہندوستانی افواج) نے ۵ر جنوری کو اکیاب اور ۷ جنوری کو شوبیو پر قبضہ کر لیا۔ ۳ر مئی کو رنگون پر قبضہ کے بعد برما سے جاپانیوں نے پسپائی اختیار کر لی۔
۹ر جنوری کے بعد بحرالکاہل کے علاقہ کے امریکی جرنیل میک آرتھر نے فلپائن میں پیش قدمی شروع کی۔ لوزان کو سر کرنے کے بعد ۴ر فروری کو فلپائن کے صدر مقام منیلا پر قبضہ کر لیا گیا۔ ۲۶ر فروری کو فلپائن کی حکومت جنگ سے پہلے کے صدر جمہوریت کے سپرد کر دی گئی۔
۱۹ر فروری کو امریکی فوجیں جاپان کے قریب جزیرہ آئیو جیما میں اتر کر ۱۶ مارچ کو اس پر قابض ہو گئیں۔ یکم اپریل کو مزید امریکی افواج اوکی ناوا کے جزائر پر چڑھ دوڑیں۔ دونوں جگہوں پر امریکیوں اور جاپانیوں کے درمیان خوب جم کر

Marfat.com

زبردست جنگ ہوئی ۔ علاوہ ازیں امریکی افواج بورنیو ،ترا کان اور دوسرے جزائر پر بھی حملہ آور ہوئیں ۔ امریکی طیاروں اور اڑن قلعوں نے ہزاروں کی تعداد میں اڑنے کے بعد ٹوکیو اور جاپان کے دوسرے شہروں پر بم برسائے ۔

۷ رمئی کو چونکہ جرمنوں نے شکست تسلیم کر لی تھی اس لیے اتحادی پوری قوت سے جاپان پر حملہ آور ہوئے ۔ ۱۳ جون تک آئیو جیما اور شمالی اوکی ناوا میں جاپانیوں کا دم خم ختم ہو چکا تھا ۔ ۵ رجولائی تک فلپائن سے جاپانیوں کو بے دخل کر کے امریکی قابض ہو چکے تھے ۔ ۱۷ رجولائی کو پالٹیڈیم میں دنیا کے تین بڑوں نے صلاح مشورہ کیا کہ جاپان کی فوجی طاقت کس طرح ختم کی جائے ۔ ۲۶ر جولائی کو پالٹیڈیم سے جاپانیوں کو اس مضمون کی وارننگ دی گئی کہ ہتھیار ڈال دو بصورت دیگر تباہی و بربادی تمہارا مقدر بن جائے گی ۔

۵ راگست ۱۹۴۵ کو امریکی نے جاپان کے شہر ہیروشیما پر ایٹم بم گرا کر سارے شہر کی پوری آبادی کو موت کے گھاٹ اتار دیا ۔ ۹ راگست کو امریکہ نے جاپان کے دوسرے شہر ناگاساکی پر دوسرا ایٹم بم پھینکا اور اس شہر کو بھی جلا کر راکھ بنا دیا اور ساری آبادی کو بھی قتل کر ڈالا ۔ ۱۰ راگست کو جاپان کے شہنشاہ ہیرو ہیٹو نے اعلان کیا کہ چونکہ امریکہ نے ایٹم بم کا استعمال شروع کر دیا ہے اس لیے اب جنگ جاری رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں ۔ اسی دن جاپان نے اتحادیوں کے سامنے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیئے ۔ اس طرح ایٹم بم نے دوسری عالمگیر جنگ کا خاتمہ کر دیا ۔

Marfat.com

قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ

حکیم الامت علامہ اقبالؒ اس حقیقت سے واقف تھے کہ ہندوستان میں بسنے والے ہندو اور مسلمان کبھی ایک دوسرے کے رفیق نہیں بن سکتے کیونکہ یہ دو گروہ ہیں جن کے فلسفۂ زندگی میں تضاد ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس الٰہ آباد کے خطبۂ صدارت میں فرمایا۔

"مسلم ایشیا کے ممالک مجموعی طور پر اسلام کے لیے اتنی گراں بہا متاع نہیں جتنی اکیلے ہندوستان کی ملتِ اسلامیہ اس لیے ہمیں ہندوستان کے مسئلے کو صرف اس زاویۂ نگاہ سے ہی نہیں دیکھنا چاہئے کہ ہندوستان میں اسلام کا حشر کیا ہو گا بلکہ اپنی اہمیت کو بہت محسوس کرتے ہوئے اس نقطۂ خیال سے بھی کہ ہماری موت و حیات کا عالمِ اسلامی پر کیا اثر پڑے گا۔ میری آرزو ہے کہ پنجاب صوبہ سرحد سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک واحد ریاست قائم کی جائے۔ ہندوستان کو حکومت خود اختیاری زیرِ سایہ برطانیہ ملے یا اس سے باہر کچھ بھی ہو مجھے تو یہی نظر آتا ہے کہ شمال مغربی ہندوستان میں ایک متحدہ اسلامی ریاست کا قیام کم از کم اس علاقے کے مسلمانوں کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے"

علامہ اقبال صدر مسلم لیگ نے اپنی اس تاریخی تقریر میں پہلی مرتبہ ایک علیحدہ اسلامی ریاست کا نظریہ یعنی تصوّرِ پاکستان پیش کیا۔ لوگوں نے علامہ اقبالؒ کے اس خطبے کو شاعر کا خواب کہا لیکن اس خطبے کے الہامی الفاظ تحریک پاکستان کا سنگِ میل بن گئے۔

حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے جون ۱۹۳۷ء میں قائدِ اعظم محمد علی جناح کے نام ایک مکتوب میں مشورہ دیا کہ ہندوستان میں قوم کو آپ سے امیدیں وابستہ ہیں کیونکہ مستقبل میں جو سیلاب آ رہا ہے اس میں صرف آپ ہی مسلمانوں کی صحیح رہنمائی

Marfat.com

کر سکتے ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ نے علامہ اقبالؒ کے مشورے کے مطابق مسلم لیگ کی تنظیم نو کی اور اس میں ایک نئی روح پھونک دی۔ جولائی ۱۹۳۷ء سے اکتوبر ۱۹۳۹ء تک ہندوؤں کو آل انڈیا کانگرس کے نام پر قانونِ حکومت ہند مجریہ ۱۹۳۵ء کے تحت عام انتخاب کے ذریعہ ہندوستان کے سات صوبوں میں اپنی وزارتیں قائم کرنے کا موقع مل گیا۔ ہندوؤں کو ایک ہزار سال بعد پہلی مرتبہ اقتدار حاصل ہوا تو انہوں نے اپنی وزارتوں کے ساتوں صوبوں میں مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا اس نے بالآخر مسلم لیگ کو یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا کہ مسلمانوں کی آخری منزل پاکستان ہی ہے جہاں انہیں عزت سے زندہ رہ کر پھلنے پھولنے کے مواقع فراہم ہو سکتے ہیں۔

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ کا ستائیسواں سالانہ تاریخی اجلاس منٹو پارک لاہور میں قائداعظم محمد علی جناح کی زیرِ صدارت منعقد ہوا جس میں خیبر سے راس کماری تک پھیلے ہوئے مسلمانانِ ہند کے رہنما جمع ہوئے۔ اس اجلاس کی مختلف نشستوں میں حاضرین جلسہ کی تعداد لگ بھگ ایک لاکھ تھی۔ اسی اجلاس میں وہ مشہور قرارداد پیش ہوئی جو تاریخ میں قراردادِ پاکستان کے نام سے مشہور ہے۔ گویا علامہ اقبالؒ کی پیش گوئی کو ان کی وفات کے دو سال بعد نصب العین کے طور پر قبول کر لیا گیا۔ اس قرارداد میں کہا گیا تھا۔

۱۔ آئینی مسئلے پر آل انڈیا مسلم لیگ کونسل اور مجلسِ عاملہ کے اس اقدام کی تائید و توثیق کرتے ہوئے جو ان کی ۲۷ اگست، ۱۷، ۱۸ ستمبر، ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۹ء اور ۳ جنوری ۱۹۴۰ء کی قراردادوں سے واضح ہوتا ہے آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ اجلاس پُرزور اعادہ کرتا ہے کہ وہ وفاقی منصوبہ جس کا اظہار گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء میں کیا گیا ہے۔ قطعاً غیر موزوں اس ملک کے خاص حالات کے پیشِ نظر ناقابلِ عمل اور مسلم لیگ کے لیے یکسر ناقابلِ قبول ہے۔

۲۔ اس اجلاس کی حتمی رائے ہے کہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو جو اعلانِ وائسرائے ہند نے حکومت ملک معظم کی جانب سے کیا تھا۔ وہ اس حد تک تو

Marfat.com

اطمینان بخش ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا ۱۹۳۵ء جس منصوبے پر مبنی ہے اس پر ہندوستان کی مختلف جماعتوں، مفادات اور فرقوں کے مشورے سے دوبارہ غور کرنے کا یقین دلایا گیا ہے لیکن مسلم ہندوستان اس وقت تک مطمئن نہیں ہوگا جب تک کہ پورے آئینی منصوبے پر از سرِ نو غور نہیں کیا جائے گا اور کوئی نیا منصوبہ مسلمانوں کے لیے قابلِ قبول نہیں ہوگا تاوقتیکہ وہ اس کی رضامندی اور منظوری سے مرتب نہ کیا جائے۔"

۳۔ قرار پایا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کی یہ متفقہ رائے ہے کہ کوئی آئینی منصوبہ اس ملک میں قابلِ عمل اور مسلمانوں کے لیے قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ تاوقتیکہ وہ مندرجہ ذیل اصول پر وضع نہ کیا گیا ہو یعنی جغرافیائی طور پر متصل وحدتوں کی حد بندی ایسے خطوں پر کی جائے، مناسب علاقائی ردّ و بدل کے ساتھ کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے مثلاً ہندوستان کے شمال مغربی اور مشرقی حصّے ان کی تشکیل ایسی آزاد ریاستوں کی صورت میں کی جاتے جن کی مشمولہ وحدتیں خود مختار اور مقتدر ہوں۔ نیز ان وحدتوں اور خطوں میں اقلیتوں کے مذہبی، معاشی، انتظامی اور دیگر حقوق و مفادات کا مناسب، مؤثر اور حتمی تحفظ ان کے مشورے سے آئین میں صراحت کے ساتھ کیا جائے۔ مزید براں یہ اجلاس مجلسِ عاملہ کو اختیار دیتا ہے کہ وہ ان بنیادی اصولوں کے مطابق آئین کا ایک ایسا منصوبہ مرتب کریں جس کی رو سے مذکورہ علاقوں کو بالآخر کلی اختیارات حاصل ہو جائیں۔ مثلاً دفاع، امور خارجہ، مواصلات اور دیگر ایسے امور جو ضروری سمجھے جائیں۔

اس قرارداد کی تائید اور تائید مزید میں چودھری خلیق الزماں (یوپی) مولانا ظفر علی خاں (پنجاب)، سردار اورنگ زیب خان (سرحد) حاجی عبداللہ ہارون (سندھ) خان بہادر نواب اسمٰعیل خان (بہار) قاضی محمد عیسیٰ (بلوچستان) عبدالحمید خاں (مدراس) مسٹر چندریگر (بمبئی) سید عبدالرؤف شاہ (سی پی) ڈاکٹر محمد عالم (پنجاب) سید ذاکر علی اور بیگم صاحبہ مولانا محمد علی (دہلوی) اور مولانا عبدالحامد بدایونی نے تقریریں کیں۔

Marfat.com

یہ تقریر بریں جو جوش و جذبے سے لبریز تھی۔ برصغیر کے ہر حصے کے مسلمانوں کے دل کی دھڑکنوں کی ترجمان تھیں۔ ایک لاکھ فرزندانِ توحید کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر نے انتہائی جوش و خروش کے ساتھ یہ قرارداد منظور کر لی تھی۔ اور اس طرح مسلمانانِ ہند کا قافلہ ایک متعین منزل کی سمت روانہ ہوا تھا۔ اس اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی صدارتی تقریر میں تفصیل کے ساتھ بتایا تھا کہ مسلم لیگ برصغیر کی تقسیم اور قیام پاکستان کا مطالبہ کن اسباب کی بنا پر کر رہی ہے۔ قائداعظم کی اس صدارتی تقریر کے بعض اقتباس ملاحظہ ہوں۔ آپ نے فرمایا:

"حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے قومی تصور اور ہندو دھرم کے سماجی طور طریقوں کے باہمی اختلاف کو محض وہم و گمان بتانا ہندوستان کی تاریخ کو جھٹلانا ہے۔ ایک ہزار سال سے ہندوؤں کی تہذیب اور مسلمانوں کی تہذیب ایک دوسرے سے باہمی تعلق رکھتی ہیں اور دونوں قومیں آپس میں باہمی میل جول رکھتی چلی آئی ہیں مگر ان کے اختلافات اسی پرانی شدت سے موجود ہیں۔ ان کے متعلق یہ توقع رکھنا کہ ان میں محض اس وجہ سے انقلاب آ جائے گا اور ہندو اور مسلمان ایک قوم واحد بن جائیں گے کہ ان پر ایک جمہوری آئین کا دباؤ ڈالا گیا، سراسر غلطی ہے۔ جب ہندوستان میں ڈیڑھ سو سال سے قائم شدہ قانونی واحدانی حکومت اس کام میں کامیاب نہ ہو سکی تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہندوستان کی مرکزی حکومت میں فیڈرل نظام کے جبری قیام سے وہ کامیابی حاصل ہو جائے گی۔ ہندوستان کا مسئلہ صرف دو داخلی فرقوں کا نہیں بلکہ بین الاقوامی نوعیت کا ہے اور اسے بین الاقوامی تسلیم کر کے ہی حل کرنا چاہیئے۔ جب تک یہ بنیادی حقیقت پیشِ نظر نہیں رکھی جائے گی، جو دستور بھی وضع کیا جائے گا، اس کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہوگا۔"

اسلام اور ہندو مذہب درحقیقت دو مختلف اور جداگانہ تمدن ہیں اور یہ محض ایک خواب ہے کہ ہندو اور مسلمان ایک متحدہ قوم بن ۔ ۔ یں گے۔ یہ غلط تصور

ہماری بہت سی مشکلات کا سرچشمہ ہے اور اگر بروقت اس کی تصحیح نہ کی گئی تو یہ ہندوستان کو تباہی کے گڑھے میں دھکیل دے گا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کا ضابطۂ حیات اور نظامِ معاشرت ایک دوسرے سے بالکل الگ ہے۔ یہ لوگ آپس میں شادی بیاہ نہیں کرتے، نہ ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں۔ میں واشگاف لفظوں میں کہتا ہوں کہ وہ دو مختلف تہذیبوں سے تعلق رکھتے ہیں اور ان تہذیبوں کی بنیاد ایسے تصورات اور حقائق پر رکھی گئی ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں بلکہ اکثر تصادم ہوتے رہتے ہیں۔ انسانی زندگی کے متعلق ہندوؤں اور مسلمانوں کے خیالات اور تصورات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ ہندو اور مسلمان اپنی اپنی ترقی کی تمناؤں کے لئے مختلف تاریخوں سے نسبت رکھتے ہیں۔ انکے تاریخی وسائل اور ماخذ مختلف ہیں ان کی رزمیہ نظمیں ان کے سربرآوردہ بزرگ اور قابلِ فخر تاریخی کارنامے سب مختلف اور الگ الگ ہیں۔ اکثر اوقات ایک قوم کا زعیم اور رہنما دوسری قوم کے بزرگ اور برتر ہستیوں کا دشمن ثابت ہوتا ہے۔ ایک قوم کی فتح دوسری قوم کی شکست ہوتی ہے۔ ایسی دو قوموں کو ایک ریاست اور ایک حکومت کی ایک مشترکہ گاڑی کے دو بیل بنانے اور ان کو باہمی تعاون کے ساتھ قدم بڑھانے پر آمادہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں کے دلوں میں بے صبری روز بروز بڑھتی جائے گی جو انجام کار تباہی لائے گی۔ خاص کر اس صورت میں کہ ان میں سے ایک قوم تعداد کے لحاظ سے اقلیت میں ہو اور دوسری کو اکثریت حاصل ہو۔ ایسی ریاست کے آئین کا عمل خاک میں مل کر رہے گا۔

مسلم انڈیا کسی ایسے دستور کو قبول نہیں کر سکتا جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے کہ ہندو اکثریت کی حکومت قائم ہو جائے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کو اس طرح کے جمہوری نظامِ حکومت میں اکٹھا کرنے کا مطلب ہندوؤں کی مکمل بالادستی اور ہندو راج ہے۔ قومیت کی ہر تعریف کی رو سے مسلمان ایک قوم ہیں۔ ان کے لیے لازماً ایک علیحدہ ملک اور ریاست کی ضرورت ہے۔ ہم ایک آزاد اور خود

Marfat.com

مختار قوم کی حیثیت سے اپنے ہمسایوں کے ساتھ امن و امان سے رہنا چاہتے ہیں۔ اپنے نصب العین کے حصول کی خاطر ہم دھمکیوں اور دباؤ سے متاثر نہیں ہوں گے۔ ہمیں ہر قسم کی تکالیف اور نتائج کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیئے۔

پاکستان کے دل لاہور کو یہ فخر حاصل ہے کہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو قرارداد پاکستان اور قائداعظم محمد علی جناح کی متذکرہ تقریر سے جس سفر کا آغاز ہوا تھا وہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کی منزل پر پہنچ گیا۔

اس طرح ۲۳ مارچ کا دن ہماری جدوجہد کی ایک قومی علامت، ایک نئی شعار بن کر تاریخ کے صفحات پر ابھرا ہے کیونکہ یہی وہ دن ہے جب ہم نے ایک پاک سرزمین حاصل کرنے کا عزم کیا تھا۔ خداوند کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں فتح و نصرت دی۔

ہندو اور انگریز کے ظلم و ستم کی شکار پراگندہ حال اور منتشر قوم مسلم اپنے بے پناہ عزم کے ساتھ قائداعظم محمد علی جناح کے پیچھے چل پڑی۔ قائداعظمؒ نے قوم کی فلاح و بہبود کے لیے ایک فیصلہ کیا تھا، اپنی منزل کا تعین کیا تھا اور قوم اپنے تمام جھگڑے بھول کر قائداعظم کے پیچھے چل پڑی اور بالآخر اپنی منزل پر پہنچ گئی۔

قائداعظم کی راہ میں مشکلات اور رکاوٹوں کے سمندر تھے، ان کے سامنے غیروں کے ساتھ ساتھ اپنوں نے بھی مصیبتوں کے ناقابلِ عبور پہاڑ کھڑے کر دیئے تھے لیکن قائداعظم محمد علی جناح ایک پیکرِ عزم و عمل انسان تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع کیا اور پکارا تو ان کی للکار سے مسلمانوں کی رگ و پے میں جرأت و ہمت، مستقل مزاجی اور جانفشانی انگڑائی لے کر بیدار ہو گئے۔ قوم نے قائداعظم کی قیادت میں ان گنت کارنامے سرانجام دیئے۔ اور قائداعظم نے اپنوں اور بیگانوں کی انتہائی مخالفت کے باوجود انگریز حاکم اور ہندو قوم کو شکست فاش دے کر پاکستان قائم کرنے میں کامیابی

Marfat.com

حاصل کرلی ۔

بلا شک و شبہ قائداعظم محمد علی جناح کا شمار آج کے اُن فاتحین کی صفِ اوّل میں سرِ فہرست ہوتا ہے جن کے پاس نہ فوج تھی نہ پولیس نہ سامانِ جنگ اسلحہ وغیرہ تھا اور نہ مال و دولت ۔ اس سامانِ جنگ کی عدم موجودگی کے باوجود دنیا کے سب سے بڑے اسلامی ملک پاکستان کا قیام عمل میں لانا یقیناً ایک فاتح ہی کا کام ہو سکتا ہے ۔

آیت اللہ خمینی

آیت اللہ خمینی کی عمر لگ بھگ اسّی برس ہے ۔ وہ ایک مذہبی رہنما ہیں جو ابتدا ہی سے ایران میں غیر ملکیوں کی لوٹ کھسوٹ اور سامراجیوں کے اثر و رسوخ کے مخالف تھے ۔ انہوں نے ابتدا میں غیر ملکیوں کی طرف سے ایران میں پھیلائی جانے والی فحاشی اور ہمہ اقسام سماجی، تہذیبی و تمدنی برائیوں کے خلاف آواز بلند کی تو اس کی پاداش میں شہنشاہ ایران نے ان کے خاندان کو ظلم و ستم کا نشانہ بنانا شروع کر دیا ۔ خود انہیں بھی جلا وطن کر دیا ۔

آیت اللہ خمینی نے اپنی جلا وطنی کا زمانہ پہلے تو عراق میں اور پھر فرانس میں گذارا ۔ اپنے وطن ایران سے دور رہ کر بھی وہ ایران کو نہ بھولے اور سامراجیوں اور اس کے پٹھو شہنشاہ ایران کے خلاف معروفِ جہاد رہے ۔ نتیجہ میں ان کی جدوجہد ثمر آور ثابت ہوئی اور ایک مرحلہ پر سارے ایران میں آیت اللہ خمینی کے پیروکاروں حامیوں اور مددگاروں کی تعداد اس قدر کثیر ہو گئی کہ شہنشاہ ایران نے اپنے آقا امریکہ کے ایما پر ایران میں عوام کا قتل عام شروع کر دیا ۔ شہنشاہ کی فوج جس میں امریکہ کی سی آئی اے کے ایجنٹوں کی بھرمار تھی، نے عوام کو چن چن کر موت کے

Marfat.com

گھاٹ اتارا۔ نتیجہ میں ایرانی عوام بھی کھلم کھلا فوج کے مقابلہ میں آگئے اور شہنشاہ کی معزولی کا مطالبہ زور پکڑ گیا۔ لاکھوں ایرانی عوام نے شہنشاہ، اس کی فوج اور سامراجیوں کے خلاف جدوجہد میں موت کے گھاٹ اترنا تو پسند کر لیا لیکن شہنشاہ، اس کی فوج اور امریکہ کی علی مخالفت میں ذراسی بھی کمزوری نہ دکھائی۔

آخر کار شہنشاہ اور اس کی فوج نے عوام کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ شہنشاہ ملک سے فرار ہوگیا اور اسی سالہ مجاہد آیت اللہ خمینی فتح کے ڈنکے بجاتا ہوا ایران میں داخل ہوا۔

فاتح آیت اللہ خمینی نے سب سے پہلے عوام کے دشمن فوجی افسروں اور شہنشاہ کے پٹھوؤں کے خلاف مقدمات قائم کئے اور ان سب کو عوام دشمنی کی پاداش میں گولی سے اڑا دیا گیا۔ بلاشک وشبہ آیت اللہ خمینی موجودہ دور کے ایسے فاتح ہیں جنہوں نے ایرانی عوام کی طاقت سے شہنشاہ، اس کی ظالم عوام دشمن فوج اور امریکہ کو بیک وقت شکست فاش دے کر ایران سے بھگا دیا ہے۔ آج دنیائے اسلام کو اپنی قسم کے اس منفرد عظیم فاتح پر ناز ہے اور بیشتر دانشوروں کا خیال ہے کہ وہ آیت اللہ خمینی کے نقش قدم پر چل کر ہی اپنے ممالک کے عوام کی فلاح و بہبود اور ملکی تعمیر و ترقی کے لیے کارنامے سرانجام دے سکتے ہیں۔

محمد بن قاسم

لنکا سے ایک بحری جہاز بصرہ کو جا رہا تھا، اس میں مال تجارت اور تحفے تحائف کے علاوہ وہ بیوہ عورتیں اور یتیم بچے بھی سوار تھے جن کے خاوندوں اور باپوں کا لنکا میں انتقال ہو چکا تھا۔ یہ جہاز سندھ کے بحری ڈاکوؤں نے لوٹ لیا اور مسافروں کو گرفتار کر لیا۔ اس جہاز پر سوار ایک عورت نے حجاج بن یوسف والئ بصرہ کی دہائی دی۔ لیکن اس کی شنوائی نہ ہوئی اور ڈاکو اسے بھی اپنے ہمراہ لے گئے۔

Marfat.com

اس واقعہ کے چند روز بعد ایک سیاح نے حجاج بن یوسف کو متذکرہ واقعہ سناتے ہوئے کہا کہ اس نے یہ واقعہ ڈاکوؤں کے ایک قریبی آدمی سے سنا ہے اور یہ بات بلاشک وشبہ درست ہے۔

حجاج بن یوسف نے اس عورت کی دہائی کے جواب میں تین بار لبیک، لبیک، لبیک کہا اور اسی روز سندھ کے راجہ داہر کو خط لکھا کہ وہ ڈاکوؤں کو گرفتار کر کے سزا دے اور سارے قیدیوں کو رہا کرا کر بصرہ بھیج دے، ان کا مال واسباب بھی واپس لوٹا دے۔ راجہ داہر نے جواب میں لکھا کہ وہ ڈاکوؤں کی بیخ کنی سے قاصر ہے اس لیے گورنر بصرہ حجاج ہی اس سلسلہ میں کوئی اقدام کرے۔ یہ جواب موصول ہونے کے فوراً بعد حجاج نے خلیفہ کی اجازت سے سندھ پر حملہ کرنے کا منصوبہ ترتیب دیا اور اپنے بھتیجے اور داماد محمد بن قاسم کی زیر قیادت چھ ہزار فوج سندھ بھیج دی۔ محمد بن قاسم نے سندھ پہنچ کر دیبل پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا۔ یہاں سے محمد بن قاسم نے تمام مسلمان قیدیوں کو بھی رہا کرا کر بصرہ بھیج دیا۔ اس کے بعد کئی جنگیں ہوئیں اور آخر میں راجہ داہر اپنی ساٹھ ہزار فوج جس میں جنگی ہاتھی شامل تھے، لے کر مقابلہ پر آیا۔ محمد بن قاسم نے راجہ داہر کو شکست فاش دی۔ ۲۰ جون ۷۱۲ کو راجہ داہر جہنم رسید ہوا اور محمد بن قاسم کا سارے سندھ پر قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد محمد بن قاسم فتوحات حاصل کرتا ہوا ملتان پہنچ گیا جہاں اُسے خبر موصول ہوئی کہ حجاج بن یوسف انتقال کر چکا ہے۔ اس کے ساتھ ہی نئے خلیفہ نے جو حجاج کا بدترین مخالف تھا محمد بن قاسم کو واپس بُلا لیا۔ واپس پہنچنے پر نئے گورنر عراق نے نئے خلیفہ کے ایما پر محمد بن قاسم کو گرفتار کر کے جیل میں بھجوا دیا جہاں آخر کار اُسے قتل کر ڈالا گیا۔

محمد بن قاسم ۶۹۳ء میں پیدا ہوا تھا۔ وہ ہندوستان کا پہلا سترہ سالہ مسلمان فاتح تھا جس نے اپنی جرأت وبہادری سے پہلی بار ہندوستان کے علاقے سندھ کو فتح کیا تھا۔

Marfat.com

طارق بن زیاد

طارق بن زیاد کا شمار خلافتِ بنو امیّہ کے عہد کے نامور فاتحین کی صفِ اول میں ہوتا ہے۔ وہ پہلا مسلمان فاتح تھا جس نے یورپ کی سرزمین پر اسلامی پرچم لہرایا۔

خلیفہ عبدالمالک بن مروان کے نامور سپہ سالار موسیٰ بن نصیر کی اجازت اور ایماء سے طارق بن زیاد ۷۱۱ء میں عربوں اور بربروں کا لشکر لے کر یورپ اور افریقہ کو جدا کرنے والی اس آبنائے کو عبور کر گیا تھا جو اس کے نام پر جبل الطارق (جبرالٹر) کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ اس نے سمندر کے اس پار پہنچ کر اندلس (سپین) کو فتح کر کے اسلامی حکومت کا ایک حصّہ بنا دیا تھا۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ جب طارق بن زیاد کی فوج کشتیوں میں بیٹھ کر آبنائے عبور کر گئی تو طارق نے ساری کشتیاں جلا دینے کا حکم دیا۔ اس کے لشکر کے افسروں نے اس اقدام کو سخت ناپسند کیا تو طارق نے اس موقع پر وہ تاریخی تقریر کی جس میں کہا گیا تھا کہ "اب تمہارے لیے کوئی صورت باقی ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ تم آگے بڑھ کر دشمن کے ملک پر قبضہ کر کے اسے اپنا ملک بنا لو۔ دشمن تمہارے آگے ہے اور سمندر تمہارے پیچھے، اب تم صرف آگے ہی بڑھ سکتے ہو۔"

اور طارق بن زیاد کے لشکر نے آگے بڑھ کر سارے سپین کو فتح کر لیا۔ اس کی تفصیل راقم کے ناول بعنوان "طارق بن زیاد" میں مفصّل درج ہے۔

موسیٰ بن نصیر

موسیٰ بن نصیر (۶۴۰ - ۷۱۶ء) خلیفہ عبدالمالک بن مروان نے موسیٰ بن نصیر کو افریقہ کے قبائل کی مہم پر بھیجا تو موسیٰ نے اس مہم کو بڑی کامیابی سے سر کیا اور اپنے نائب طارق بن زیاد کو آبنائے جبل الطارق کی راہ سپین کی فتح کے لیے بھیجا۔

Marfat.com

طارق نے سپین میں داخل ہو کر ابھی چند معرکے ہی سر کئے تھے کہ موسیٰ بن نصیر نے بھی اس کے پیچھے پیچھے سرزمین سپین (اندلس) میں داخل ہو کر سپین کے شمالی حصوں کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد وہ نئے خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے بلاوے پر افریقہ کی راہ شام لوٹ آئے تھے۔ ان کے زمانہ اقتدار میں سارے مفتوحہ افریقہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے موسیٰ بن نصیر کو قتل کرا دیا تھا۔

قتیبہ بن مسلم

قتیبہ بن مسلم بنو امیہ کے پانچویں خلیفہ ولید بن عبدالملک کا ایک نامور فاتح تھا۔ اسے حجاج بن یوسف والیٔ عراق کی سفارش پر ۷۰۴ء میں خراسان کا گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ اس کا دارالحکومت شہر مرو تھا۔ اس کی کمان میں بصرہ کی چالیس ہزار عرب فوج، کوفہ کی سات ہزار عرب فوج، اور سات ہزار موالی تھے۔ اس نے اپنی جرأت و شجاعت سے طخارستان، بلخ، بخارا، فرغانہ، سمرقند اور خوارزم وغیرہ فتح کر لیے تھے۔ وہ ۷۱۵ء میں کاشغر (چینی ترکستان) کو بھی فتح کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ وسط ایشیا کے علاقوں کو فتح کرتے ہوئے چین کی سرحد تک پہنچ گیا تھا۔

خلیفہ ولید بن عبدالملک کے بعد سلیمان بن عبدالملک خلیفہ بنا تو اس کے برسر اقتدار آتے ہی بعض بدگمانیوں یا تلخ حقیقتوں کے تحت قتیبہ نے خلیفہ کے خلاف بغاوت کر دی اور لڑتے ہوتے مارا گیا۔

گیری بالڈی

گیری بالڈی (GARI BALDI) ایک اطالوی وطن دوست

Marfat.com

سپاہی تھا جو زندگی بھر جبر و استبداد اور غلامی کے خلاف جنگ آزما رہا۔ اس کی سیاسی زندگی فرینی کی رفاقت میں اٹلی کی جنگِ آزادی سے ہوئی۔ جلد ہی حکومتِ وقت نے اس پر سازش کا الزام عائد کیا تو وہ بھاگ کر امریکہ چلا گیا اور وہاں کی نوزائیدہ آزاد جمہوریتوں کو بحیثیت سپاہی و ملاح اپنی خدمات پیش کر دیں۔ پھر اس نے ۱۸۴۸ء میں اٹلی لوٹ کر روما کے دفاع میں فرانسیسیوں کے خلاف جنگ کی اور شکست کھا کر نیویارک فرار ہو گیا۔

۱۸۶۰ء میں اٹلی کی بادشاہت کو نیچا دکھانے کے لیے اٹلی لوٹ آیا اور کئی جنگوں کے بعد کامیابی حاصل کی اور نیپلز میں بطور فاتح داخل ہوا۔ پھر اس نے وکٹر ایمانوئیل کو تخت پر بٹھا کر مزید لڑائیاں لڑیں مگر جلد ہی وہ ایمانوئیل کی مخالفت میں اٹھ کھڑا ہوا، اور اس جنگ میں شکست کھائی اور ۱۸۶۲ء میں اپنے دشمن کے ہاتھوں قید ہو گیا۔ اُسے اس کے اٹلی پر سابقہ احسانات اور خدمات کے تحت معاف کر دیا گیا۔ پھر وہ ۱۸۶۷ء میں فرانسیسی سپاہیوں اور پاپائے اعظم کی سپاہ کے خلاف جنگ آزما ہوا اور شکست کھائی۔ ۱۸۷۰ء میں گیری بالڈی نے فرانس اور جرمنی کی جنگ میں اپنے سابق دشمن فرانس کی حمایت میں جنگ کی اور کئی جنگوں میں کامیابی اور کئی میں ناکامی حاصل کی۔ وہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں خرابیٔ صحت کے باعث گوشہ نشینی اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

لینن

لینن نکولائی (LENIN-NIKOLAI) سوویت یونین کا بانی تھا۔ انقلاب روس کے اس کمیونسٹ رہنما کا والد مدرس تھا۔ لینن ۱۸۷۰ء میں پیدا ہوا تھا اور تکمیل تعلیم کے بعد کچھ عرصہ وکالت بھی کرتا رہا تھا۔ ۱۸۹۳ء میں باقاعدہ کمیونسٹ تحریک میں شامل ہو کر سینٹ پیٹرز برگ میں رہائش پذیر ہوا۔ ۱۸۹۵ء میں اسے گرفتار کر کے سائبیریا جلاوطن کر دیا گیا جہاں اس کی شادی انقلابی خاتون کرپسکایا سے ہو گئی اور لینن نے وہاں اپنی مشہور زمانہ کتاب "روس

میں سرمایہ داری" بھی تحریر کی۔ ۱۹۰۰ء میں سوئٹزرلینڈ آگیا اور انقلابی رسالہ ISKRA (چنگاری) شائع کرنے لگا، اس رسالے سے روس میں کمیونزم کا پروپیگنڈہ کیا جاتا تھا۔

لینن نے قیام لندن کے زمانے میں روس کی بالشویک پارٹی کی تنظیم کی۔ ۱۹۰۴ء اور ۱۹۰۵ء میں روس اور جاپان کی باہمی جنگ کے دوران روس میں انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی تو حکومت وقت نے اسے سختی سے کچل ڈالا۔ وہ پہلی جنگ عظیم کی ابتداء تک کمیونسٹ پارٹی کی تنظیم و تبلیغ کا کام پوری سرگرمی سے کرتا رہا اور ستمبر ۱۹۱۵ء میں سوئٹزرلینڈ میں بین الاقوامی کمیونسٹ پارٹی کی بنیاد رکھی۔

روس میں انقلاب شروع ہوا تو لینن فروری ۱۹۱۷ء میں روس پہنچ گیا اور انقلابی تحریک کی قیادت کرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اعلان کیا کہ روس میں اقتدار اعلیٰ روس کے عوام کے ہاتھ میں ہے۔ اُسے ۷ رجنوری ۱۹۱۷ء کو دستور ساز اسمبلی کی تنسیخ پر وزیر اعظم منتخب کیا گیا۔ ۱۹۱۸ء میں لینن نے جرمنی سے صلحنامہ کیا، اور روس میں انقلاب کے قدم جمنے لگے تو ساری دنیا کے سامراجیوں میں کھلبلی مچ گئی کیونکہ روسی انقلاب کی کامیابی میں اُن سب کو اپنی موت نظر آنے لگی تھی۔ نتیجہ میں دنیا بھر کے سامراجی ملکوں اور اُن کے پٹھوؤں نے روس پر فوجی، اقتصادی حملے شروع کر دیئے۔ ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۱ء تک لینن نے روس پر بیرونی حملوں کی کامیاب مدافعت کی اور ساری دنیا کے سامراجیوں کو مسلسل شکستیں دے کر مار بھگایا۔ اس کے بعد لینن نے روس میں "نئی معاشی پالیسی" کے تحت اشتراکی اقتصادی اصلاحات کا نفاذ کیا اور روس روز بروز مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔

۱۹۱۸ء میں ایک انقلاب دشمن شخص نے لینن کو قتل کرنے کے لیے گولی چلائی تھی۔ لینن زخمی ہونے کے بعد زندہ رہا اور اس کا زخم بھی اچھا ہو گیا۔ اس کے بعد اپنی شب و روز کی بے پناہ مصروفیات کے تحت لینن کی صحت گرنے لگی اور ۱۹۲۲ء میں یہ کیفیت ہو گئی کہ روس کا فاتح جس نے روس کو زار شاہی اور اس کے ایجنٹوں کے جال سے رہائی دلائی تھی اور جس نے ساری دنیا کے سامراجیوں کے دانت کھٹے کر دیئے

Marfat.com

تھے اور انہیں شکست فاش دی تھی، اپنی بگڑتی صحت کے ہاتھوں اس قدر مجبور ہوگیا کہ اٹھنے بیٹھنے سے بھی معذور ہوگیا۔

۱۹۲۴ء میں لینن کا انتقال ہوگیا تو اس کی لاش کو ماسکو میں ایک مقبرے میں مسالا لگا کر محفوظ کر لیا گیا۔ اب دنیا بھر سے جو حکمران، بڑے لوگ اور سیاح روس پہنچتے ہیں، اس فاتح کی نعش پر پھولوں کی چادر ضرور چڑھاتے ہیں۔

شرف الدین فاتح تاتار

تاتاری فاتح عالم بننے کا مصمم ارادہ کر چکے تھے۔ ہلاکو بغداد میں لاکھوں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار کر خلافتِ اسلامیہ کا خاتمہ کر چکا تھا اور مرکز کی تباہی کے بعد ہلاکو خاں کا پوتا الغوخان ایک لشکرِ جرار کے ساتھ عرب اور مصر کو فتح کرنے کے لیے روانہ ہوا تو کاشغر کے قریب ایک لمبی چوڑی چراگاہ میں خیمہ زن ہوا۔

لشکر میں رات بھر رقص و سرود کی محفلیں برپا رہیں۔ صبح صادق کا وقت تھا جب بادشاہ الغوخان نے آرام کرنے کا اعلان کیا اور اپنی خواب گاہ میں داخل ہوگیا۔ وہ ابھی بستر پر بیٹھا ہی تھا کہ اس کے کانوں میں اذان کی آواز گونجنے لگی ـــ الغوخان نے پوری اذان سنی تو اپنے دل پر اس کا عجیب قسم کا اثر محسوس کیا۔

علی الصبح بادشاہ الغوخاں کے حکم سے اس کے خادموں نے موذن کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا تو بادشاہ ایک کمزور و نحیف شخص کو دیکھ کر حیران ہوا۔ یہ کمزور شخص سید شرف الدینؒ تھے۔

بادشاہ ان سے مخاطب ہو کر بولا۔

"اے بوڑھے شخص میرے اس سوال کا جواب دے کہ میں اچھا ہوں یا میرا کتا اچھا ہے؟"

شرف الدینؒ بلا خوف و خطر فوراً بولے۔

"اگر تمہارا کتا تمہارے حکم کی تعمیل کرتا ہے تو بلاشک و شبہ وہ اچھا ہے اور اگر تم اپنے مالک کا حکم مانتے ہو تو پھر تم اچھے ہو۔"

Marfat.com

بادشاہ نے غضب ناک ہو کر پوچھا۔

"کبھی میرا مالک کون ہے؟"

شرف الدینؒ بولے:

"تمہارا مالک بھی وہی ہے جو سارے جہاں کے سارے انسانوں کا مالک ہے۔"

بادشاہ نے غصّے سے پوچھا۔

"بھئی آخر وہ ہے کون جو تمہارے نزدیک سارے جہان کے سارے انسانوں کا مالک ہے"۔

شرف الدین نے بڑے اطمینان وسکون اور دلجمعی سے اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان شروع کیا اور مسلسل بولتے رہے۔

بادشاہ الغوخان نے اپنے مصاحبین کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تم اس سلسلے میں کیا کہتے ہو؟"

مصاحبین بولے۔ "ہم ان باتوں کو نہ مانتے ہیں اور نہ ان سے واقف ہیں۔ ہمارا معیار تو صرف اور صرف بہادری وشجاعت ہے۔ اگر یہ مسلمان ہمارے پہلوان سے کشتی لڑے اور ہمارے پہلوان کو پچھاڑ دے تو ہم سب کو مسلمان ہونے میں کوئی اعتراض نہ ہوگا"۔

فیصلہ ہوا کہ اگلے روز شرف الدین اور تاتاریوں کے مشہور پہلوان کی کشتی ہوگی۔ شرف الدین رات بھر عبادت میں مصروف رہے اور دعا مانگتے رہے کہ اے اللہ تعالیٰ تو اپنے دین مبین کی خاطر میرے بازوؤں میں اتنی طاقت عطا فرمادے کہ میں تیرے دین کی سربلندی ثابت کرسکوں۔

دوسرے روز صبح بادشاہ الغوخان بڑی شان وشوکت سے میدان میں بیٹھا تھا کہ یکلخت ایک بھاری بھرکم پہلوان جھومتا ہوا میدان میں اُترا۔ پھر پہلوان نے ایک قہقہہ بلند کرتے ہوئے شرف الدین کا بازو پکڑ کر انہیں اٹھانے کی کوشش کی مگر اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوسکا۔ تاتاری پہلوان نے جھنجھلا کر دوبارہ کوشش

Marfat.com

کی تو اس بار بھی اُسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ تاتاری پہلوان نے اپنے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیئے تو شرف الدین اللہ اکبر کا فلک شگاف نعرہ لگا کر اس کی طرف بڑھے اور پہلوان کو اس کے لنگوٹ سے پکڑ کر ایک تنکے کی مانند اٹھایا اور پھر زمین پر پٹخ دیا، پہلوان چاروں شانے چت زمین پر پڑا تھا اور پلک جھپکنے سے پیشتر شرف الدین اس کی چھاتی پر بیٹھے نظر آ رہے تھے۔

یہ دیکھ کر الغو خاں اور اس کا لشکر دنگ رہ گیا اور اسی روز بادشاہ اپنے سارے لشکر سمیت مسلمان ہو گیا۔ بادشاہ الغو خان کا اسلامی نام سلطان محمد رکھا گیا۔ اس کے قبول اسلام کے بعد مسلمان نہ صرف تاتاریوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہونے سے بچ گئے بلکہ تاتاریوں نے قبول اسلام کے بعد اسلام کی سربلندی و سرفرازی کے لیے ایسے کارنامے سرانجام دیئے جو تاریخ اسلام کے صفحات پر جگمگا رہے ہیں اور ان کارناموں کے پس منظر میں شرف الدین فاتح تاتار کا نام بھی تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ کے لیے ثبت ہو کر رہ گیا ہے۔

محمود غزنوی

سلطان محمود غزنوی کا شمار دنیا کے چند بڑے نامور فاتحین میں ہوتا ہے۔ سبکتگین کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمود غزنوی تخت نشین ہوا تو اسے سب سے پہلے اپنے بعض قریبی عزیزوں کی بغاوتیں فرو کرنی پڑیں۔ اس کے بعد اس نے اپنے والد کے پرانے دشمن مہاراجہ پنجاب کے حملہ کو ناکام بنایا جس نے یہ سوچ کر غزنی کے نوجوان حکمران پر حملہ کر دیا تھا کہ سبکتگین کا نوجوان بیٹا ان عسکری صلاحیتوں سے محروم ہو گا جو اس کے باپ میں موجود تھیں۔

محمود غزنوی نے اپنی حکمرانی کے ابتدائی سالوں میں بغاوتوں کو فرو کر کے اپنی ہمسایہ سلطنتوں کی گوشمالی کی اور اس کے بعد ہندوستان پر سترہ حملے کیئے اور ہندوستان کے ہندو حکمرانوں کے ہوش گم کر دیئے اور جب کبھی ہندوستان پر حملہ آور

Marfat.com

ہوا کامیابی نے اس کے قدم چومے - وہ اکیلا مسلمان بادشاہ تھا جس سے مقابلے کے لیے ہندوستان کے سارے راجے مہاراجے اکٹھے ہو کر جنگ آزما ہوتے، مگر محمود غزنوی کی شجاعت و بہادری زبردست جنگی صلاحیت اور بے پناہ عسکری قوت کے سامنے ہر بار بے بس ہو کر رہ گئے۔

محمود غزنوی نے پنجاب کو فتح کر کے یہاں اسلامی حکومت قائم کی اور ملتان کے نام نہاد مسلمان حاکم، جو قرامطی تھا، کو بھی شکست دے کر مار بھگایا۔ محمود غزنوی نے ہندوؤں کے سب سے بڑے گڑھ سومنات کے مندر کو بھی تباہ و برباد کر ڈالا تھا۔ سومنات کے بارے میں ہندوؤں کا عقیدہ تھا کہ سومنات کا مندر سارے مندروں کا سربراہ ہے، اس لیے سومنات کے قلعے کو کوئی بھی فتح نہیں کر سکتا تھا۔ اگر کبھی کسی نے سومنات پر حملہ کیا تو مندر سومنات کا بت حملہ آور کو ایسے تباہ و برباد کرے گا کہ حملہ آور کا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔

محمود غزنوی نے ہندوؤں کے اس باطل عقیدہ کو جھٹلانے کے لیے نہ صرف سومنات کا قلعہ ہی فتح کر لیا بلکہ ضرب محمودی سے سومنات کے بت کو بھی پاش پاش کر دیا۔ اس موقع پر ہندوستان کے .... سارے مہاراجوں کی افواج محمود کے مقابلے پر آئیں اور گاجر مولی کی طرح کٹ کر رہ گئیں۔

محمود غزنوی کو نہ تو سومنات کا بت کوئی نقصان پہنچا سکا اور نہ ہندو افواج ہی اس کا راستہ روک سکیں۔

سومنات کا یہ قلعہ اسی 'دوارکا' کے قریب ہے جس پر ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں پاکستان کے بحری بیڑے نے کامیاب حملہ کر کے اُسے بالکل تباہ و برباد کر ڈالا تھا۔ دوارکا محمود غزنوی کے زمانے میں بھی ہندوؤں کا ایک بڑا فوجی قلعہ تھا۔ اور ستمبر ۶۵ء میں بھی اسے بھارت کے بڑے بحری اڈے کی حیثیت حاصل تھی۔ پاکستان کی بحریہ کے جوانوں نے ستمبر ۱۹۶۵ء میں اسے بری طرح تباہ و برباد کر ڈالا تھا۔

محمود غزنوی ایک عظیم فاتح اور بہادر جرنیل ہونے کے ساتھ ساتھ زبردست منتظم، علم و ہنر کا قدردان اور مردم شناس حکمران بھی تھا۔

Marfat.com

مہدی سوڈانی

اصل نام سید محمد احمد اور لقب مہدی سوڈانی تھا۔ اگرچہ خود ان کی زبانی اپنے مہدی ہونے کا دعوےٰ کبھی نہ سنا گیا۔ ۱۸۴۳ء میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کی جدوجہد سے چار سال (۱۸۸۱ء تا ۱۸۸۴ء) میں سوڈان کو انگریزوں اور خدیو مصر کے ظلم وستم سے رہائی مل گئی تھی۔ انہوں نے انگریزی افواج اور ان کی حامی مصری افواج کو متعدد بار شکستیں دی تھیں۔ آپ ۱۸۸۵ء میں اچانک بیمار ہو کر ام درمان (نزد خرطوم) میں وفات پا گئے تھے۔

مہدی سوڈانی درویشوں کی مشہور تحریک کے بانی تھے۔ اس تحریک نے ۱۸۹۸ء تک انگریزوں کے خلاف جہاد جاری رکھا تھا۔ لارڈ کچنر نے "ام درمان" کی جنگ میں درویشوں پر فتح پائی تھی اور سید احمد کا مقبرہ اکھڑوا کر مرحوم کی کھوپڑی اپنے پاس رکھ لی تھی کہ اسے دوات بنائے گا لیکن اس کی اس حرکت کو انگلینڈ کے باشعور لوگوں نے سخت ناپسند کیا، جس سے گھبرا کر کچنر نے مہدی سوڈانی مرحوم کی کھوپڑی کسی نامعلوم جگہ دفنا دی۔

اللہ تعالےٰ نے مہدی سوڈانی کی لاش کی بے حرمتی کا انتقام اس طرح لیا کہ لارڈ کچنر سمندر میں غرق ہو کر جہنم رسید ہوا اور اس کی لاش بھی نہ ملی۔

نوشیروان

نوشیروان (انوشک - روبان یعنی لافانی روح) ۵۳۱ء - ۵۷۸ء عرب مؤرخ اسے کسریٰ اور مغربی مؤرخ خسرو قرار دیتے ہیں۔ ساسانی خاندان کا نامور فاتح گذرا ہے۔ کسان عورت کے بطن سے پیدا ہونے والا لڑکا قباد کا چہیتا بیٹا تھا۔ تخت نشین ہونے کے بعد اس نے اپنے سارے بھائیوں اور بھتیجوں کو قتل کروا ڈالا تھا اور مزدک اور اس کے ایک لاکھ پیروؤں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

مؤرخ نوشیروان کو ایک مشہور فاتح تسلیم کرتے ہیں کیونکہ اس نے سلطنت روما سفید ہنوں اور ترکوں سے لگاتار مقابلے کئے تھے اور ہر جنگ میں کامیابی حاصل کی تھی۔

نوشیروان کو منصف مزاج بادشاہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس نے اپنی

Marfat.com

رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے نظم و نسق میں بھی اصلاح کی تھی۔ آبپاشی کے انتظامات بہتر بنائے تھے۔ زمین کا لگان کم کر دیا تھا اور زرعی پیداوار پر محصول میں بھی کمی کر دی تھی۔ وہ بنجر اور ویران زمینوں کو زیرِ کاشت لانے کے لیے رعایا میں بیج، آلاتِ کاشتکاری اور مویشی مفت تقسیم کرتا تھا۔ اس کے زمانے میں بیکاری (کام نہ ملنا) نام کی کوئی شے نہ تھی۔ ہر انسان کے لیے اس کی استعداد کے مطابق کام مہیا کیا جاتا تھا، اور یہ ذمہ داری حکومت کی تھی۔ اس لیے نوشیروان کام نہ کرنے والوں کو سخت سزا دیتا تھا۔ اس نے ملک بھر میں سڑکوں کا جال بچھا دیا تھا۔ ایران کی آبادی میں اضافہ کے لیے ہر جوان مرد و عورت کے لیے شادی کرنا اور بچے پیدا کرنا ضروری قرار دیا گیا تھا۔ اس نے علم کو فروغ دینے کے لیے بہت سے ٹھوس اقدامات کیے تھے۔ اس کے محل کا ایک طاق، ایوان کسریٰ کے کھنڈرات آج بھی "طیسفون" میں موجود ہیں۔ اس کا وزیر بزرجمہر ایک عقلمند مدبر تھا۔

ولیم فاتح

ولیم آف نارمنڈی (WILLIAM OF NORMANDI)

(۱۰۲۷ - ۱۰۸۷) کو ولیم فاتح بھی کہا جاتا ہے۔ اس نے ۱۰۶۶ء میں انگلستان کو فتح کر لیا تھا اور ۱۰۷۱ء تک سارے انگلستان پر اس کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ نارمنڈی میں ایک بغاوت ہوئی تو وہ اسے فرو کرنے کے لیے گیا اور گھوڑے سے گر کر وفات پا گیا۔

ہرش وردھن

ہرش وردھن (۶۰۶ء - ۶۴۷ء) تھانیسر کے مہاراجہ پربھاکر وردھن کا چھوٹا بیٹا تھا۔ جو اپنی تخت نشینی کے وقت سولہ سالہ لڑکا تھا۔ اس نے بنگال پر حملہ کر کے وہاں کے راجہ کو اطاعت قبول کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کے بعد وہ مسلسل چھ سال تک لڑائیاں لڑتا رہا اور پنجاب، کشمیر، سندھ اور راجپوتانہ کے علاوہ باقی سارے شمالی ہند کو بنگال سے لے کر گجرات کاٹھیاوار تک اپنی سلطنت شامل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے تھانیسر کی بجائے قنوج کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ اسے ۶۲۰ء میں دکن پر حملے میں راجہ پلی کیشن نے شکست دی تھی۔ ہرش نے ہندومت چھوڑ کر بدھ مت اختیار کر لیا تھا۔ عالم و فاضل انسان تھا۔ تین ڈرامے سنسکرت میں لکھے اور ایک گرامر کی کتاب لکھی۔ چینی سیاح ہیون سانگ اسی کے زمانے میں ہندوستان آیا تھا۔

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com